ہما خانم

۱۲۳

میر محمد حجازی کے مشہور فارسی ناول کا ترجمہ

۶۲

مترجمہ

سید سجاد حیدر یلدرم مرحوم

(سابق رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

ادارہ ادب جدید

حیدرآباد دکن

قیمت

اشاعت اوّل ...... ایک ہزار

ستمبر سنہ ۱۹۴۴ء

سول ایجنٹ

انڈیا بک ہاؤس

عابد روڈ، حیدرآباد دکن۔

مطبوعہ

ہما خانم



(۱)

ہما کا گھر

جاڑے کا مہینہ ہے۔ دن زیادہ نہیں چڑھا ہے۔ ایک بلند قامت و نازک اندام شخص، جس کا دلکش قیافہ اس کی نجابت کی خبر دے رہا ہے۔ سماروں کے بازار میں داخل ہوا۔ اور تھوڑے سے تردد کے بعد کدھر جائے۔ اُس نے ایک بڈھے دکاندار کی طرف رُخ کیا اور اپنا اوورکوٹ اتار کے اس سے پوچھنے لگا: "اسے کتنے میں خریدو گے؟"

بڈھے نے ایک ملامت بھری نظر ڈال کے کہا: "شاید تمہیں خبر نہیں کہ آج کل بازار کیسا مندا ہے۔ اور روپیہ کا کس قدر کال پڑا ہوا ہے۔ بونی کرانے کے بجائے آئے پہلے پہل بیچنے۔"

اُس نے جواب دیا: "مجھے خبر ہے کہ لوگوں کے پاس روپیہ کم ہے۔ بہرحال میں اپنا اوورکوٹ بیچنا چاہتا ہوں۔ تم لوگے کہ نہیں؟"

دوکاندار نے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کے اور چند سیکنڈ اپنے بدن کو مکتب کے بچوں کی طرح آگے پیچھے ہلا کے ذرا تیز آواز سے کہا "پانچ تومان۔" یہ کہہ کے سر پھیر لیا۔ حسن سلیخاں کو بہت تعجب ہوا اور گویا اپنے دل سے کہنے لگا: "میں نے اس اوورکوٹ کو اسی سال تیس تومان میں خریدا ہے۔ اب پانچ تومان اس کی

قیمت کیسے رہ گئی"۔

اسی عرصہ میں کوٹ کی جیبوں میں جو کاغذات وغیرہ تھے وہ نکالنے لگا۔ دکاندار نے اس بآواز سوچنے کو خیال کیا کہ اپنے مال کی قیمت بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے اور کہا "میں تو چھ تومان تک دے سکتا ہوں"۔ حسن علیخاں مسکرایا اُسے صرف ایک تومان کے اضافہ کی توقع نہ تھی۔ مگر اسی قیمت پر اُوور کوٹ فروخت کر ڈالا۔

بازار سے نکلا ہی تھا کہ برف کی شدت نے اس کے جسم میں لرزہ پیدا کر دیا اپنے چھوٹے کوٹ کے بالائی حصہ کو کھول کے اس نے اپنی گردن کو ڈھکا اور ہاتھوں کو بغل میں دبا کے سر نیچا کر کے تیز تیز چلنے لگا۔ کوئی بیس منٹ چلنے کے بعد "کوچہ حاجی محراب" میں داخل ہوا اور مکان نمبر ۲ کے دروازہ کو آہستہ آہستہ کھٹ کھٹایا۔ دروازہ جلدی سے کھلا۔

گویا گھر والے پہلے ہی سے منتظر تھے۔ دروازہ کھولنے والی طلعت خانم کوئی چالیس سال کی عورت تھی۔ دوہرا بدن کوتاہ قد۔ پرانی وضع کا لباس پہنے ہوئے۔ حسن علی خاں کو دیکھتے ہی خوشی کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اور اس نے خندہ پیشانی سے سلام و مزاج پرسی کے بعد کہا "آیئے اوپر آیئے۔ ہما کی طبیعت کچھ سست ہے کچھ سردی کھا گئی ہے"۔ اور تعجب سے پوچھنے لگی "اس سردی میں آپ نے اوور کوٹ کیوں نہیں پہنا؟"

حسن علیخاں بغیر اس کے اس کا جواب دے۔ دو دو سیڑھیوں کو ایک ایک قدم میں طے کر کے اوپر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرہ نہایت سجا ہوا ہے۔ آرام کرسیاں اور چھوٹی چھوٹی میزیں رکھی ہوئی ہیں۔ جنہوں نے ہر گوشے کو ایک محفل فانوس بنا رکھا ہے۔ چادریں جن پر نہایت عمدہ کشیدہ کا کام ہے۔ میزوں پر پڑی ہوئی ہیں اور دیواروں پر لگی ہوئی ہیں۔ دیواروں پر نہایت نفیس چوکھٹوں میں مناظر کی

تصاویر ہیں۔ جس پر ہُما کے دستخط ہیں۔ دیواروں میں الماریاں لگی ہوئی ہیں۔ جن کے شیشوں میں سے ایک مکمل کتب خانہ کی کتابیں نظر آتی ہیں۔ پاس ہی لکھنے کی میز ہے جس پر کتابیں بکھری ہوئی ہیں۔ میز کے قریب ایک لڑکی کھڑی ہے۔ جس کا قد اونچا۔ رنگ سفید۔ چہرہ کتابی۔ آنکھیں تیز۔ بھویں نازک۔ گھنے اور لہراتے ہوئے گیسو کمر پر پڑے ہیں۔ حسن علی خان کی آواز سنتے ہی میز سے آگے بڑھی۔ اور اس نے حسن علیخان کے ہاتھ اور پیشانی کو بوسہ دیا:

حسن علیخاں :- "ہُما، تمہارے چہرے کا رنگ کیسا اڑا ہوا ہے۔ کیا سردی لگ گئی۔ تم نے کمرہ کافی گرم نہ کیا":

طلعت خانم :- "کوئلے ختم ہو گئے ہیں۔ بس اتنے ہی تھے جو آتش دان میں ہیں۔ لیکن آپ نے اس سردی میں کیوں کپڑے نہیں پہنے ہیں":

حسن علیخان نے کتاب جوان کے ہاتھ میں تھی۔ میز پر رکھ کر۔ چھ نومان جیب سے نکالے۔ اور ان میں سے پانچ نومان طلعت خانم کو دیکر کہا "لیجئے یہ ماہانہ خرچ کے لئے۔ اس مہینہ میں دورو زکی دیر ہو گئی ہے۔ باقی بھی انشاءاللہ تھوڑے دنوں میں لاؤنگا۔ حبیب کو بھیج کر کوئلہ منگوالو۔ ممکن ہے ابھی تو سردی لگی ہے۔ کہیں زیادہ بیمار نہ ہو جائے":

ہُما نے اس محبت کا شکریہ ادا کر کے کہا "آپ کا بھی رنگ اڑا ہوا ہے بغیر اوور کوٹ پہنے آپ کیوں باہر نکل آئے":

حسن علیخاں :- "مجھے سردی نہیں معلوم ہوتی" اور اس کتاب کو جسے میز پر رکھدیا تھا اٹھا کر کہنے لگا "یہ ایک مشہور فرانسیسی مصنف۔ پال بورژے کی تصنیف "ایک طلاق" ہے۔ افسانہ تو سادہ ہے۔ مگر اس میں چند اچھے آدمیوں کی روحی مشکلات کا خوب بیان ہے۔ موضوع وہی ہے جو تمہارے فکر کو مشغول رکھتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ

تم اسے بہت دلچسپ پاؤگی۔ تم جب پڑھ چکوگی۔ تو ساتھ بیٹھ کر اس کے مسائل پر خوب لمبی لمبی بحثیں کریں گے۔ اور انہیں حل کریں گے۔ اگر دنیا کے مسائل کبھی حل ہو سکتے بھی ہوں۔ خاصکر تمہاری دقیق نظر سے کہ ہر مسئلہ کے نکات کو سیکڑوں اور ہزاروں صورتوں میں دیکھتی ہے۔

ہُمانے کتاب اٹھاکر اور ورق الٹ پلٹ کے کہا۔ ہاں میں مطلب کے سمجھنے میں جو زیادہ سوالات کرتی ہوں۔ اس سے آپ دق ہو جاتے ہیں۔ اس کی مجھے شرمندگی ہے۔ مگر اس میں قصور آپ ہی کا ہے۔ کہ آپ نے میری تربیت اس طرح فرمائی ہے۔

آپ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے ہیں کہ بغیر سمجھے آگے مت پڑھو۔ اب میں کیا کروں اگر میں کند ذہن ہوں۔ مگر برائے خدا مجھے جھگڑالو نہ خیال فرمایا کیجئے گا۔

حسن علیخان نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہیں ہرگز جھگڑالو نہیں سمجھتا۔ مطلب کے سمجھنے میں تمہاری کوشش و اصرار مجھے بیحد خوش کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر تم کورانہ ہر بات پر یقین کر لیا کرتیں تو علاوہ اس کے کہ وہ توقع جو اس وقت مجھے تمہاری ذکاوت اور قوت منطقی سے ہے وہ نہ ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ مباحثہ کے لطف سے بھی محروم رہتا۔ یقین مانو آٹھ سال سے اس وقت تک میں تمہاری پڑھائی کی نگرانی کر رہا ہوں۔ خود میں نے کیا کچھ نہیں حاصل کیا۔ تمہاری بھولی "کیوں" اور "کس لئے" کے طفیل میں میں نے سیکڑوں مشکلات کو جو بظاہر آسان معلوم ہوتی تھیں۔ اور میں ان پر کبھی غور نہیں کرتا تھا۔ حل کر لیا۔"

ہُمانے سرکے اشارے سے اظہار تشکر کرتے ہوئے کتاب کے صفحوں میں سے ادہر ادہر سے ایک آدھ سطر پڑھی۔ حسن علیخاں کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ "اب جبتک تم کتاب ختم نہ کر لو۔ کسی طرف متوجہ تھوڑا ہی ہوگی۔ میں جاتا ہوں، ہاں دیکھو کمرا

خوب گرم رکھنا۔ بہتر یہ ہے کہ تم دو تین دن مدرسے بھی نہ جاؤ"۔

طلعت خانم نے حسرت سے سر کو جنبش دیکر کہا "معلوم نہیں، اسے عقل کب آئے گی۔ اب تک بچہ ہی ہے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ بھی کھیلتی ہے"۔

حسن علیخاں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ نیک طبیعت انسان تمام عمر بچوں کی خصلت رکھتے ہیں"۔

طلعت خانم نے مضطرب نظر سے پوچھا "تو کیا ہما تمام عمر بچہ ہی رہے گی"۔

حسن علیخاں ہنستا ہوا دروازے کی طرف چلا۔ اور کہنے لگا "اطمینان رکھیئے ہما کی عقل مجھ سے اور آپ سے زیادہ ہے"۔



حسن علیخاں کا گھر

حسن علیخاں، ہر دوسرے تیسرے روز اپنے مرحوم دوست محمد علی خاں کی بیوی بچوں کی احوال پرسی کے لئے آیا کرتا تھا۔ آج چار روز ہوگئے۔ وہ نہیں آئے طلعت خانم نے خیال کیا، محض اتفاقاً ایسا ہوگیا ہے۔ خاصکر اس لئے کہ اب تک ماہانہ مقررہ بھی اس نے نہیں دیا۔ اُسے یہ معلوم ہی ہوگا کہ وہ پانچ تومان جو دے گیا تھا وہ ابتک ختم ہو گئے ہوں گے۔ ہما نے کہا "مجھے خوف ہے کہیں وہ بیمار نہ ہو گئے ہوں اُس روز سردی میں بغیر اوورکوٹ کے آئے تھے۔ بھائی جان اپنے جسم اور اپنی صحت کی ذرا بھی فکر نہیں کرتے۔ خدانخواستہ اگر طبیعت خراب ہوگئی تو کیا ہوگا"۔

طلعت خانم۔ لو چادر اوڑھ لو اور آؤ وہاں چلیں۔ میں اگرچہ اُسکی بیوی کی منحوس صورت سے بیزار ہوں لیکن اگر اُسکی طبیعت ناساز ہوگئی ہے تو لامحالہ ہمیں وہاں رکنا چاہیئے۔ رقیہ خانم انہوں کی نت رکھتی ہے۔ خود درد گی ہے۔ اور اپنی کثیف عادت و مزاج کی وجہ سے مجھے یقین ہے۔ کہ اُس بیچارے کے منہ میں ایک چمچہ پانی بھی نہ ڈالا ہوگا"۔

کوئی گیارہ بجے دن کے، ماں بیٹی، دونوں حسن علیخان کے گھر پہنچیں باغ جنت میں اک چھوٹا سا گھر ہے۔ نہایت پاکیزہ گھر سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب خانہ کی حیثیت مالی محدود ہے۔ لیکن وہ ذوق اور شخصیت کا مالک ہے۔

رقیہ خانم۔ حسن علیخاں کی بیوی۔ اڑتیس سال سے زیادہ عمر کی ایک عورت ہے۔ اپنے شوہر سے دو برس بڑی ہے۔ افیون کی عادت کی وجہ سے دُبلی اور سیاہ ہوگئی ہے۔ اس کے چہرے کی کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ کہا نہیں جاسکتا کہ خوش شکل ہے یا بدشکل ہے۔ صحن کے شمالی حصہ میں قالین بچھائے ایک تخت پر دھوپ میں بیٹھی ہے ہما اور طلعت خانم کے سلام کا جواب نہ دے کر۔ ایک تلخ لہجہ سے بولی جاؤ اوپر جاؤ اپنے بھائی جان کو دیکھو بخار میں لزرہے ہیں۔ اندھے ہو گئے تھے۔ اوورکوٹ کسی نیچے کو دے آئے۔ اور سردی کھا گئے۔ ایسی ناسمجھی کی حرکتیں بہت کیا کرتے ہیں۔ اب بھگتیں اس کا نتیجہ۔ خیر آئندہ تو ایسا نہ کریں گے"۔

حسن علیخاں کے کمرے میں ایک بڑی میز رکھی ہے۔ جس پر کتابوں اور کاغذوں کا ڈھیر ہے۔ اور کمرے کے چاروں طرف الماریاں ہیں۔ جن میں کتابیں اٹی پڑی ہیں۔ ہر طرف کتابیں ہی کتابیں نظر آتی ہیں۔ دیواروں میں نقشے اور بزرگان ملت اور مذہبی کی تصویریں ٹنگی ہوئی ہیں۔ وہ جب بیمار ہوتا ہے تو اس کے پلنگ کو یہاں لا بچھاتے ہیں۔ تاکہ کتابوں تک اس کی دسترس رہے۔

آنے والوں پر جوں ہی اُس کی نظر پڑی۔ اُس نے اس طریقہ سے گویا معافی مانگ رہا ہے "میری بدبختی کی وجہ سے تمہارا ماہانہ اب تک نہ پہنچا" یہ کہتے ہوئے اُس کے رخساروں پر آنسو ڈھلکتے ہوئے نظر آئے۔ ہما نے قریب پہنچ کے اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور کہا "بھائی جان! آپ سلامت رہیں۔ باقی کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی۔ آپ ہمارے لئے کیوں پریشان ہوتے ہیں"۔

ہُما کے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ مگر حسن علیخاں پر بیہوشی طاری ہو گئی تھی۔ اور اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔

ہُما نے حاجی نوکر کو بلا کر کہا فوراً جاؤ۔ ہمسائے کے ڈاکٹر صاحب کو بلا لاؤ۔ یا اگر کوئی ڈاکٹر ان کا علاج کر رہا ہے تو اُسے ہی لاؤ۔ حاجی نے سر نیچا کر کے کہا "ابھی تک ڈاکٹر تو بلایا نہیں گیا۔ میں ایکبار کہا تو آقا نے اجازت نہ دی"۔

اتنے میں ڈاکٹر آئے۔ ماں بیٹی نے مریض کے سر اور بدن کو دبایا۔ ڈاکٹر کوئی پندرہ منٹ کے بعد آیا۔ ڈاکٹر نے مریض کا معائنہ کرنے کے بعد کہا ذات الجنب (نمونیا) ہے۔ اور حالت خطرناک ہے۔ بیماری کے متعلق ہدایات دیکر اور ایک لمبا سا نسخہ لکھ کے ڈاکٹر رخصت ہوا۔ ابھی ڈاکٹر کمرے سے باہر نہیں گیا تھا کہ حسن علی خان نے آہستہ سے کہا:۔

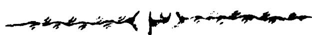
"ڈاکٹر کو کیوں لائے۔ میرے پاس تو اسکی فیس کیلئے روپیہ بھی نہیں"۔

ڈاکٹر نے سُن لیا اور کہا "اے صاحب میں آپ کو دیکھنے اور مزاج پوچھنے آیا تھا۔ فیس کے لئے نہیں آیا تھا"۔

ایک لمحہ میں زندگی نے اپنے چہرے کا خوفناک رُخ ہُما کو دکھایا۔ حسن علیخاں جو ابھی چند دن ہوئے صحتمند و توانا تھا۔ آج بیمار و بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا روپیہ کہ آج تک اس کے عدم و وجود کی اسے خبر نہ تھی۔ آج اس نے اپنی اہمیت اس پر اس قدر ثابت کر دی کہ ایک ایسی عزیز ہستی کی زندگی اس سے وابستہ ہے دنیا کی شکل ایک لحظہ میں اس کی نظروں میں منقلب ہو گئی۔ نسخہ کو ہاتھ میں لے کر رقیہ خانم کے پاس گئی اور کہنے لگی "آپ کے پاس دوا کے دام ہیں۔ مرض خطرناک ہے۔ آپ نے ڈاکٹر پہلے کیوں نہ بلایا۔ آپ کو چاہیئے تھا ہمیں اطلاع دے دیتیں"۔

رقیہ۔ (ایک تمسخر آمیز ہنسی کے ساتھ) اوہو، مدعی سُست گواہ چُست۔ [illegible] بھی؟

اپنے نکھٹو آدمی کا مرنا جینے سے بہتر ہے - چار سال سے گھر میں بیٹھا ہے - میرے لئے الف لیلہ پڑھتا ہے - میرے پاس پیسہ کہاں ہے ؛



بیماری کا زمانہ

جس وقت طلعت خانم حسن علیخاں کے علاج کی خاطر اپنے گوشوارے اور انگوٹھیاں گروی رکھ رہی تھی - ہما کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو رہے تھے حسن علیخاں کی بیماری نے طول کھینچا - مجبوراً دونو اپنا گھر چھوڑ کر اس کے ہاں اُٹھ آئیں اور اُسکی تیمارداری میں مشغول ہوئیں ؛

حسن علیخاں قریب قریب تمام رات جاگتا تھا - اس وجہ سے ہما ، رات بھر اُس کے سرہانے بیٹھی اُس سے باتیں کرتی اور اُس کا دل بہلاتی رہتی تھی - جب وہ سو جاتا تو وقت کاٹنے کے لئے میز کی کتابوں اور کاغذات کو پڑھا کرتی - اور مطالعہ کے وقت نوٹ کرتی جاتی - حسن علیخاں نے علم الاقتصاد پر کئی جلدیں تصنیف کی تھیں - لیکن اُنہیں شائع کرنے پر مائل نہ تھا - ہما نے وہ بھی پڑھ ڈالیں - آخر میں اُسے ایک بڑی سی کتاب ملی - جس کی جلد پر ڈائری (روزنامچہ) لکھا ہوا تھا - اُس نے خوش ہو کر اپنے دل میں کہا " اس کتاب میں ان کے خیالات و افکار کا نچوڑ ہو گا - یہ کتاب اُس کے اسرار روح و اساس فکر کی کنجی ہوگی - اس کے مطالعہ سے میں اُس کی روح کی گہرائیوں اور فکر کی بلند پروازیوں تک پہنچ جاؤنگی " اور اس امید میں کہ اس سے ہزاروں حقیقتوں کو کشف کریگی - اس کا ہاتھ کتاب کھولنے کے لئے شوق سے کانپ رہا تھا اس نے ایک صفحہ کھولا ، لکھا تھا :-

صبح چہار شنبہ

زیادہ پڑھنے سے میں تھک گیا۔ مطالعہ کی اس قدر لمبی چوڑی تعریفیں کیوں کی جاتی ہیں۔ میرے نزدیک یہ سب تعریف غلط ہے۔ کتابوں کے پڑھنے سے سوا اُسکے اس کے کہ ہمارے خیالات پریشان ہوں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اور اصل میں کتاب ہے کیا چیز۔ چند خود نما اور مغرور اشخاص کی اس کوشش کا مجموعہ کہ وہ اپنے اصلی خیالات و عقائد کو نہایت خوبصورتی سے چھپا کر ان خیالات کے برخلاف، ان رایوں کا اظہار کریں جن سے وہ عوام میں مقبول ہوں؛

تحریر کی شگفتگی، لکھنے والے کی قوتِ فکر کو ظاہر کرتی ہے۔ نہ کہ اس کی روح کو۔ یہ لوگ تھیٹر کے ایکٹروں کی طرح ہیں۔ کہ اسٹیج پر مختلف روپ دھار کر۔ آتے ہیں اور اصلی معلوم ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ جھوٹ ہنستے ہیں۔ اور جھوٹ روتے ہیں اور پڑھوں بھی تو کیا پڑھوں۔ کونسی کتاب ہے کہ ایک رائے کے خلاف اگر اسی کتاب میں نہ ملے تو دوسری کتاب میں ضرور ہوگا۔ اور اسے ثابت کیا گیا ہوگا حقیقتِ مسلّم کہاں ہے؟ ہر فلسفی نے دوسرے فلسفی کے نظریہ کو نہایت جانفشانی سے رد کیا ہے اور سیکڑوں دلیلوں سے اپنے ادّعا کو ثابت کیا ہے۔ اور جب اُن کی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ یہ مشعل بردار، خود سب سے زیادہ گمراہ۔ سب سے زیادہ درماندہ ہیں۔ فرانس کا مشہور فلاسفر روسو کہتا ہے "آرام اور خوش بختی کے لئے دو چیزوں سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ صحت اور روپیہ بقدر احتیاج۔ لیکن خود وہ ان چیزوں کے علاوہ سیکڑوں چیزوں کا طلبگار تھا۔ اور ان کے نہ ملنے کی وجہ ہمیشہ رنجیدہ رہا۔ اور اسی رنج میں مر گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ عقل و حکمت ہے تو کتاب لکھے گا ہی نہیں۔ تصنیف خود نمائی ہے۔ اور جنگ اور دعویٰ یہ سادہ لوح فلسفی اس تمنا میں ہیں کہ اس کے بعد، اس کی نشانی باقی رہے جبکہ

اُس کے جسم کا ہر ذرہ، دنیا میں پراگندہ بھیر رہا ہے۔ اسے اس کی تصنیف کیا فائدہ دیگی۔ اور یہ تصنیف پڑھیں گے کتنے؟ فرض کرو کہ تصنیف ایک کروڑ سال تک باقی رہی زمانۂ لامحدود کے مقابلہ میں اس کی زندگی ایک منٹ بھی نہ ہوئی۔ ایک طوفان دنیا کو زیروزبر کر کے انسانی یادگاروں کو ذراسی دیر میں محو کر دیتا ہے جس فلسفی کی عقل اتنی ہو، میں اُسے اپنا رہبر کیونکر قرار دوں۔ وہ خود غرور کی نادانی میں گرفتار رہے اور مجھے اس مرض سے نجات دینا چاہتا ہے۔

ہُمانے اسے مُسکرا کر پڑھا، دوسرا صفحہ لوٹا۔ لکھا تھا:-

شبِ دوشنبہ

ذوقے چناں ندارد بے دوست زندگانی۔

یہ تمام مطالعہ و فلسفہ و فکر مجھے زندگی کی ضروریات سے بے نیاز نہیں کرتا اگر زندگی کی دوسری ضروریات پوری نہ ہوں، تو اسقدر رجائے افسوس نہیں جتنی کہ احتیاج عشق۔ یہ حس، ہمیشہ میری زندگی کی بنیاد، اور میرے خیالات کا محور رہا ہے۔ مگر ہائے، اس آبِ حیات کا ایک قطرہ مجھے تمام عمر میں نصیب نہ ہوا" میرے ماں باپ نے کیوں ایک ایسی ہستی کو میرا شریک زندگی کر دیا ہے۔ کہ جس کی بیہودگیوں سے ہر وقت میری روح مجروح رہتی ہے۔ مجھے اس طرح کیوں گرفتار کر دیا ہے۔ آہ! وہ آزادی کیا اچھی آزادی ہے۔ جب کہ انسان محبت میں اپنی گردن میں طوق غلامی ڈال لے۔ اور وہ قید کیا اچھی قید ہے۔ جسے انسان بہ اختیار خود قبول کرے۔ مجھے اپنی شریک حیات و سرمایۂ راحت کو خود کیوں نہ انتخاب کرنے دیا۔ اور کیوں اس نعمت سے قدرتی طور پر مستفید ہونے نہیں دیا۔ اگر ہم کسی سے کہیں کہ ہمارے لئے عینک خرید لاؤ تو سب تعجب کریں گے۔ اور ہم یہ نہیں گے۔ لیکن جوڑے اور شریک سفر زندگانی کا انتخاب دوسرے کے

سلیقہ و نظر پر چھوڑا جاتا ہے۔ حالانکہ ہماری خوشی اور بدبختی اس جوڑے کی موافقت اخلاقی پر منحصر ہے۔ اور اس کے درست یا غیر درست ہونے سے ہماری دنیا روشن یا تاریک ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کا انتخاب کرنا لوگوں کی نظروں میں بالکل قدرتی بات معلوم ہوتی ہے۔ اور ہر ایک بات میں تو جوا اور نصیب آزمائی مذموم ہے۔ لیکن زندگی کی خوشی میں قمار جائز ہے کیسے تعجب کی بات ہے ؏

ان تمام اضطرابات روحی کی تسکین کے لئے جن سے ہم بیتاب ہیں۔ اور اُن تمام نامعدود و نامحدود آرزوؤں کی عوض میں جن کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے ہم مبتلائے درد و الم رہتے ہیں۔ خدا نے نعمت عشق ہمارے لئے پیدا کی ہے۔ کیسا بدبخت ہے وہ شخص جو اس نعمت سے محروم ہے ..... ہاں مجھے یہ ودیعہ کبھی نہ ملا اور اس سرچشمۂ سعادت کا ایک قطرہ میں نے نہ پیا۔ تمام عمر اپنے دل کی گہرائیوں میں اس کی حسرت لئے پھرا۔ لیکن کبھی اس کی شکل نہ دیکھی۔ کہاں ہے وہ محبوبہ جو اپنے لطف و محبت سے میرے اضطراب قلب کو تسکین دے۔ اور کہاں ہے وہ ہم فکر، جو میری روح کے ساتھ آسمان کی سیر کرے ؏

عمر گذر رہی ہے اور یہ آرزو یوں ہی دل میں گھٹ کر رہ جائے گی!؏

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو عورت کو اسباب کی طرح خریدتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک اُن کے ساتھ زندگی بسر کرنی کوئی اہمیت نہیں رکھتی اُس کے جسم کے مالک ہیں۔ اور خوش ہیں میری ساری مصیبت اس لئے ہے کہ میں ایک ایسی بلند پرواز روح کی تمنا رکھتا ہوں جو میری روح کے ساتھ ہم آشنا ہو اور یہ چیز روپے سے نہیں خریدی جا سکتی۔ اور جبر و زور سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔

میری روح اُس پر فدا ہونا چاہتی ہے۔ جو میرے تمام افکار کی شریک ہو

سوؤں تو اُس کے لئے۔ جاگوں تو اُس کے لئے۔ اور اُس کی محبت کی قوت سے ہر مشکل کا مقابلہ کروں۔

لیکن اگر میں اس حرمان و بدبختی کا اسیر ہوں تو قصور میرا ہی ہے۔ میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں کہ میں نے اپنے تئیں سوسائٹی کے حلقے سے باہر کر لیا ہے۔ اور فکر عمومی کے دھارے سے علیحدہ ہو گیا ہوں۔ اس ملک میں میری یہ آرزو قابل عمل نہیں۔ اور کوئی اس آرزو کو پورا نہیں کر سکتا۔ میں کہ مجھے زندگی سے کوئی لطف نہیں مل رہا۔ آخر زندہ کیوں ہوں۔ شاید وہی حِسِ طبعی جو ہر مخلوق کو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے مجبور کرتا ہے، مجھے بھی زندہ رہنے پر مجبور کرتا ہے لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں فرض کے انجام دینے کو زندہ ہوں۔ میری بیوی، اور میرے بدقسمت و ناکام مرحوم دوست کے بال بچے میرے سپرد ہیں۔ مجھے اُن کے لئے زندہ رہنا ہے۔ مجھے لازم ہے کہ ان کے لئے تکلیفیں سہوں اور دم نہ ماروں انسان بھی کس قدر خود پرست ہے۔ میں اس تحمل اور فرض شناسی سے خود ہی تو لطف حاصل کر رہا ہوں۔ مگر سمجھتا ہوں کہ بڑا ایثار کر رہا ہوں اور اس پر فخر کر رہا ہوں.........."

ہُما نے اس آخری صفحہ کو پڑھ کر چند دفعہ کاغذ، کچھ نوٹ لکھنے کے لئے اٹھایا مگر اس کے قلم سے کچھ نہ لکھا گیا۔ بڑی دیر تک وہ سوچ میں پڑ گئی۔

اس ڈائری کو بغیر اجازت پڑھنے سے شرمندہ و نادم تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اُس نے کیا غلط کام کیا۔ لیکن ساتھ ہی ان اسرار کے معلوم کرنے سے حد درجہ متاثر و رنجیدہ تھی۔ خاصکر اس وجہ سے کہ اپنے معلم و رہبر کو جسے وہ اب تک خیال کرتی کہ اپنے افکار فلسفی کے ستونوں کو مضبوط پکڑے کھڑا ہے۔ رنج و حرمان میں اس قدر مبتلا پا رہی تھی۔ اُس کی طبیعت پر ایک قسم کی ناامیدی و

کسل طاری ہو گئی :
اُس نے دیکھا کہ اس کا رہبر بھی محتاج ہے۔ اور زندگی میں پہلی دفعہ اس کے دل میں
حسن علیخاں کے لئے ایک حسِ شفقت و ترحم پیدا ہوا۔ لیکن ساتھ ہی اُن احساسات
تعظیم و تکریم میں جو اپنے اُستاد کے متعلق اس کے دل میں جاگزیں تھے نامعلوم کمی سی
آگئی۔ اب اُسے وہ زیادہ عزیز ہے۔ لیکن اتنا بزرگ نہیں اور چونکہ اسے جو کرنا چاہیئے تھا
وہ کر گذری تھی۔ اُس نے اس طرح اپنے دل کو سمجھایا کہ "اب مجھے یہ روزنامچہ پڑھتے
رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جسقدر اُس کے حالات و دلی خیالات پر مجھے آگاہی ہوگی۔ میری
ہمدردی اُن سے بڑھتی جائے گی۔ شاید میں کسی نہج سے اُن کی معاونت بھی کر سکوں"
ایک صفحہ اور اُلٹا، لکھا تھا :-
روز یکشنبہ
آج اس جرم میں کہ میرا کوئی مربی اور کوئی سفارش کرنے والا نہیں اور
شاید یہ بھی ہو کہ میں نالائق ہوں، وزارت مالیہ میں نوکری کے محض امیدواروں
میں میرا نام درج کیا گیا ہے اچھا ہوا کہ اب پڑھنے کے لئے خوب وقت ملے گا۔ اس
چار سال کی مدت میں کہ میں اپنے مرحوم و بدبخت دوست کے خاندان کی پرورش
کیلئے سرکاری نوکری کرنے پر مجبور رہا۔ میرا وقت ضایع ہوا۔ اور میری روح عذاب
میں رہی۔ کون سی سختی تھی جو میں نے نہ سہی اور کون سی نا ملائم بات تھی جو میں نے
برداشت نہ کی۔ یہ بھی کیا غلامی و خواری ہے کہ ہر روز وقت مقررہ پر ایک معین
مقام پر حاضر ہو کر گھنٹوں وہ فضول کام کرو جو تمہاری طبیعت کے خلاف ہے۔ ان
تحریروں کو پڑھو اور وہ تحریریں لکھو جن سے کسی تن واحد کی خوشی میں اضافہ نہ ہو۔
زیادہ تر جھوٹ و جبر و تعدی بیشتر بے لطف بے مزہ، ایسے کہ خود اپنی طبیعت سے اُن
تحریروں کو ہرگز نہ پڑھے گا۔

کیوں ایسوں کی خوشامد کی جائے جو مجھ سے کسی طرح بڑھ کر نہیں۔ اور اُن کا حکم بجا لایا جائے۔ اور کاش یہی ہوتا کہ وہ میری طرح ہوتے تو بھی اُن کی اطاعت ناگوار نہ ہوتی۔ مگر اکثر وہ لوگ حکومت کی مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو بے علم ہیں اور حیوانی طبیعت رکھتے ہیں۔ کمزور کے مقابل میں قوی اور قوی کے مقابلہ میں خود ضعیف اور ہاتھ جوڑتے ہوئے کیا دنیا میں ہر جگہ سلطنت کے محکمے ایسوں ہی کے ہاتھوں میں ہیں؟ مگر میرا خیال ایسا نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُن کے محکمے ہمارے ملکوں سے مشابہ ہوتے حالانکہ ایسا نہیں۔ شکر ہے میں نے اس زحمت و رنج سے خلاصی پائی۔

لیکن یہی مسئلہ جس نے مجھے چار سال پیشتر سرکاری نوکری کرنے پر مجبور کیا۔ اپنی منحوس شکل کے ساتھ پھر میرے سامنے آ رہا ہے۔ میری جائداد کی آمدنی دو گھروں کا خرچ چلانے کے لئے کافی نہیں۔ کیا کرنا چاہیئے۔

مجبوراً اپنی جائداد کا ایک حصہ فروخت کرنا ہوا۔ جب تک کوئی نوکری ملے یعنی پھر عذاب میں مبتلا ہوں عذاب بھی کیا عذاب۔ فی الحال اپنے اخراجات مجھے کم کرنے چاہئیں۔ کچھ ہو، اپنے دوست کے گھر مثل سابق ہر مہینے سو تومان پہنچانا ہیں اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔"

دوسرے صفحے پر اُس نے پڑھا:۔

جمعہ

آٹھ سال ہونے آئے۔ اپنے عزیز دوست مرحوم محمد علی کی وہ نگاہ آخری۔ وہ نگاہ التماس و یاس مجھے نہیں بھولتی۔ جب اُس نے نہایت دھیمی آواز سے کہا تھا۔ "میں اپنی بیوی اور لڑکی کو تمہارے سپرد کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اس مصیبت بھری دُنیا سے وہ رخصت ہو گیا۔ اور مجھے بے کس و بے یار چھوڑ گیا۔ میرے خیالات کے سوا میرا کوئی مونس نہیں۔ میں سب سے دور ہوں۔

زندگی کی ایک خوشی ہُما سے باتیں کرنا ہے۔ باپ کے تمام محاسن و مکارم مجھے اُس میں نظر آتے ہیں۔ مسئلہ توارث ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کسی ملت کی بزرگی یا بے مائگی، اس مسئلہ سے وابستہ ہے۔ آباد اجداد کی خصایص اولاد میں پہنچتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ افراد کی نشوونما میں ماحول اور تربیت کے اثرات کو بھی بڑا دخل ہے۔ ہُما کے خیالات و افکار، کیا نتیجہ ہیں۔ توارث کا۔ یا میری تربیت کا؟ غالباً ان دونوں نے ایک دوسرے کو مدد پہنچائی ہے۔ اس لئے کہ میرے اور اُس کے باپ کے خیالات و احساسات بہت ملتے جلتے تھے۔ اور جو تربیت کہ میرے افکار کے ماتحت ہوئی ہو، وہ لابُدی طور پر ان خیالات و احساسات کا پرتو ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ہُما میں کم و بیش میں، انہیں افکار و اخلاق کی ایک جھلک دیکھتا ہوں۔ جنہیں میں نے قبول کر لیا ہے۔ شاید ساری دنیا میں اُس سے بڑھکر میرا ہم فکر و ہم خیال نہیں۔ وہ لمحے جو علمی اور ادبی بحثوں میں اُس کے ساتھ گذرتے ہیں میری زندگی کے بہترین لمحے ہوتے ہیں۔ جس وقت اُس کے چہرے کا رنگ سُرخ ہوجاتا ہے۔ اور وہ میز پر ے بیحرکت ہاتھ پر نظر گاڑ کے اپنی قوت سے اپنے مطالب کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ میں خوشی سے بیچین ہوجاتا ہوں۔ مجھے محمدؐ علی نظر آتا ہے کہ اپنے اُس چہرے کے ساتھ مجھ سے سرگرم مباحثہ ہے۔ وہی جھینپ اور حیا اُس کی آنکھوں میں نظر آتی ہے۔ اور اُس کے ہر لفظ سے وہی بے لوث محبت ٹپکتی ہے۔ سچ تو یہ ہے اگر ہُما دنیا میں نہ ہوتی تو میں کیا کرتا۔ اور کوئی میرا دوست ہوتا۔ بغیر دوست کے زندگی کا بوجھ منزل تک کس طرح لیجایا جا سکتا ہے۔ میرے مقدور میں جس قدر تھا میں نے اُس کی تربیت و تعلیم میں کوشش کی۔ اگر میرے پاس سرمایہ ہوتا۔ تو میں تعلیم کے لئے یورپ بھیجتا۔ میں چاہتا تھا کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی متخصص ہوکر وہ واپس آتی۔ لیکن کیا کروں۔ میرے ذرایع روز بروز محدود ہوتے جاتے ہیں۔ اب

اس کی عمر کا اکیسواں سال جا رہا ہے۔ میرا آخری فرض یہ ہے کہ میں اس کے قابل اُس کا ایک شریک عمر تلاش کروں۔ اگرچہ انتخاب کرنا تو اسی کا کام ہے تاہم مجھے بھی لازم ہے کہ اس میں توجہ کروں، تاکہ وہ دھوکا نہ کھا جائے۔

میں یہ قیمتی موتی اس شخص کے سپرد کروں گا جو اس کا اہل اور اس کی حفاظت اور قدر کر سکے۔ گو یہ کام میرے فرائض میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میرے دل کا خون کرے گا اور میری بدبختی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ ہُما کے لطف صحبت سے میں محروم ہو جاؤں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زناشوئی کے تعلقات سے اس کے اخلاق و خیالات میں تغیر واقع ہو جائے۔ اور دوسرے کی طبیعت کا رنگ اس پر چڑھ جائے۔ یہ میرے لئے دائمی ملال کا باعث ہوگا۔

مگر علاج کیا ہے؟ ایک سپاہی کی طرح مجھے فرض پورا کرنا چاہئے۔ اور یہ نہ سوچنا چاہئے کہ انجام میرے لئے اچھا ہوگا یا بُرا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو خوشی دوسرے سے وابستہ ہو۔ اور جس کی بنیاد اپنی ذات میں مستحکم نہ ہو وہ عارضی ہے۔

موت میرے شفیق دوست کو مجھ سے چھین لے گئی۔ اس نے میری گریہ وزاری کی پروا نہ کی فطرت میرے اس آخری وسیلۂ تفریح و راحت قلبی کو مجھ سے چھڑا لے اور جائے دم زدن نہیں۔ میرے لئے اب کوئی خوشی نہیں۔ شاید میرے مقدر میں یہ ہے کہ میرا دل روئے، اور زبان پر حرف شکوہ و شکایت نہ ہو۔

قلم ہُما کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا۔ اب اس میں اس کی قوت نہ تھی کہ اس کے متعلق کچھ یادداشت لکھے۔ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ سانس رکا ہوا ہے، بدن کانپ رہا ہے۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے دل کی دھڑکن کو روکنا چاہتی ہے۔ تھوڑی دیر

کے بعد کرسی سے اپنا سر ٹیک کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اور بہت دیر تک اسی حالت میں رہی جب آنکھیں کھولیں تو اس طرح گویا کوئی چیز ڈھونڈ رہی ہے۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا۔

اُس کی نظر حسن علی خاں پر پڑی جو ابھی جاگا تھا۔ اور نیم کشادہ آنکھوں سے متفکرانہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہما نے ایک رقت و شفقت آمیز نگاہ اُس پر ڈالی اور اُس سے باتیں کرنی چاہیں۔ مگر نہ کرسکی۔ حسن علی خاں نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور سو گیا۔

دیر تک ہما فکر میں غرق رہی۔ صبح کے قریب اس طرح مایوسانہ اُس نے اپنا سر ہلایا گویا اس تمام فکر کے باوجود وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔

اب اس نے آخری صفحہ اُلٹا لکھا تھا:-

شنبہ

میں خرچ کی وجہ سے پریشان ہوں۔ بھائی کو لکھا ہے کہ میری اراضی کا آخری ٹکڑا فروخت کر ڈالیں۔ ابھی تک جواب نہیں آیا اگر یہ روپیہ پہنچ گیا تو چند مہینے تک گذارہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد؟ میں سوچ نہیں سکتا۔ میں خود تو ممکن ہے کہ سوکھی روٹی پر گذارہ کرلوں۔ مگر اپنے دوست کے خاندان کو تنگی میں نہ ڈالوں گا قناعت بھی کسی چیز کے اوپر ہوتی ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ جس وقت میں یہ سوچتا ہوں ہما کو احتیاج کی وحشت انگیز شکل دیکھنی پڑے گی تو میں لرزنے لگتا ہوں۔ میرا دماغ پھٹا جاتا ہے۔ آج میں نے وہ کام کیا جو کبھی نہ کیا تھا۔ اگرچہ اس کا ذرا ملال نہیں اب کچھ کرنا ہوگا۔ یہ سب کچھ دیکھنا ہوگا:-

آج میں نے اپنا اوور کوٹ چھ تومان میں بیچ ڈالا۔ پانچ تومان طلعت خانم دیدیئے۔ اور ایک اپنے لئے رکھ لیا۔ امید ہے آج پاکل روسہ آجائے گا۔ مجھے

شاید سردی لگ گئی ہے سر میں درد ہے......

سیل اشک نے ہما کو آگے نہ پڑھنے دیا۔ کتاب کو بند کر دیا۔ اور ہاتھوں پر سر رکھ کے اس نے رونا شروع کر دیا۔

(۴)

وزارتِ مالیہ

حسن علیخاں نے صحت پاتے ہی پہلا کام جو کیا وہ وزارت مالیہ میں نوکری حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ وزارت مالیہ کے دفتر کی سیڑھیوں پر سے جو لوگ آتے جاتے ہیں اُن میں ایک جماعت ایسی نظر آتی ہے جو نسبتاً خستہ حال ہے۔ یہ نوکری کے امیدواروں کی جماعت ہے۔ وہ ہر روز درگاہ بیم درجا میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے عباؤں کو ہاتھوں سے ہلاتے ادہر ادہر دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ کچھ کہتے بھی جاتے ہیں۔ زیادہ تر یہ گالیاں اور کوسنا ہی ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے مقصد میں جلد کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اُن کی درخواست جلد قبول ہوتی ہے لیکن امیدواروں کی جماعت کا زیادہ حصہ وہ ہوتا ہے جو پریشان و نا امید پھرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کدھر جائیں۔ اور کس کا وسیلہ ڈھونڈیں۔ گھنٹوں برآمدوں میں کھڑے ایک دوسرے سے اپنا درد دل کہتے ہیں۔ ہر اک، دوسرے کی کہانی پر متوجہ نہیں ہوتا اور اپنی ہی مصیبتوں کو بیان کرنا چاہتا ہے۔ اپنی قابلیت اور استحقاق اور دوسروں کی ناقابلیت کو بیان کرتا ہے۔

حسن علی خان، وزارت مالیہ کے دروازے تک جلد جلد چل کر گیا۔ مگر وہاں پہنچکر سیڑھیوں پر آہستہ آہستہ چڑھ کر آخری سیڑھی پر رک گیا۔ امیدواروں

اور چپراسیوں کی بھیڑ دیکھ کر سیڑھیوں سے آہستہ آہستہ پھر اترنے لگا۔ بغیر اس کے کہ اُس کا ذہن کسی خاص فکر میں مشغول ہو۔ وہ واپس ہوا۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اپنے تئیں میدان ارک میں پایا۔

یکایک اسطرح گویا اُسے کچھ خیال آیا۔ وہ کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ کچھ وقفہ کے بعد پھر وزارت کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس مرتبہ بغیر تردد کے سیڑھیوں پر چڑھ کر ایک چپراسی سے پوچھنے لگا "سکریٹری صاحب کا کمرہ کونسا ہے؟" اُس نے جواب دیا "اگر پڑھے لکھے ہوئے ہو تو بورڈ لگے ہوئے ہیں پڑھ لو خود معلوم ہو جائے گا" حسن علی خاں کا چہرہ خجالت اور غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ مگر کیا کہتا۔ خاموشی سے تلاش کرنے لگا۔ اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے ایک بھیڑ ہے۔ جن کے چہرے ترش اور غصہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ حسن علی خاں نے چپراسی کے ذریعہ اپنی درخواست اندر بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا کہ تمہارا نام درج رجسٹر ہے وقت ضرورت تمہیں اطلاع دیجائے گی۔

(۵)

ہُما کی بحث

آج ہُما کو حسن علی خاں میں ایک غیر معمولی تغیر نظر آ رہا ہے۔ وہ دائمی تبسم اور وہ کشادہ روئی جو اس کے اطمینان قلب کو ظاہر کرتے تھے۔ آج مفقود ہیں۔ وہ بے ربط سی باتیں کر رہا ہے۔ اور زیادہ تر نظر زمین پر گاڑے ہوئے ہے۔ اور زیادہ تر خاموش ہی رہتا ہے۔ ہُما نے پوچھا:۔

"آج کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ کہ آپ اس قدر متاثر نظر آ رہے ہیں۔ اُمید ہے آپ مجھ سے نہ چھپائیں گے"

حسن علی خاں نے سر کے اشارے سے نفی میں جواب دیا۔

ہُما:۔ مجھے معلوم ہے، آپ کی پریشانی اور دل گرفتگی ہماری وجہ سے ہے۔ خود اپنے متعلق نہیں ہے۔ میں آپ کو خوب جانتی ہوں۔ اور مجھے اچھی طرح علم ہے کہ آپ اپنے لئے کبھی اسقدر پریشان نہیں ہوتے۔ مگر مجھے آپ اس قابل خیال نہ کرتے کہ میں آپ کے حالات سے واقف ہوں۔ آپ مجھے سخت نا امید کرتے ہیں۔ آپ جو میرے عقل و ذکا کی تعریفیں فرمایا کرتے ہیں، وہ محض مجھے خوش کرنے کے لیے ہوا کرتی ہیں؛

حسن علی:۔ (مضطربانہ) "نہیں میں تمہیں اس قابل سمجھتا ہوں کہ تم میرے حالات وخیالات سے من وعن واقف ہو جاؤ۔ میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔ لیکن اُن باتوں کا تم سے ذکر کرنے سے کیا فائدہ جن سے تم کو سوائے روحی تکلیف کے اور کچھ حاصل نہ ہو۔ مگر تمہیں اصرار ہی ہے تو سنو یہ آج میں اس غرض سے کہ کوئی نوکری ملے۔ وزارت مالیہ میں گیا تھا۔ مگر کس طرح جس طرح ایک فقیر کسی امیر کے گھر جہاں کوئی بڑی دعوت ہو۔ پلاؤ کھانے کی امید میں جاتا ہے۔ وہ ہر قسم کی توہین وذلت برداشت کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ فقیروں کی بھیڑ ہے۔ اگر میری طرح کمزور ہے تو اپنے مقصد میں کامیابی اس کے لئے مشکل ہے۔ مختصر یہ کہ جب تک اُس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔ اُسے کچھ نہ ملے گا؛

کسی کا احسان اٹھانا۔ اور اپنے لئے کسی کو زحمت دینا مجھے بہت ناگوار ہوتا ہے یہ۔ ہے میری تکلیف۔ خیر کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا۔ فی الحال تو تم سے باتیں کرکے دل بہلاؤں گا۔ پھر دیوان حافظ پڑھونگا۔ انشا اللہ طبیعت بہل جائے گی؛

ہُما کے ہونٹ شدت تاثر سے ہلنے لگے۔ اور قریب تھا کہ وہ رو دے۔ لیکن اُس نے ضبط کیا اور رفع اضطراب کے لئے اٹھی اور کتب خانہ سے ریناکل کے فلسفے کی کتاب اٹھا لائی اور حسن علیخاں کو دے کر کہنے لگی؛۔

"تعارف کے لئے، غم و شادی میں کوئی فرق نہیں۔ میں خیال کرتی ہوں کہ

اگر مطالعہ و فکر کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ ہم دنیا کی سختی سے بے پرواہو جائیں۔ تو پھر تحصیل علم کی کوفت اٹھانے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ مرد دانا کا دل دریا کی طرح ہونا چاہیئے۔ کہ اُس میں جو کچھ ڈال دیا جاتا ہے وہ غائب ہوجاتا ہے۔

معیار عقل و دانش یہ ہے کہ انسان کسی بلا سے متزلزل نہ ہو۔ اور ہر مشکل پر غالب آجانے کی کوشش کرے۔ کشادہ پیشانی سے سختی کو برداشت کرنا ہی اس پر غالب آتا ہے۔ اگرچہ لازم تو یہی ہے کہ سختی کا تصور اور حس ہی نہ کیا جائے۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ ہم میں خوشی اور رنج کا اثر یکساں ہو۔

حسن علی:۔ تمہارا کہنا صحیح ہے۔ مگر تمہارے آخری فقروں سے یہ ٹپکتا ہے کہ تم بھی تمام باحوصلہ و پرغرور و حساس نوجوانوں کی طرح اپنی طبیعت کے خلاف رنبال کے فلسفہ شدتِ طبع کو سراہتی ہو۔ اور اُسے ہی بلندی روح کی شرط سمجھتی ہو۔ لیکن تجربہ اور غور تم پر ظاہر کر دیگا۔ کہ یہ نظریہ غلط ہے۔ بہ فرضِ محال، انسان ایسا ہو جائے۔ کہ اس پر جو کچھ گذرے، وہ آسودہ اور ساکت ہی رہے۔ نہ سختی سے ملول اور نہ راحت سے مسرور ہو۔ تو اُسے ایک ایسا مُردہ تصور کرنا چاہیئے۔ جس کا بدن ابھی حرکت کر رہا ہے۔ اور وہ ایک آلہ ہے۔ جو دوسروں کا کام کرتا ہے۔

ہم کو لازم ہے کہ ہم قوتِ احساس کو مشق و عادت کے ذریعہ اس قدر تیز و نازک کر دیں۔ جو کیمیاگروں کی ترازو کی طرح غبار کے ایک ذرے سے متاثر ہو حواسِ پنجگانہ کو تقویت دینی چاہیئے۔ نہ کہ انہیں کمزور کرنا۔ آنکھوں میں یہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے کہ ہزاروں پردوں اور حجاب میں سے بھی زشتی و زیبائی میں فرق کرلے اور بادِ نسیم کے خفیف جھونکے میں بھی آہنگ موسیقی کو سنے۔ اور بالآخر قوائے عاقلہ ان تمام تاثرات سے ایک اچھا نتیجہ نکال کے۔ اُسے اپنے خزانۂ تجزیات میں جواہر کی طرح حفاظت سے رکھے زندہ انسان کے لئے یہی اچھا ہے کہ متاثر ہو۔ ہمارا کمال ہمارے احساسات

کی تیزی سے مربوط ہے۔ جس کے قبضے میں ادراک سریع اور فہم کشادہ ہے۔ وہ اپنے میں سب سے بہتر چیز رکھتا ہے۔ عدم تاثر کی منتق ہم کو بہرا اور اندھا بنا دیتی ہے۔ اور لذتوں سے محروم رکھتی ہے۔ تحصیل ادبیات وعلوم محض اس لئے ہیں کہ ہمارا ذہن کشادہ ہو تاکہ ہم بیش از بیش حس کر سکیں۔ اور بیش از بیش متاثر ہوں۔ اور اسی بنا پر ایک دانشمند فقیر ایک دولتمند بے کمال سے زیادہ خوش نصیب ہے لیکن ہمارا دماغ جس نے اس اجتماعی زندگی میں پرورش پائی ہے۔ جب محاکمہ کرنے لگتا ہے۔ تو دنیا میں رنج بمقابلہ خوشی کے زیادہ پاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے احساسات زیادہ تر باعث ملال وکدورت ہوتے ہیں۔ الغرض ہم کو چاہئیے کہ ہم دنیا کے نا ملائمات سے حظ حاصل کریں اور اپنی روح کو نمو اور بالیدگی دیں۔ اور شاعر کے ہم زبان ہو کر کہیں :-

ساقی بدہ شادی ازاں کیں غم از دست ــــــ"

ہُما نے کہا :- اگر آپ موجودہ حالت سے حظ اٹھا رہے ہیں تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر اس کے خلاف ہے تو مجھے رنج ہوگا۔ آپ کو اس کا اطمینان دلانے کے لئے میں فلسفۂ سخت دلی کی پیرو نہیں ہوں۔ میں آپ سے یہ عرض کرتی ہوں کہ میں آپ کی پریشانی سے خود سخت پریشان ہوں" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

حسن جہاں نے کھڑے ہو کر اس کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور کہا " آج اگر میں کہوں کہ میں خوش قسمت ہوں تو غلط نہ ہوگا مجھے معلوم نہ تھا تم اپنے بھائی کو اتنا چاہتی ہو۔ اور میرے رنج سے اسقدر متاثر ہوتی ہو۔ تمہارے مرحوم باپ کے بعد میں دنیا میں اپنے تئیں تنہا سمجھتا تھا لیکن شکر ہے خدا کا کہ تم کو ان کا صحیح جانشین پایا تمہارا ہم دوراک روح کو تازہ کرتا ہے۔ مجھے دنیا میں اور کیا چاہئیے۔ مجھ سے زیادہ

خوش اور کون ہوگا؟

چند منٹ بعد دروازے کو کھٹکھٹایا گیا۔حبیب نوکر جا کر واپس آیا۔اور اُس نے حسن علی خاں کو ایک کاغذ دیا۔ہُما بے اختیار کسمسانے لگی۔اور اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔حسن علی خاں نے خط کے عنوان اور دستخط کو دیکھا۔اور پوچھا "کس کا خط ہے۔اور کس واسطے ہے؟" حبیب باہر جا چکا تھا۔طلعت خانم نے آہستہ سے اس طرح کہ ہُما نہ دیکھ لے۔آنکھ کا اشارہ کر کے خوشی کے لہجہ سے کہا "پڑھئیے معلوم ہو جائے گا" لکھا تھا۔

"آقائے محترم! آپکا وجود ایک قیمتی گوہر ہے۔جس کا ثانی اس دنیا میں کمیاب ہے۔میں اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں۔جو اس حقیقت سے واقف ہیں۔میں آپ کا ابدی ارادتمند ہوں۔آپ کے بلند پایہ فضائل کے سایہ میں مجھے معلوم ہے کہ ایک اور وجود عزیز کمال کو پہنچا ہے۔گویا علم وفضل کے درخت میں میوہ لگا ہے۔

یہ ناچیز حقیر اس وجود عزیز کی ہمسری و رفاقت کی تمنا رکھتا ہے۔اور میں نے عہد و پیمان کیا ہے کہ اپنی تمام زندگی اُن کی راحت و آرام کے لئے وقف کر دوں اور اس معاملہ میں کسی فداکاری وقربانی سے نہ بچوں۔"

خط کے باقی حصہ کو وہ نہ پڑھ سکا۔خط کے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے لرزنے اور غائب ہونے لگے۔اُس کے دماغ میں غیر معین اور غیر قابل تشریح خیالات کا ہجوم ہونے لگا۔دل میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ابھی اُس کے سامنے ایک وادی تھی۔جس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔آفتاب کی ہلکی کرنیں۔پھولوں پر پڑے ہوئے قطرات شبنم کو جگمگا رہی تھیں۔جو مثل اُن موتیوں کے چمکارخوں کے کانوں میں پڑے ہوں۔دمک رہے تھے۔نہریں خم و پیچ اور ہلکی آواز کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔اور درختوں کی جڑوں کو سینچ رہی تھیں۔کہن سال پہاڑ سفید لٹیں سر پر ڈالے ہوئے اور سبز قبا پہنے ہوئے، اپنے بلند قامت سے اس پُرشکوہ منظر

کو دیکھ رہے تھے ؛

خوش الحان پرندے گا رہے تھے - اور فضا کو اپنے نغموں سے معمور کر رہے تھے کہ یکایک آندھی آئی - اندھیرا چھا گیا - نناور درخت گھاس کی طرح جڑ سے ہلنے لگے - ہوا نہروں کے پانی کو اچھال اچھال کے آسمان تک پہنچانے لگی - سیاہ بادل متحرک پہاڑوں کی طرح آسمان پر پھیل گئے - اور ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے - وہ قیامت کا شور برپا ہوا - کہ زمین خوف سے پھٹ گئی اور پہاڑ گر پڑے ؛

چند ہی منٹ کے اندر حسن علی خاں کا خانۂ دل ویران و برباد ہو گیا - اس فوری تغیر سے اس پر ایک وحشت مستولی ہو گئی - چاہتا تھا کہ دنیا سے بھاگ جائے اپنے تئیں ایک قوی پنجہ درندے کے ہاتھوں میں پھنسا ہوا دیکھ رہا تھا - جس کا چنگل اس کے قلب تک پہنچ گیا ہے - ایک لمحہ میں اس کے بنیاد اخلاقی کی سرگذشت اس کی نظروں میں پھر گئی - اُس نے دیکھا کہ وہ قصرِ سفید جسے اس نے کس محنت اور کوشش سے برسوں میں کہاں کہاں سے مسالہ جمع کر کے تیار کیا تھا - اور جس کے بلندترین منارہ پر عنقا کی طرح اُس نے اپنا آشیانہ بنایا تھا - اور اس بلندی سے عالم اور اہل عالم پر نیچے نظر ڈالتا تھا - اور یہ خیال کرتا تھا - کہ انقلاب کے ہاتھ اُس تک نہ پہنچ سکیں گے اور حوادث کے دست درازی کی رسائی اُس کے دامن تک نہ ہو سکے گی - یہ قصرِ دل آویز ایک شخص کی آرزو کے مخالفت کی وجہ سے آن کی آن میں گر پڑا - اور خود وہ زمین پر لوٹ رہا ہے ؛

اس منظر کریہہ و خوفناک سے وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا - اور ہزار جان سے طلبگار موت تھا - اور اپنے دل میں شکوہ کرتا تھا - کہ فطرت موت کے تلخ شربت کو جو زندگی کی تلخیوں کا تنہا علاج ہے - ہمارے اختیار میں نہیں دیدیتی کہ جب چاہیں - شاید خوشی کے کمیاب لمحے ہی میں ہم اُسے پی جائیں ؛

ہُما نے اُس کے دل کی تمام کشمکش کو بغیر کسی دقت کے محسوس کر لیا۔ کیوں کہ محبت قوت ادراک کو سوگنا زیادہ کر دیتی ہے۔ دوست کی آنکھ اور کان تاریکی کی گہرائیوں میں بھیدوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اور پتھر کی فریاد کو سن لیتے ہیں۔ دوست محب اُس بے پروا معشوق کی طرح نہیں ہوتا۔ جو عاشق کے سیلاب عشق کو نابداں کا پانی سمجھتا ہے اور اُس کے سوز و گداز کو اتنی اہمیت دیتا ہے جتنی کہ آگ اسپند کو۔

حسن علیخاں نے اپنی حالت پر غلبہ پانے کے لئے اس شدت سے اپنی طبیعت پر ضبط کیا کہ اگر شدت قوت کی خارجی شکل ہوتی تو وہ پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ دیتی۔ اُس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ کاغذ اُس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ خط کو ہاتھ بڑھا کے ہُما کو دیا۔ اور کہنے لگا "یہ لو تم ہی پڑھو۔ تمہارے ہی متعلق ہے۔ میرا فرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اپنی شخصی رائے کا اظہار کر دوں۔ تم خود سمجھدار ہو۔ جو فیصلہ کرو گی وہ مناسب ہوگا۔"

ہُما نے کانپتے ہاتھوں سے اُس کاغذ کو لیکر میز پر رکھدیا۔ اور انگلی سے اُس کی شکنوں کو سیدھا کیا۔ حسن علی خاں کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کے قلب پر ریتی چل گئی ہُما کی مضطرب کیفیت سے اور اس وجہ سے کہ ہُما نے اُس خط کو پڑھا نہیں وہ سمجھ گیا۔ کہ اُسے واقعہ کی خبر ہے۔

حسن علیخاں نے پھر کہا:۔

"تمہاری خوشی، میری آخری آرزو ہے۔ تمہارا یہ طالب کہ جس کا نام مجھے نہیں معلوم، حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کے نام کو پڑھا بھی نہیں، اس کا نام کیا ہے؟"

ہُما "منوچہر خاں"

اس نام کا ہُما کے منہ سے نکلنا تھا۔ کہ اُسے ایسا محسوس ہوا گویا بجلی اُس پر گر پڑی۔ وہ سمجھ گیا۔ اُس آزادی کی بنا پر جس کی تعلیم خود اُس نے ہما کو دی ہے۔

انہوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کی ہے۔ اور ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ اور یہ خواستگاری ہما کی اجازت سے ہے۔ گویا ہزار تلواروں نے ایک ہی وار میں اُس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

عشق اُس گرمی سے پگھلے ہوئے مواد کی مانند جو زمین کے اندر ہے حسن علیخاں کے دل میں موجود تھا۔ لیکن خود اسے خبر نہ تھی۔ ایک چھوٹے سے نشتر کی ضرورت تھی۔ جو اُسے باہر لے آئے۔ اور اس کام کے لئے رقابت سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں۔ انسان اپنے عشق کی شدت کا اندازہ اُس وقت کرتا ہے۔ جب کہ رقیب کا پاؤں درمیان میں آپڑتا ہے۔ اس وقت وہ دبی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور خرمن ہستی کو جلا ڈالتی ہے۔

عجائبات عشق میں سے یہ سب سے عجیب ہے کہ عاشق، اپنی مصیبت کو اسقدر پسند کرتا ہے کہ چاہتا ہے کہ ہر لحظہ وہ زیادہ ہی ہو۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ معشوق کے طرز عمل اور خیالات کا جو اس کی آشفتہ سری و بیتابی کا باعث ہیں تجزیہ کرے۔ اس کے بعد معشوق کی بے مہری پر ہزار دلیلیں لاتا ہے۔ اور اپنے درد کو خود سوگنا کر دیتا ہے۔ مگر ان سب سے لذت حاصل کرتا ہے۔ ویسے تو انسان ہر اس چیز سے جو اسے تکلیف پہنچاتی ہے بھاگتا ہے۔ مگر اس کوچہ میں آکر اپنے لئے مصیبت اور رنج کو خود ہی مہیا کرتا ہے۔ اور پھر گلہ بھی کرتا ہے۔ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ سب کچھ ہونا ضروری تھا۔ اور اُس سے بچ نہیں سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس معاملہ میں فکر و تعقل محال ہے۔ کیونکہ جہاں سوچنا اور حساب کرنا ہے۔ وہاں عشق نہیں۔

حسن علیخاں نے اپنے زخم دل پر نمک چھڑکنے کے لئے کہا:۔

خوب اگر تم اس خواستگار کو جانتی ہو۔ تو اسکا حال ذرا مجھے اور بتاؤ۔

ہما کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ اور وہ گھبرائی ہوئی سی ہے۔ اس حالت میں اُس نے

جواب دیا۔ منوچہر ہمارے پڑوس میں رہتا ہے۔ ستائیس۔ اٹھائیس برس کا جوان ہے۔ امریکن اسکول سے پاس کیا ہے۔ اور اب تجارت میں مشغول ہے۔ عجیب وخوش اخلاق ہے۔ میں نے اس میں کوئی برائی نہیں پائی۔ لیکن آپکی پسندیدگی شرط ہے"۔

ہُما نے جو اس صفائی سے اپنی رائے ظاہر کی۔ نو حسن علیخاں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی۔ باوجودیکہ کسی اور موقع پر وہ اپنی رائے ایسی صفائی سے دینی تھی تو خوش ہوتا تھا۔ وہ اپنے اضطراب درونی کو چھپا نہ سکا اور اداس آواز سے کہنے لگا۔

"جو اطلاعات تم نے بہم پہنچائی ہیں وہ کافی نہیں ہیں۔ مجھے لازم ہے کہ اُس کے متعلق اور تحقیق کروں۔ اُس کے سابقہ حالات کیا ہیں۔ اور آجکل کیا کر رہا ہے۔ اور اُس کے اخلاق کیسے ہیں"۔

طلعت خانم۔ ظاہر ہے ان سب باتوں کی تحقیق آپ ہی سے متعلق ہے۔ برائی بھلائی کو اچھی طرح معلوم کر لیجئے۔ ہم اور ہُما کیا جانیں، ہم نے تو اُسے دیکھا بھی نہیں"۔

اس پر ہُما کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور وہ بولی:۔

"کیوں؟ میں نے تو اُسے دیکھا ہے۔ اور اُس سے باتیں بھی کی ہیں"۔

ماں نے پریشانی اور التجا کی نظر سے حسن علیخاں پہ نظر ڈالی۔ مگر اُس نے ایسا ظاہر کیا گویا اس نے ماں کی پریشانی کو نہیں دیکھا۔ اور خیال میں محو ہو گیا۔

اُس نے دیکھا کہ پیمانۂ صبر لبریز ہوا چاہتا ہے۔ اور شاید اپنے پر اسے اختیار باقی نہ رہے۔ ایک فوق العادت کوشش سے وہ اپنی طبیعت پر غالب ہوا۔ اور ہنس مکھ بنکر کہنے لگا:۔

"ہُما جان مجھے امید ہے۔ تم نے اس نوجوان کے بارے میں غلط رائے قائم نہیں کی۔ انشاءاللہ شادی کا سامان جلد کیا جائے گا۔ تمہاری خوشی ہی، میری آخری آرزو

ہے۔ لیکن میرا فرض ہے کہ اس کے بارے میں تحقیقات کروں۔ اس سے قطع نظر نہیں کر سکتا۔ آج ہی جاؤں گا اور پوچھ کچھ کرونگا۔ لیکن پھر بھی وہی کہتا ہوں جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس معاملہ میں ہم۔ یعنی میں اور تمہاری والدہ صرف رائے دے سکتے ہیں۔ باقی حق انتخاب تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ تم خود سمجھدار ہو۔

طلعت خانم: "نہیں آپ کی جو رائے ہوگی وہ ہوگا"۔

ہما نے سر کے اشارے سے اپنی ماں کی تائید کی۔ حسن علیخاں جانے کے لئے تیار تھا۔ اور اس نے اس کا جواب نہ دیا۔

حسن علیخاں امریکن اسکول کی طرف جا رہا ہے۔ مگر اس کی چال اور اس کے خیالات ایک بیہوش آدمی کی طرح ہیں۔ اس کے خیالات کی وہ دھاریں ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف جا رہی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی کاٹ کر رہی ہیں۔ کبھی قوت فکر اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور اس پر حاکم ہوتی ہے۔ اور وہ حالات کو اصلی روشنی میں دیکھتا ہے۔ اور کبھی رشتۂ عقل و ہوش اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور وہ دل کی آرزوؤں اور تمناؤں کے ہاتھوں بیتاب و از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ از خود رفتگی کے حملوں میں سے ایک حملے کے دوران میں وہ اپنے دل سے یہ باتیں کرنے لگا۔ "اے کاش مدرسے سے جو خبریں منوچہر کے متعلق ملیں وہ اچھی نہ ہوں۔ اس کے سابقہ حالات خراب و ناپسندیدہ ہوں۔ اس وقت ہما مجھ سے جدا نہ ہوگی۔ عمر بھر مجھ سے وابستہ رہے گی۔ اور کسی کا ہاتھ اس کے دامن تک نہ پہنچ سکیگا ہما مجھے اپنا ہی دوست سمجھے۔ اور اس کے مطلوب کا منہ کالا ہو۔

منوچہر کیسا بے رحم اور خونخوار دیو ہے۔ کاش کوئی اسے مار ڈالے۔ اچھا تو بہتر ہے میں مار ڈالوں۔ مگر کسی کو خبر نہ ہو۔ اب جو جا رہا ہوں، خدا کرے مدرسے کے

ہا تک ہی پر مجھے وہ مل جائے اور کوئی وہاں نہ ہو۔ اور میں اُسے پہچان لوں۔ ایسا
س کا گلا گھونٹوں کہ وہیں ختم ہو جائے۔ اس وقت ہما کو خوشخبری جا کر سناؤں۔
در اس کے رنج سے لطف اٹھاؤں۔ اُف منوچہر کیسا ظالم، کیسا بد آدمی ہے؛

ایک مرتبہ گویا وہ خواب سے جاگ اٹھا۔ اب ان خیالات بد سے بھاگنے کیلئے
یز تیز قدم اٹھاتا ہے گویا خود اپنے سے دور ہونا چاہتا ہے۔ اور اُس پر ضعف دل سے
یک وحشت انگیز نا امیدی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ تھوڑی دیر پہلے کے خیالات پر
ور کرتا ہے۔ بُرا کام کسقدر آسان ہے۔ نیکی اور بدی میں کسقدر کم فاصلہ ہے۔ نیکی
یا ہے اور جرم کیا ہے؟

انسان کا دل جس کام کے کرنے کو کہتا ہے۔ اگر وہ کام سوسائٹی کے قوانین کے
مخالف ہے تو بُرا ہے۔ فطرت کا حکم انسان کے دل پر سوسائٹی کے خوف سے زیادہ قدرت
و قوت رکھتا ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ تربیت و تکامل کے ذریعہ سے میل فطرت اور
سوسائٹی کے قانون کو باہم مطابق کیا جا سکے۔ اور اپنے اختیار اور اپنے انتخاب سے
سوسائٹی کے قانون کو فطرت کے حکم پر ترجیح دیجائے؛

لیکن جو لوگ فطرت کی خواہش سے سرتابی کرتے ہیں، انہیں غالباً زبردست
قوت ارادی ملی ہوگی۔ جو کچھ کرتی ہے۔ فطرت کرتی ہے۔ ہم کچھ نہیں کرتے۔ ہم صرف
اس کا کھلونا ہیں۔ فطرت کی پوشیدہ ڈوریاں اس کھلونے کو کھینچتی ہیں۔ اور وہ
ناچتا ہے۔ ظالم و مظلوم دونوں معذور اور قابل رحم ہیں۔ اس عاشق پر جو بازیچۂ فطرت
بنا ہوا ہے۔ اور جنون عشق میں گرفتار ہے۔ اگر وہ اپنے رقیب سے انتقام لیتا ہے تو کیوں
اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس جاہ طلب پر جس کی آنکھوں اور کانوں کو شوق حکومت کی دیوانگی
نے بند کر دیا ہے۔ کون سی مسئولیت ہے۔ اگر وہ اپنے مخالفین کو ہر قسم کے عذاب اور رنج
میں مبتلا کرتا ہے

ایک بھوکا جو دوسرے کے مال پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور ایک جج جو اس کو سزا دینا اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ دونوں پر الزام وارد نہیں ہوتا۔ سب اپنے جنون میں گرفتار ہیں۔ اور سب کے ساتھ فطرت کھیل رہی ہے اور ہنس رہی ہے۔ اور سب سے کینہ جوئی کر رہی ہے۔ ہم سب ظالم اور ہم سب مظلوم ہیں۔

شاید موت بھی انسان کو فطرت سے خلاصی نہ دیگی۔ کون کہتا ہے کہ فطرت ہمارے اجزائے بدن کے ساتھ کچھ اور کھیل نہیں کھیلے گی۔ یہ کہنا کہ ذرات جہاں قانونِ تاثر سے آزاد ہیں۔ ہماری جہالت اور خود پرستی ہے۔ جس طرح ہم متاثر ہوتے ہیں۔ نباتات و جمادات و تمام موجودات بھی اسی طرح متاثر ہوتی ہوگی۔

ہم کہ ابتک اپنے مبداء حیات کو معلوم نہ کر سکے۔ اور اس کی حقیقت سے بیخبر رہے۔ ہم کہ اپنے سرِ زندگی کے چیلنج کے سامنے دہشت زدہ اور کانپتے ہوئے کھڑے ہیں۔ ہم کہ باوجود تمام فخر و غرور کے کہ ہم قوتِ عاقلہ و حاکمہ کے مالک ہیں۔ ان احمقانہ اور جابرانہ اوامر کے تعمیل سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ جو ہماری طبیعت کی تاریک گہرائیوں میں سے صادر ہوتے ہیں۔ بلکہ بے چون و چرا اُن کی تعمیل کرتے ہیں۔ ہم کس طرح اجزائے جہاں کی ترکیبات اور اُن کی زندگی کے اسرار کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ ہم کس یقین کے ساتھ یہ حکم لگا سکتے ہیں۔ کہ جمادات میں احساس نہیں۔ کیا احساسات کی وہی شکل ہو سکتی ہے جو ہماری طبیعت سے مخصوص ہے؟

پھر پلٹ کے اپنے دل سے خود ہی بحث کرتا ہے:۔

"ہُما، میری پیاری بہن ہے۔ وہ جس کو دوست رکھتی ہے۔ مجھے چاہیئے۔ کہ میں بھی اُسے دوست رکھوں۔ شاید اس نوجوان میں تمام صفات مطلوب موجود ہوں ایسی حالت میں کیوں وہ ہمارا داماد نہ ہو۔ میرے لئے اس سے زیادہ اور کون سی خوش نصیبی ہو سکتی ہے۔ کہ میں ہما کو خوش دیکھوں۔ اس آرزو کے سوا میری کوئی

اور آرزو نہیں ہونی چاہیئے۔

اس کے ذہن کے ہر گوشے سے پھر ایک صدا بلند ہوتی ہے۔ جو آہستہ آہستہ تمام آرزوؤں پر غالب آجاتی ہے " ہُما کیسی بے رحم ہے۔ دوسرے سے محبت کرتی ہے کیسی بے علفت ہے۔ منوچہر سے ملاقات کر چکی ہے۔ اور اس ملاقات کے اقرار سے نہ راتی نہیں۔ اُس سے انتقام لینا چاہیئے "۔

حسن علیخاں اس بات کو بھول گیا۔ کہ اس معاملہ میں ہُما کا طرز عمل اُس کی تربیت و تعلیم ہی کا نتیجہ تھا۔ آج منوچہر کے ساتھ ملاقات کرتا اسے قابلِ ملامت نظر آرہا ہے۔ لیکن یہ وہ چیز ہے کہ خود اُس نے اُسے سکھائی۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا۔ کہ طرز ازدواج افراد و قوم کی راحت و نظم کی بنیاد ہے۔ اور یہ نظم و راحت خاندان کے استحکام پر مبنی ہے۔ ایک خاندان کا قائم رہنا اور اس کی خوشی اس پر مشروط ہے کہ میاں بیوی میں موافقت و ہم خیالی ہو۔ اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ عورت مرد سے ملے اور وہ ایک دوسرے کو جانیں پہچانیں۔ اگر وہ انسان جو تمام عمر ایک رشتے میں بندھے رہنا چاہتے ہیں۔ اور زندگی بھر ایک دوسرے کی غم و شادی کے شریک رہنا چاہتے ہیں۔ ہم خیال نہ ہوں اور ہر طور پر ایک دوسرے کو پسند نہ کرتے ہوں تو بجائے اس کے کہ اتحاد مساعی سے بار زندگی کو ہلکا کریں۔ ایک دوسرے کے خلاف جاکر اپنے رنج اور مصیبتوں کو بڑھائیں گے۔ صحبت ناجنس بدترین عذاب ہے۔ جو بچے غیر متجانس گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں وہ ہر وقت کی لڑائی ٹنٹا دیکھ دیکھ نجابت اخلاق و بلندی روح و فکر سے جو محض عشق و ادب میں نشو و نما پاتے ہیں۔ محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ بچے بظاہر عشق و حب قوم سے واقف نہیں ہوتے تو اخلاق کریمہ سے آراستہ نہیں ہوتے وطن پرستی و قوم پرستی کہ راست روی و شجاعت و تحمل۔ مصائب و ایثار اور بالآخر برتری و سرداری انہیں صفات سے پیدا ہوتی ہیں۔ بچے ان صفات سے بے بہرہ

رہتے ہیں۔ کسی حس کی زیادتی دوسرے احساسات کو ضعیف کر دیتی ہے"

حسن علی خاں میں جذبۂ محبت، جنون یا عشق کی سرحد تک پہنچ چکا ہے۔ اور اس کی طبیعت کی دوسری عمدہ خصوصیتوں پر غالب آگیا ہے۔ اور وہ انہیں بھول گیا ہے"

یکایک حسن علی خاں نے اپنے تئیں امریکن مدرسے کے پرنسپل کے سامنے پایا۔ جو اُس سے کہہ رہا تھا:

"منوچہر نہایت اچھا لڑکا ہے۔ اپنے تمام فرائض کو تندہی سے انجام دیتا ہے میں اُس کے چال چلن سے بیحد خوش ہوں۔ کاش ایران کے تمام نوجوان اُسی طرح ہوتے۔ اس وقت وہ ایک معزز و شریف تاجر ہے۔ اُس کی مانند کم لوگ ملتے ہیں"

(۶)

حسن علیخان کی زندگی کی ایک رات

حسن علیخان نے برابر کئی دن تک خفیہ طور پر منوچہر کی تحقیقات کی۔ اور ہر تحقیقات میں اس کا شعلہ امید مخالف ہوا کے جھونکے سے بجھ جاتا تھا۔ منوچہر کی راستبازی اور نیک سیرتی سے کسی کو انکار نہ تھا۔ اس کی بات سکہ رائج کی طرح قبول کی جاتی ہے۔ وہ اپنی بات سے کبھی نہیں پلٹتا۔ ایک دلال کہتا تھا۔ منوچہر نے بڑی مقدار میں شکر اُس سے خریدی۔ اگرچہ خرید و فروخت کا کوئی تحریری معاہدہ نہیں لکھا گیا تھا اور دوسرے ہی دن بازار میں شکر کا نرخ بیحد گھٹ گیا۔ لیکن منوچہر نے وہ قیمت پوری پوری ادا کی جو آپس میں طے پائی تھی۔ باوجودیکہ اس سے منوچہر کو دو ہزار تومان کا نقصان رہا۔ وہ اپنے قول سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹا۔ اور اس کی بلند پیشانی پر ایک بل نہ پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تجارت روز بروز ترقی

کر رہی ہے:

آدھی رات سے دو گھنٹے اور گذر گئے۔ حسن علیخاں بیٹھا سوچ رہا ہے۔ پھر دل سے یہی سوال کر رہا ہے۔ اسرار فطرت پوشیدہ ہیں۔ نہیں معلوم ستارے کیوں لٹکے ہوئے ہیں۔ زبانِ نامحدود ومکانِ نامحدود کا اندازہ ہم کہ محدود ہیں کس طرح کر سکتے ہیں۔ ذرات جہاں جن کے ملنے اور نہ ملنے پر شیرازہ دنیا منحصر ہے یہ اپنے اختیار سے ملتے ہیں۔ یا کسی جبر کے ماتحت۔ جان کر یا بغیر جانے ہوئے۔ اس شیرازہ بندی کا مقصد کیا ہے۔ یہ سب کدھر جا رہے ہیں۔ یہ تمام تجزیہ وترکیب وتغیر شکل کس لئے ہو رہا ہے۔ کیا آسے نہیں معلوم کہ ظلمت جہل اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اگر کبھی فطرت ایک دھیمی روشنی سے ہمارے فہم وادراک کو روشن کرتی بھی ہے۔ تو محض اس لئے کہ ہم اپنے گردوپیش کی تاریکی کو اور زیادہ خطرناک صورت میں دیکھیں۔ انصاف تو یہ تھا کہ اگر ہماری دسترس آسمان تک نہیں تو کم سے کم اپنی ہستی کے اسرار تو ہم کو معلوم کرا دیئے جاتے۔ ظالم نیچر نے ہم کو تعقل کی قوت تو دی ہے۔ لیکن اسقدر کمزور کہ وہ فطرات انسانی پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ قوت تعقل اتنی نہیں کہ ہماری زندگی کی باگ اپنے ہاتھ میں لے سکے۔ اتنی کمزور بھی نہیں کہ فطرت انسانی کے سامنے بالکل نابود ہی ہو جائے۔ یہ قوت عاقلہ ہم میں ایک دائمی کشمکش خونیں۔ بپا کرنے کے لئے ودیعت کر دی گئی ہے۔ ہم نہ حیوان ہیں کہ برائی و بھلائی کو مطلقاً پہچان ہی نہ سکیں۔ اور نہ فرشتے ہیں کہ برائی سے بالکل محفوظ ہوں:

وہ کبھی اٹھ کے ٹہلنے لگتا ہے۔ ٹوٹے ٹوٹے فقرے کہتا ہے۔ پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ گویا جواب کا منتظر ہے۔ حیران ہے کہ یہ عشق اس کے دل کے کونے کونے میں چھپا ہوا تھا۔ کہ اب اس شدت سے اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ اور یہ

خیالات جو اس کے خلاف پیدا ہو رہے ہیں۔کہاں سے آ رہے ہیں۔سادہ رخی کی کیا نسبت ہے؟ عشق و عقل کی اس خونریز لڑائی سے ہما کی عافیت تنگ ہو گئی۔عشق دلفریب پردے اُس کی نظر کے سامنے ڈال رہا ہے۔اور اُس کے دل و دماغ پر یوں چر کے لگا رہا ہے:۔

چاند میں جو یہ روشنی ہے۔وہ ہما کی سفید پیشانی سے ہی تو حاصل کی گئی ہے وہ قامت رعنا زندگی کا تنہا ستون ہے۔اور زندگی اور زندگی کی عزت انہیں گلابی ہونٹوں کی وجہ سے ہے۔کس کی چال اتنی لطیف اور دلوں کو پامال کرنے والی ہو سکتی ہے؟ یہ نزاکت یہ دلبری کسی اور وجود میں بھی نظر آتی ہے۔کیا فطرت میں یہ قابلیت ہے کہ اُس کا ثانی پیدا کر سکے؟

اپنی معشوقہ کی نظر کی بجلی کے تخیال سے، ہر دفعہ اُس کا خرمن ہستی جل اٹھتا تھا۔اپنے دل میں سوائے معشوقہ کے عکس کے اور کوئی عکس نظر نہ آتا تھا۔اور باہر بھی ہر طرف اسی کی صورت نظر آتی تھی:

عشق اس سے کہہ رہا ہے: اگر ہما دوسرے کی آغوش میں گئی تو یہ سمجھ لو کہ پھر جینا ناممکن ہے۔دنیا میں اس کے نظارۂ جمال سے بڑھ کر اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی جہاں وہ نہیں، وہ جگہ خالی ہے۔اور جو شخص کہ وہ نہیں وہ کوئی شخص ہی نہیں، اس شخص سے زیادہ جانی دشمن کوئی نہیں۔جس کی طرف معشوق میل کرے۔اُس کا خون بہانا حلال ہے۔مذہب عشق کا یہی فتویٰ ہے:

پھر سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔یکایک میز پر جا کر ہاتھ میں قلم لیکر لکھتا ہے:۔

"آقائے عزیز من۔میں آپ کی درخواست قبول کرتا ہوں۔اور اپنی پیاری ہما کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔لیکن میری حالت اُس شخص کی مانند ہے۔جو اپنے جسم و جان کو کسی دوسرے کے سپرد کر رہا ہو اسی لیے آنکھوں سے آپکو دیکھ رہا ہوں اور امید رکھتا

ہونکہ آپ میری ہی طرح اس کی خدمت وپاس خاطر کا خیال رکھیں گے؟"

مگر دستخط نہ کرسکا۔ آنسوؤں نے ٹپک ٹپک کر خط کے الفاظ کو خراب کر دیا تھا۔

دوبارہ لکھنے کی ضرورت تھی ۔

(۷)

اچھی خبر

آفتاب کھڑکیوں میں سے حسن علی خاں کی مصیبت پر ہنس رہا ہے۔ گھر کے صحن میں جو درخت ہیں۔ اُن پر چڑیاں بیٹھی ہوئی زور زور سے چہچہا کر اس کی ہنسی اڑا رہی ہیں۔ وہ ایک شکنجہ کے درد میں مبتلا ہے اور ایک جال کے پھندے جو نظر نہیں آتے اُس کو اپنی گرفت میں کس رہے ہیں۔ وہ چشم پرآب ہیں۔ ہاں یہ جال اس لئے تھا کہ اس کی پر وقار روح کو تڑپائے۔ اور اس کے اطمینان خاطر کی عمارت کو، جسے اُس نے سالہا سال کے مطالعہ و فکر کی بنیاد پر کھڑا کیا تھا۔ تاش کے پتوں کے گھروندے کی طرح درہم برہم کردے۔ وہ سوچتا تھا:

"فلسفی سقراط نے، بشاشت وآسودگی کے ساتھ، اس طرح گویا وہ خوشگوار شراب کا پیالہ ہے۔ جام مرگ کو پی لیا۔ لیکن اگر وہ دیکھتا کہ اس کا محبوب یعنی وہ کہ جس کے بغیر اور جس کے سوا خوشی اور زندگی باقی نہیں رہ سکتی۔ کسی دوسرے کی محبت میں گرفتار ہے۔ اور اس کی جانب میل کرتا ہے۔ تو کیا اُس کا اطمینان و دلجمعی سب غائب نہ ہوجاتی؟ اُس کے دل کی حرکت تیز نہ ہوتی؟ اُس کے چہرے کا رنگ نہ اڑجاتا؟ پریشان و رسوا نہ ہوجاتا؟ کیا خوش نصیب تھا سقراط کہ اس امتحان میں نہ پڑا۔ اور آسانی کے ساتھ دنیا میں بڑا نام پایا......"

اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور ایک چپراسی ایک سرکاری لفافہ

لئے ہوئے داخل ہوا۔ جس پر وزارت مالیہ کی مہر تھی۔ حسن علی خاں نے لفافہ کو دیکھا۔ مگر اس طرح گویا وہ کوئی سفید کاغذ ہے۔ جس پر ایک حرف بھی تحریر نہیں۔ اس کا دماغ کہیں اور ہی تھا۔ لفافہ میز پر پڑا رہا۔ اور وہ کپڑے پہن کر اپنے دوست کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا:

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ مگر وہ گرد و پیش کی کسی چیز کو نہیں دیکھ رہا۔ اسکی قوت باصرہ کسی اور ہی خیال کی طرف جا رہی تھی۔ اور اس بدبختی کی گہرائیوں کو تکتے دکھا رہی تھی۔ یکایک اس کے کان میں ایک آواز آئی جو کہہ رہی تھی۔

"آقا! سلام علیکم۔ اس منصب پر پہنچ کر بھی تو لازم نہیں کہ جناب ہمیں بھول جائیں۔ اور ہم سے آنکھ بچا کر گذر کے چلے جائیں:"

حسن علیخاں نے لجاجت سے کہا "آپ کے سر کی قسم میں نے آپ کو دیکھا نہیں معاف کیجئے گا:"

مخاطب ایک شخص غلام رضا خاں ہے۔ یہ وزارت مالیہ میں نوکر ہے۔ اس کا تمام وقت اسی ٹوہ میں گذرتا ہے کہ کس کو کون عہدہ ملا اور کون کس عہدہ سے برطرف ہوا۔ اور اس کا یہی ہے کہ دوسروں کی ترقی پر حسد کرے۔ اور ہر شخص میں عیب نکالے۔

غلام رضا خاں نے بناوٹی ہنسی کے ساتھ کہا "بہتر مگر اب جناب عالی کو لازم ہے کہ حق ہمسائگی کا خیال فرما کر مجھ پر خاص لطف و کرم فرمائیں۔ میں جناب کی خدمت گذاری کے لئے حاضر ہوں۔ انشاءاللہ آپ کے دفتر میں حاضر ہونگا۔ اور چند اشخاص کو خاص طور پر پہنچواونگا:"

حسن علیخاں نے متعجب ہو کر پوچھنا چاہا۔ کہ آخر اس تمام گفتگو کا کیا مطلب ہے مگر غلام رضا خاں نے مہلت ہی نہ دی۔ اور کہنے لگا "مثلاً یہ قاسم خاں جو ہے نہایت موذی اور دھوکہ باز آدمی ہے۔ ابھی ابھی جائداد اس کے باپ کی اسے ملی ہے۔ پھر بھی نوکری

کو چھٹا ہوا ہے۔ اور خوشامدیں کرتا پھرتا ہے۔ مثلاً یہ مرزا حسین خاں ہے۔ یہ بھی نہایت چاپلوس اور خوشامدی ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسا کام نکال کے افسروں کی دربار داری کرتا ہے۔ اور میرا یہ حال ہے کہ میں دو ٹوک بات کہدیتا ہوں۔ کوئی افسر بھی اگر ایسی بات کہے جس کو میں صحیح نہ سمجھتا ہوں میں فوراً اُس کے مُنہ پر دے مارتا ہوں "

حسن علیخاں نے عاجز ہو کر کہا " میں ابتک مطلب نہیں سمجھا۔ اس تمام گفتگو کی تشریح فرمایئے۔ غالباً آپ کو اشتباہ ہو گیا ہے۔ چند سال پہلے میں ضرور وزارت مالیہ میں نوکر تھا۔ مگر اب کئی برس سے خالی ہوں "

غلام رضا خاں (مسکراکر) " میں نے خود وہ حکم جس میں آپ مالیہ کے کمیٹی تخفیف اخراجات کے پریسیڈنٹ مقرر ہوئے ہیں پڑھا ہے۔ دو سو تومان تنخواہ پر بُرا کیا ہے۔ پندرہ سال سے میں نوکری کر رہا ہوں۔ آپ کی تنخواہ مجھ سے چوگنی ہوگی۔ خدا مبارک کرے۔ کل ہی تو میں آپ کے چند دشمنوں اور حاسدوں سے آپ کے لئے لڑ رہا تھا۔ لیکن نہایت اچھا محکمہ ہے۔ وہاں تو مجھ جیسا آدمی چاہیئے۔ جو ایک ہفتہ کے اندر سلطنت کے مصارف تخفیف میں لاکر آدھے کر دے۔ آپ کے حکم کا منتظر ہوں کہ اس محکمہ کی تائید میں کچھ کروں۔ اگر آپ چاہیں تو اخباروں میں چند دھواں دھار آرٹیکل آپکی تعریف میں چھاپ دوں۔ اس میں کوئی خرچ نہیں ہوگا۔ میری تمام ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں سے گاڑھی چھنتی ہے "

حسن علیخاں کو یقین ہو گیا کہ اس کا مخاطب دیوانہ ہو گیا ہے یا اُسے کچھ مغالطہ ہو گیا ہے۔ مگر بحث کرنے کا موقع نہ تھا۔ کہنے لگا " میں اس خبر سے آپ کا بہت ممنون ہوا۔ انشاءاللہ پھر ملاقات ہوگی۔ اس وقت معاف فرمایئے گا۔ مجھے جلدی ہے۔ ایک جگہ جانا ہے۔ فی الحال خدا حافظ " یہ کہہ کے غلام رضا خاں سے ہاتھ ملا کے روانہ ہو گیا

غلام رضا خاں دیر تک اس کے پیچھے دیکھتا رہا۔ اور پھر سر ہلا کر تو تُوں ہی بڑبڑایا

ہیں کہنے لگا "لعنت ہے اس کمینہ پرور دنیا پر کل تک تو کس قدر ہنس ہنس کر مجھ سے ملتے تھے گویا مجسم مہربانی و تواضع تھے۔ آج اگرچہ پریسیڈنٹ کی کرسی پر ابھی نہیں بیٹھے لیکن ابھی سے فرعون ہو گئے ہیں۔ وہ تبسم کہاں گیا۔ وہ جھوٹی مہربانی کہاں ہے۔ اے دنیا! تو سفلہ پرور ہے"۔

جس وقت حسن علی خاں اپنے دوست کے دروازے پر پہنچا۔ حبیب نوکر دوسری طرف سے آرہا تھا۔ حسن علی خاں کی نظر کو نگاہ استفسار سمجھ کر کہنے لگا "کچھ نہیں ہما خانم نے منوچہر خاں کو خط دیا تھا۔ اُسے پہنچا کے آ رہا ہوں ـــــ" حسن علی خاں کی طبیعت ایکدم شکستہ ہو گئی۔ بے حرکت کھڑا رہا۔ چند سیکنڈ اسی حالت میں گذرے آخر اُس نے اپنی قوت دماغی کو جمع کر کے اپنی طبیعت پر غلبہ کیا۔ اور گھر میں داخل ہوا مگر اس طرح سے کہ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ اس کی مسکراہٹ اس کے خشک لبوں پر آتے ہی مر جاتی ہے۔ اس کی نگاہ مثل ایک بے روغن چراغ کے ہے۔ جو زبان حال سے مرگ و فراق کی حکایت کہہ رہی ہے۔ اُس کی آواز کسی دوسری دنیا سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ طلعت خانم اُس کا یہ حال دیکھ کر گھبرا گئی اور کہنے لگی۔ خیر تو ہے طبیعت تو اچھی ہے۔ اور اس کے منع کرنے پر بھی چائے وغیرہ تیار کرنے لگی۔ لیکن ہما نے ایک نظر میں پہچان لیا۔ کہ ویرانی کس وجہ سے ہے۔ اور اس خرابی کا باعث کون ہے۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ خنجر عشق نے حسن علی خاں کے جسم و جان کو زخمی کر رکھا ہے۔ فرط شفقت سے اس کی طرف دیکھ نہ سکتی تھی۔ اور شرمندگی سے اس کا سر نیچا تھا۔ زبان سے کوئی لفظ نہ نکلتا تھا۔ بات کرتے ڈرتی۔ لیکن ہر لمحہ کا سکوت ایک سال کی خاموشی معلوم ہوتی تھی۔ ادھر حسن علی خاں کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ہما پر نظر ڈالے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا گویا اُس نے کوئی بڑا قصور کیا۔

اگرچہ اُسے یقین تھا کہ ہما اُس کے جذباتِ دلی سے ناواقف ہے پھر بھی شرمندہ ومنفعل تھا۔ اور اُسے اپنے خیالات سے وحشت تھی۔ اور اُن سے اقرار کرنا چاہتا تھا۔ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ "افسوس تجھ پر ظاہرا دوستی اصل میں ایک پوشیدہ عشق تھا! لعنت ہے اس خیانت کاری پر" اور اپنے دل میں اپنے اوپر ملامت کر رہا تھا۔ دو ایک منٹ کسی نے ایک دوسرے پر نگاہ نہ ڈالی۔ اور کوئی بات نہ کی۔ یہ منٹ گویا سال کے وقفہ کے برابر تھے ۔

حسن علی خاں ملاقات کے وقت اکثر ہما کی پیشانی کو چوما کرتا تھا۔ اور اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر تھوڑی دیر رکا رہتا تھا۔ اور اسکی آنکھوں کی گہرائیوں میں نظر ڈال کے لطف اٹھاتا تھا۔ اور اس بے غل وغش دوستی کی لذت سے مسرور ہوتا تھا۔ لیکن آج اس تقرب سے بچ رہا تھا۔ آج وہ اپنے تئیں اس قابل نہ دیکھتا تھا کہ اس نعمت سے فائدہ حاصل کرے۔ آج اس کی حالت مثل اُس خائن کے تھی جو اپنا خیال کر آشفتہ اور وحشت زدہ ہو۔ وہ ہما کے تیز نگاہ سے دور رہا تھا۔ اور اُس کے ساتھ تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بیتابی سے انتظار کر رہا تھا کہ طلعت خانم آجائے تو اس خوفناک تنہائی کا خاتمہ ہو ۔

ہما نے کانپتی ہوئی اور اٹکتی ہوئی آواز سے پوچھا۔ کئی دن سے آپ تشریف نہ لائے۔ ہم سب کا خیال آپکی طرف لگا ہوا تھا۔"

حسن علی خاں کا شیشۂ دل تمام عاشقوں کے مانند نازک تھا۔ اور اُس کی طبیعت رنج کا بہانہ ڈھونڈھتی تھی ۔

اُس نے اس سوال کو ملامت تصور کیا۔ اس کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ اور اُس کی زبان میں جسارت آگئی۔ اور اُس نے کہنا شروع کیا :۔

میں اس عرصے میں برابر اُس...... کے حالات کی تحقیقات میں مشغول تھا۔

"ہونا اگر اُس کے حالات معلوم کرنے میں کچھ دیر ہو گئی"۔

مگر یہ کہتے ہی اپنے تئیں تادیب کر کے کہتا ہے:۔

حقیقت میں دانا و نہایت اچھا ملا ہے۔ اُس کی قابل تعریف شہرت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اگر اُس کی صورت اس کی سیرت کے مانند ہوئی تو بلاشبہ وہ ایک ممتاز شخصیت ہے"۔

ہما کے ہونٹوں کو ایک ایسی مسکراہٹ نے کھول دیا۔ جس سے اک جہانِ تلخی کا پتہ چلتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک میں کمی آ گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی اور اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔

حسن علی خاں نے اپنے نزدیک۔ اپنے ہر لفظ میں ہزاروں شکوہ و ملامت کو بھر دیا تھا۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ ہما ان الفاظ سے اُس کی روح کے نالۂ اضطرار سے واقف ہو۔ مگر اسے اس کا اطمینان تھا۔ اور اس سے خوش تھا کہ الفاظ سے اُس کے احساسات کی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔

وہ سوچتا تھا۔ کہ اگر ہما اس کی روح کو بے نقاب دیکھے۔ تو اس شرم و خجالت کی سیاہی کو سوائے موت کے اور کوئی چیز دور نہ کر سکے گی۔

وہ جل رہا تھا۔ پھر بھی عمداً اس شعلہ کی آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ کیونکہ ان تمام لوگوں کی طرح جو زنجیر عشق میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس میں اُمید و خوف سے مخلوط یہ حس پیدا ہو گیا تھا۔ کہ شاید یہ شعلہ دامن معشوق میں بھی آگ لگا دے۔ عاشق کسی وقت نا اُمید نہیں ہوتا۔ اور ساتھ ہی کسی دلیل اور حجت سے اُسے اطمینان و آسودگی خاطر حاصل نہیں ہوتی۔

طلعت خانم چائے اور فواکہات کی سینی لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور حسن علی خاں سے بیٹھ کر اُس کے لئے چائے بنانی شروع کر دی اور کہنے لگی:۔

گھر میں بند رہنے اور زیادہ مطالعہ کرنے سے ظاہر ہے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔ آپ کو تفریح بھی کرنی چاہیئے۔ آپ مطلق اور لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ نہ معلوم آپ کا دل بہلاوا کیا ہے۔ یہاں بھی جب آتے ہیں تو ہمارے علمی مباحثوں میں مشغول رہتے ہیں۔"

اس کیفیت سے، کونسا تعجب ہے کہ آپ بیمار ہو گئے۔ رقیہ خانم، خدا انہیں سلامت رکھے۔ انہیں آپ کی کسالت طبیعت کی غالباً خبر نہیں۔ ورنہ وہ آپکی طبیعت خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔"

حسن علیخاں ایک سوکھی ہنسی ہنسکر کہنے لگا: "آپ کا فرمانا درست ہے، لیکن انشاءاللہ جلد گھر میں بیاہ رچیگا۔ دعوت اور جلسہ ہوگا اور ہم سب کا وقت خوشی میں کٹے گا پچھلی بے مزہ زندگی کی سب کسر نکال لوں گا۔ آپ کو ایسا سامان کرنا ہوگا کہ میری سب کسالت طبع رفع ہو جائے۔ آپ کو مژدہ سناتا ہوں کہ لڑکا ہر طرح قابل ستائش ہے۔ گھر میں ایک اچھا لڑکا اور آ جائے گا۔ ہما جان نے بھی اُسے دیکھ کر پسند کر لیا ہے۔ اور غالباً اُن کی طبیعت کے موافق ہے۔ اس سے اچھا کیا ہو سکتا ہے۔ میری آرزو یہی تھی۔"

وہ خیال کرتا تھا کہ آخری فقرے میں جو سرزنش چھپی ہوئی ہے۔ اس سے صرف وہ آگاہ ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ ہُما کی روح نے اُس کی پوری چوٹ محسوس کی۔ تو شاید خجالت سے زمین میں گڑ جاتا۔"

ہُما کی حالت اُس شخص کی مانند تھی جو خواب میں ایک خندق کے کنارے کھڑا رہا ہو۔ اور پیچھے ہٹنے کی قوت اپنے میں پاتا ہو۔ نہ بات کر سکتی تھی نہ حرکت کر سکتی تھی

حسن علی خاں نے اس خاموشی کو رضامندی اور خوشنودی کا ہم معنی سمجھا۔"

طلعت خانم بولی: "الحمدللہ یہ خبر سُنکر خوش ہوئی۔ مجھے امید تھی کہ یہ لڑکا

ایک شریف اور لائق ہے۔ لیکن جب تک آپ تحقیق نہ کر لیتے۔ اس وقت تک مجھے اطمینان نہ ہوتا۔ مجھے امید ہے آپ اس سے ملکر اور باتیں کر کے نہایت خوش ہوں گے۔ وہ ایک دلچسپ اور شیریں جوان ہے۔"

مگر حسن علیخاں اس ملاقات سے اُتنا ہی متنفر تھا جتنا بدبخت کامرانی سے۔ اگرچہ جانتا تھا کہ آخرالامر اس مصیبت میں گرفتار ہونا ہے۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ جتنی تعویق ہو اُتنا ہی بہتر ہے۔ اُس نے کہا:۔ ملاقات کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں نے اس کو جواب لکھدیا ہے۔ اُسے بھیجدیجئے۔"

طلعت خانم:۔ بہت خوب ابھی بھیجدوں گی۔"

ہُمانے اُٹھ کے، خط اپنی ماں کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھدیا۔ اور کہا:۔ ایسی کیا جلدی ہے؟"

حسن علی خاں نے ایک نا امیدانہ تبسم سے کہا:۔ تم یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ میں نے کیا لکھا ہے۔ کیا حرج ہے۔ پڑھ لو جو لکھا ہے عین حقیقت ہے۔"

ہُمانے اس کا جواب نہ دیا اور کہنے لگی:۔ وزارت مالیہ کی کچھ خبر ہے؟"

حسن علی خاں کو صبح کی ملاقات یاد آئی کہنے لگا:۔ عجب مضحکہ خیز واقعہ ہوا۔ آج صبح ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ گویا بیچارہ دیوانہ ہوگیا ہے۔ مجھ سے کہتا تھا کہ آپ محکمہ اضافہ ب کے صدر مقرر ہو گئے ہیں۔ لیکن کہاں ہے یہ محکمہ؟ اور بہت سی فضول بکواس کرنے لگا۔"

ہُما کا رنگ خوشی سے دمکنے لگا۔ اس نے کہا:۔ ممکن ہے یہ صحیح خبر ہو۔ آپ کو اس زمانے میں کوئی خط وزارت مالیہ کا ملا ہے کہ نہیں؟"

حسن علیخاں نے سوچ کے کہا:۔ ٹھیک کہتی ہو۔ آج صبح ایک خط تو میرے پاس آیا جس پر وزارت مالیہ کی مہر تھی۔ مگر میں تو اُسے کھولنا بھی بھول گیا۔"

ہُما:۔ یقیناً اس میں آپ کے تقرر کی خبر تھی۔ میرا تو یہی خیال ہے؟

حسن علیخاں کا دماغ تو ایک ہی نقطہ پر متوجہ تھا۔ وہ ایک تمکین تبسم کے ساتھ کہنے لگا:۔

"ضرور منوچہر خاں نے تمہیں اس کی اطلاع دی ہوگی"

ہُما کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ لیکن اس خیال سے، حسن علی خاں کی حالت پر اُسکا دل دُکھنے لگا۔ "یہ حسن علی خاں کا اضطراب سب منوچہر کی وجہ سے ہے"

حسن علیخاں تھوڑی دیر تک اوپری دل سے گھر کے کاموں کے متعلق باتیں کرکے چلا گیا۔

(۸)

منوچہر خاں

کل رات منوچہر بھی، حسن علیخاں کی طرح اضطراب کی وجہ سے نہ سویا۔ احساسات شدید کا اثر ہر شخص کی طبیعت میں یکساں ہوتا ہے۔ مستقبل کے پردے ایک ایک کرکے اس کے سامنے جلوہ آرا تھے۔ اور اس کی آنکھوں کو خیرہ اور طبیعت کو بیتاب کر رہے تھے۔ وہ اپنے مستقبل کو خوشی اور زندگی کی منزل دیکھ رہا تھا۔ جس میں محرومی اور ناکامی کا گذر نہ تھا۔ وہ اپنے مستقبل کو ایسا تابناک پا رہا تھا۔ جس میں اشک شبنم، گل رُخ پر نہ ہوگا۔ اور صرصر سوزاں نہال ہستی کو خشک نہ کریگی۔ جس کا دوست نہیں، وہ اس پرندکی مانند ہے جس کے بازو ٹوٹے ہوئے ہیں۔ وہ آسمان کی جانب اڑ نہیں سکتا اور فرشتوں سے ہمکلام نہیں ہوسکتا۔ اُس کا وہ ٹوٹا ہوا بازو اُسے مل جائیگا۔ کیا جب مسافت آسمان درپیش ہو۔ کوئی سو سکتا ہے؟

تمام رات اُس نے اپنی نئی زندگی کے منصوبے باندھے۔ اپنی محبوبہ کی راحت

زندگی کے سامان، اس طرح کرے گا۔ اُس طرح کرے گا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکن دنیا کو زیر وزبر کر رہی ہے۔ ایک روح سماوی اس کے گرد پرواز کر رہی ہے۔ اس پر ایک حالت وجد طاری تھی ؛

وجد وہیجان میں نیند کہاں : بیتابی سے فکر و تصور کی محفل جمتی ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ شام کو اپنے گھر لوٹا ہے۔ اور اپنی محبوبہ کا سر اپنے زانو پر رکھ کر اپنے کاروبار کے حالات اُس سے بیان کر رہا ہے۔ اور ہر ایک واقعہ کے بیان کو ایک پیار سے ختم کر رہا ہے۔ کبھی دونوں، کوئی کتاب باری باری سے پڑھتے ہیں اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ گھر کی آرائش کے لئے دونوں نئی نئی تجویزیں کرتے ہیں۔ اور دونوں کی رائے سے خانم کا لباس انتخاب کیا جاتا ہے ؛

صبح ہوتے ہوتے منوچہر کی آنکھ لگی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اُس کی محبوبہ ایک باغ میں جس میں پھول بہ کثرت کھلے ہوئے ہیں۔ بادام کے درخت کے نیچے ایک آرام کرسی پر سو رہی ہے۔ اور پھولوں کی سفید کلیاں اس کے لباس اور کاکلوں پر موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔ آفتاب کی روشنی شاخوں میں سے چھن چھن کر اس طرح پڑ رہی ہے۔ کہ اُس کے رخسارے کہیں روشن ہیں۔ اور کہیں سائے میں ہیں۔ وہ بیٹھا پسینے کے قطروں کی جوگری کی وجہ سے اس کے چہرے پر ہیں سیر کر رہا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ ان قطروں کو چوس لوں۔ کہ نسیم بہار انہیں آ کے اڑا لے گئی ؛

اُس کی آنکھ کھل گئی۔ نوکر نے ہما کا خط آ کے دیا۔ لکھا تھا۔

"دوست عزیز۔ میرا حال اُس شخص کے حال کی مانند ہے۔ جس نے اپنے ہاتھ سے اپنا دل پارہ پارہ کر دیا ہو۔ جو خیالات مجھے یہ خط لکھنے پر مجبور کر رہے ہیں وہ دہکتے فتیلوں کی طرح میرے مغز کو جلا رہے ہیں۔ کاش اس ظالم قلم کی نوک صرف ایک

قلب کے ٹکڑے کرتی۔ اور اس کا خون اس کاغذ پر بکھیرتی۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ اس تلوار کی دو دھاریں ہیں اور وہ دو دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگی۔ مگر کیا کروں احساس فرض مجھے مجبور کر رہا ہے۔ کہ دو زندگیوں کو اس پر قربان کر دوں۔ وہ دل اپنا خون اس کی راہ میں بہائیں۔ آہ! میری آرزوئیں ایک دلخوش کن خواب سے زیادہ حقیقت نہ رکھتی تھیں۔ جام امید کا ایک قطرہ بھی حلق سے نہ اترا تھا کہ ناامیدی کی تلخی میرے حصہ میں آگئی۔ ہاں میرے لئے اب صرف یہی رہ گیا ہے کہ اپنی آرزوؤں کو اپنے دل سے اکھاڑ کے باہر پھینکدوں۔ میوۂ ممنوع کو چکھے بغیر بہشت سے نکل جاؤں؛

تم پوچھو گے کہ وہ کونسا فرض ہے جو عشق پر غالب آرہا ہے۔ اور یہ عشق کیا عشق ہے جو فرض کے مقابلہ میں سرتسلیم خم کئے دیتا ہے۔ میری قسمت کا رنج تم سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ میں مجبور ہوں کہ اس بوجھ کو تنہا اٹھاؤں اگر میں اس قربانی کی وجہ اصلی تم سے بیان کر سکتی تو غالباً تم مجھ سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتے اور پیشقدمی کرتے۔ میں تمہاری طبع نجیب و ہمت بلند سے واقف ہوں۔ ہمارے عشق کی بنیاد ہمارے پایۂ اخلاق پر ہے۔ اگر اس میں تزلزل پیدا ہوا تو ہمارا عشق بھی متزلزل ہو جائے گا۔ کاش ممکن ہوتا کہ میں سارا ماجرا تمہیں سنا سکتی۔ اور اس جنگ میں میرے دل پر کیا گذری تمہیں دکھا سکتی اس جنگ میں جو فتح میں نے حاصل کی ہے تم ضرور اس پر مجھے مبارکباد دیتے اور مجھے اور بھی زیادہ عزیز رکھتے۔ کتنی راتیں میں نے صبح تک بغیر سوئے کاٹی ہیں۔ کتنی پہاڑ کی طرح بھاری تھیں۔ وہ ساعتیں جو مجھ پر گذر گئیں۔ بہرحال اگر یہ صحیح ہے کہ میری خواہش کو پورا کرنا تم اپنا فرض مقدس سمجھتے ہو۔ تو میری تم سے دو تمنائیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم مجھے بالکل بھول جاؤ۔ دوسری یہ کہ اس

جدائی کا رنج نہ کرو۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو۔ اپنے کو کسی دوسری کی آغوش میں پہنچا کر اپنے تئیں تسلی دو۔"

تمہاری بدبخت ہما

تحریر اور دستخط بلاشبہ ہما کے۔ لیکن منوچہر کو یقین نہ آتا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ وقتِ عزیز ہمارے ہاتھ سے نکلا چلا جاتا۔ اور ہمیں یقین نہیں آتا کہ وہ نکلا چلا جا رہا ہے۔

اُس نے خیال کیا شاید ہما کے دماغ میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ پھر سوچنے لگا شاید اُس نے اُسے آزمانے کے لئے یہ مذاق کیا ہے۔ جس طرح اندھیری رات میں کوئی آسمان کی طرف ہزاروں تیر چلا رہا ہو۔ اُس کے دماغ میں ہزاروں خیالات کا گذر ہوتا۔ مگر کوئی خیال قائم نہیں رہتا تھا۔

دل میں اضطراب بدن میں رعشہ۔ وہ کپڑے پہنا چاہتا تھا۔ مگر نہیں جانتا تھا کہ کونسا کپڑا پہلے پہنے ایک مبہوت آدمی کی طرح اس کی وحشت زدہ نظر ہر طرف پھر رہی تھی۔ مگر سوائے اپنے خیالات کے اس کی نظروں کے سامنے کچھ اور نہ تھا۔ آخر کار ایک شعلہ خوفناک و خونین کی چمک اس کے ذہن میں پیدا ہوئی۔ اور اس کی نہاں اُمید کو جھلسا گئی۔ ہما کسی اور کو چاہ رہی ہے۔ اور اس کا دل کبھی ادھر کا ہو گیا۔ رقیب! وہ دیو جوانانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہاں رقیب کون ہے۔ اور کہاں ہے۔ اس کو پکڑ کر کچل دینا چاہیئے۔ اور اس منظر سے لطف اٹھانا چاہیئے کینہ جوئی کے لئے کوئی موضوع، رقابت عشق سے بڑھ کر نہیں۔ اور کوئی دشمنی رقابت کے برابر نہیں۔ اس میں منطق کو ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں مایۂ نزاع ایک آزاد پرندہ ہے۔ جو گلزار محبت میں جس شاخ پر چاہتا ہے بیٹھتا ہے اُس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ جو اعتراض چاہو معشوق کے میل و ارادہ پر کرو

رقیب پر کیا اعتراض۔ اور بات یہ ہے۔کہ وجود رقیب بھی مغتنمات میں سے ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت قیمت عشق اور درجۂ عنایت معشوقہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جو عشق منطق و دلیل امداد طلب کرے۔ جھوٹا عشق ہے۔

محبوبہ کے گھر تک کا راستہ چند منٹ سے زیادہ کا نہ تھا۔ مگر منوچہر کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند سال سوچتے سوچتے گذر گئے۔ مصیبت کا جس وقت حملہ ہوتا ہے تو ایک ساعت میں ایک عمر طے ہو جاتی ہے۔ سیاہ بال سفید اور آثار جوانی محو ہو جاتے ہیں۔ بیرحم نیچر کا ہاتھ اس لئے کہ نوجوانوں کو دل لگی اور مذاق کا موقع ملے بعض انسانوں کی صورت دفعتاً تغیر کر دیتا ہے۔

(۹)

ہما اور منوچہر

ہما نے جس وقت منوچہر کو اپنے سامنے پایا۔ اس کے خیالات فوراً درہم برہم ہو گئے۔ فکر و حرکت کی قوت اس سے زائل ہو گئی۔ اس کے ذہن پر ایک تاریک غبار چھا گیا۔ جس سے اُسے اپنا مستقبل زیر و زبر نظر آیا۔ منوچہر اس مبہوت حالت سے ہوش میں آ کر بغیر اس کے کہ بیٹھے یا تمہید اٹھائے کہنے لگا "یہ خط تم نے لکھا ہے؟ ممکن نہیں تم نے مذاق کیا ہے۔ مگر میں تم سے ایسے مذاق کی توقع نہ رکھتا تھا۔ تم اگر خود اپنی زبان سے ان باتوں کو دہراؤ تو بھی میں یقین نہ کروں گا۔ میں کیسے مان لوں کہ تمہاری باتیں سب جھوٹی تھیں۔ اور تم بیوفا ہو۔ شاید میری آنکھ نے غلط پڑھا اور غلط سنا۔ مگر میری عقل قبول نہیں کرتی"۔

اس کی تیز نظر کا تیر ہما کے دل کی گہرائیوں کو چھیدے ڈالتا تھا۔ منوچہر کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ ہونٹ کپکپا رہے ہیں۔ اس کی آواز سے غرور اور وحشت ظاہر

ہو رہی ہے۔ ہما سنگ مرمر کے بت کی طرح خاموش و حیران کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی بھیانک آنکھوں سے منوچہر کو دیکھ رہی ہے۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہاتھ سے ان الفاظ کی چوٹ سے بچاؤ کر رہی ہے۔ تھوڑے سے سکوت کے بعد منوچہر نے خشونت مگر بے طافتی کے ساتھ کہا:۔

"آخر خاموش کیوں ہو؟ بولتی کیوں نہیں۔ تو یہ ساری باتیں۔ یہ راز و نیاز سب مصنوعی تھا؟ یہ عشق جیسے تم اتنے قیمتی کہا کرتی تھیں۔ ایک بلبلے کی طرح بیٹھ گیا۔ تم کسی دوسرے......"

اتنا سنتے ہی ہما کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ کی چمک پیدا ہوئی۔ وہ کہنے لگی:۔

اگر تم میرے متعلق ایسے خیالات رکھتے ہو تو کیوں اپنے تئیں نیچا کر کے میرے ساتھ گفتگو کرتے ہو۔ مجھ جیسا آدمی آپ کی محبت و صحبت کے لائق کب ہے۔ یہ تھی تمہارے عشق کی بنیاد کہ ہوا کے ایک جھونکے سے زمین پر آ رہی۔ ابھی تو کہتے تھے۔ کہ مجھ سے بیوفائی کا تمہیں گمان نہیں۔ اور ابھی بے ثباتی کا الزام مجھ پر لگا رہے ہو۔ تم سمجھ رہے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور کیا کر رہے ہو......"

منوچہر نے آگے بڑھ کر ہما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہنے لگا:۔

"مجھے معاف کرو۔ تمہارے خط نے مجھے دیوانہ بنا دیا۔ عشق کے ساتھ مذاق نہیں کیا جا سکتا۔ تم میری حالت سے واقف ہو۔ اس معاملے میں مجھے مذاق کی برداشت نہیں۔ میں ایسے امتحان کا متوقع نہ تھا۔ مجھے اپنے پر قابو نہیں رہا۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھ میں وہ متانت و خوں سردی جو تم مجھ سے چاہتی ہو۔ مجھ میں نہیں ہے۔ تم میری تربیت کرو۔ اچھا اب دوسری مرتبہ میری آزمائش کرنا۔ ہرگز میں متغیر نہ ہوں گا۔ ہما جان تمہیں معلوم نہیں۔ اس بے موقع

مذاق سے مجھ پر کیا کچھ گذر گئی۔

ہما کا دل پسیج گیا۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے اُس کے چہرے پر ڈھلکنے لگے۔

دونوں بیٹھ گئے۔ چند منٹ سکوت میں گذر رہے۔ ہما نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا کہ:-

"میری بدقسمتی ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں لکھا۔ اس میں مذاق نہ تھا فطرت ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہے کہ ہماری بدبختی اور دل تنگی سے لطف اٹھائے"۔

منوچہر کو ایسا معلوم ہوا کہ اُس کے سر پر ضرب شدید لگی۔ اُس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور اس کے سامنے کی چیزیں اس کی نظر میں چکر کھانے لگیں۔

اُس نے اپنا ہاتھ بڑھا کے کہا "للہ بس اب اور کچھ مت کہو۔ ایک منٹ کی امان دو"۔

منوچہر کی یہ حالت دیکھ کر ہما کے دل نے فریاد کی اور کہا " اس بیرحم و بے شفقت عقل کے حکم کو پاؤں تلے روند ڈالو۔ میں اپنے محبوب کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ تمام دنیا و تو ہمات دنیا، محبوب کے ایک آنسو کی برابر قیمت نہیں رکھتے۔ میں عشق کا گھر ہوں۔ جب تک مجھے برباد نہ کرو گے۔ اس سے چھٹکارا نہ پاؤ گے"۔

لیکن عقل بے رحم جھگڑتے کہتی تھی۔ کچھ پروا نہیں۔ اور ہما کا نازک دل اُس کے دماغ تک نہ پہنچنے پاتا تھا۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد منوچہر نے پھر کہا " انصاف تو یہ ہے کہ جو واقعہ پیش آیا ہے۔ اُس سے مجھے خبردار کرو"۔ دفعتہً گویا تجربہ کے ذہن میں روشنی کا گذر ہوا۔ اور وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

"میں سمجھ گیا، تمہارے بھائی جان نے اجازت نہیں دی۔ کیوں؟"
پھر کہنے لگا:۔ "انہوں نے جو کچھ میرے متعلق معلوم کیا ہے، وہ ناپسندیدہ ہے۔ غالباً میرے دشمنوں سے میرے حالات کی تحقیق کی ہو گی۔ حالانکہ مجھے اُمید نہیں کہ میرا کوئی دشمن ہو۔ میں نے تو حتی الامکان ہر شخص کے ساتھ اچھا ہی سلوک کیا ہے۔ لوگ میرے ساتھ کیوں دشمنی رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں کوئی کس طرح جئے ان حاسدوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے۔ نیکی سے کیا حاصل ہوا۔ یا ممکن ہے حسن علیخاں نے ہی مجھے ناپسند کیا۔ شاید میرا نام ہی انہیں پسند نہیں آیا۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ انسان کا دل بُرائی سے بھرا ہوا ہے۔ بعض لوگوں میں کینہ جوئی و بدخواہی ایک احتیاج طبعی کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس کے لئے انہیں کسی دلیل یا سبب کی ضرورت نہیں:"
ہما نے جلدی سے جواب دیا "تمہیں اس قسم کا خیال بھائی جان کے متعلق نہ کرنا چاہئیے۔ وہ ان عیبوں سے بری ہیں۔ وہ تمہارے خط کا جواب بھی لکھ چکے ہیں جو یہیں میز پر پڑا ہوا ہے:"
ہما نے لفافہ اُٹھایا۔ مگر اُس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ لفافہ میں سے خط نکالکر دونوں نے پڑھا۔ لکھا تھا:۔
آقائے عزیز من۔ میں آپ کی درخواست قبول کرتا ہوں۔ اور اپنی پیاری ہما کو آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ لیکن میرا حال اُس شخص کے مانند ہے جو اپنی جان و ہستی کسی دوسرے کے سپرد کر رہا ہو۔ جس عاجزی سے ایسا شخص اُسکی جانب نظر کرے گا۔ جسے وہ اپنی جان سونپے گا۔ اُسی عاجزی و التماس سے میں تمہیں دیکھتا ہوں اور اسی پاس خاطر اور نگہبانی کا تم سے منتظر ہوں۔
حسن علی

اس خط کو پڑھ کر ہما کی آنکھوں سے شدت و تاثر و رقت کی وجہ سے آنسو بہنے لگے۔

منوچہر نے تعجب و حیرت سے کہا "تو اصلی واقعہ کیا ہے۔ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو۔ میں تمہاری محبت کی قسم دیکر تم سے پوچھتا ہوں۔ اچھا برا جو کچھ ہو مجھ سے کہو میں تسلیم و رضا سے اُسے سنونگا"۔

ہما:" پیارے منوچہر، تمہاری جان کی قسم کہ اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی قسم نہیں ہو سکتی۔ تم اگر میری جان کے طالب ہوتے۔ تو بھی مجھے عذر نہ ہوتا۔ لیکن اس واقعہ میں ایک دوسرا بھید پوشیدہ ہے۔ جسے میں تم سے نہیں کہہ سکتی یہ میری بدبختی ہے کہ میں تمہیں اُس بھید سے آگاہ نہیں کر سکتی۔ اور اپنے غم میں تمہیں شریک نہیں کر سکتی۔ الٰہی میرے کندھے پر تو نے کیسا ناقابل برداشت بوجھ ڈالدیا ہے"۔

منوچہر:" اگر تم نہیں کہتیں تو میں کہتا ہوں۔ تمہاری محبت سچی اور پائدار نہ تھی عشق میں یہ پردہ پوشی نہیں ہوتی۔ وہ موانعات کی پروا نہیں کرتا۔ عشق ہر چیز کو اپنے اوپر فدا کر دیتا ہے۔ صاف صاف ہمیں بات کرنی چاہیئے۔ تم نے کسی اور کو پسند کیا ہے اور اُسے مجھ پر ترجیح دے رہی ہو۔ یہ تھی تمہاری وفاداری۔ اور یہ تھی تمہاری استواری جس کا تم اظہار کیا کرتی تھیں"۔

ہما (آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر) بس بس ذرا تو مجھ پر رحم کر۔ میں بےگناہ ہوں اور ان تہمتوں کی سزاوار نہیں ہوں۔ میرے دل کا درد مجھے مارے ڈال رہا ہے۔ اور میں زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ خدا جانتا ہے۔ کہ تیری محبت میری جان کے ساتھ ہے میرے دل میں تمہاری جگہ کوئی اور نہیں کر سکتا"۔ یہ کہہ کر ہما پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی

منوچہر بھی اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا اور اُس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے اس نے ہما کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں ستر حمانہ طریق سے لے کر کہا:۔

"ہما جان اس سے زیادہ میرے کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرو۔ مجھے یہ منظور ہے کہ تم مجھے اپنے گھر سے نکالدو۔ مگر میں تمہیں اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ تم ہی کہو میرا تصور کیا ہے۔ میرے بیقرار و بیچارہ دل کو کبتک پیسوگی۔ میں اس معمہ کی وجہ سے دیوانہ ہوا جارہا ہوں۔ اگر مجھ سے محبت ہے تو مجھے اسقدر کیوں ستا رہی ہو۔ پیاری ہما اپنا درد دل مجھ کو سناؤ۔ شاید میں اس کا کوئی علاج کر سکوں"۔

اسوقت ہما کی یہ آرزو تھی کہ اس پر بجلی گر کر اسے راکھ کر دے۔ تاکہ اس بڑی مصیبت سے اُسے نجات حاصل ہو۔ شعلۂ عشق اس کی جان و جگر جلا رہا تھا۔ اور نالہائے اضطراب درونی سے وہ عذاب شکنجہ میں مبتلا تھی۔ اسے نظر آرہا تھا۔ کہ اُسکا پائے ثبات لڑکھڑا جائے گا۔ اور عشق اس کے خانہ دل پر پھر حکمرانی کرنے لگا۔ اُس نے فوق العادہ کوشش سے اپنی طبیعت پر غلبہ حاصل کر کے کہا:۔

"اس معاملہ میں زیادہ گفتگو ہمارے درد کو زیادہ ہی کریگی۔ بہتر ہے آج کو کل پر چھوڑ دیں۔ اب مجھ میں زیادہ طاقت نہیں"۔

منوچہر کے سارے بدن کا خون چہرے میں آکر جمع ہو گیا۔ ایک ایسے لہجے سے جس سے بے صبری اور رنج صاف نمایاں تھے۔ اُس نے کہا:۔

میں اس کام کو کل تک نہیں چھوڑ سکتا۔ تم مجھ سے واقف ہو۔ تردد و تعویق میرے مذہب میں کفر ہے۔ بتاؤ تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نہیں"۔

ہما:۔ "مجھے تم سے بیحد محبت ہے"۔

منوچہر: "تو اسی ہفتہ کے اندر ہماری شادی ہونی چاہئیے"۔

ہما کو اس فقرے کے سننے سے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اسے بہشت کا دروازہ کھولدیا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اس نے ایک آہ بھری۔ جس سے منوچہر نے چونک کر تیزی سے کہا: "میرے سوال کا جواب دو تاکہ مجھے معلوم ہو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میرے

ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی ہو یا نہیں؟

ہما نے تھوڑے سے تامل کے بعد اپنا سر نیچا کر کے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں" منوچہر تیزی سے کھڑا ہو کر دروازے کی طرف چلا اور کہنے لگا "خدا حافظ! اب تم مجھے نہ دیکھو گی"۔

منوچہر جلدی سے باہر چلا گیا۔ ہما نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہ جا چکا ہے۔

وہ اس طرح دیکھنے لگی۔ جس طرح کوئی نیند سے جاگے۔ اس نے دیکھا کہ منوچہر جا چکا ہے۔ اور کمرے میں کوئی نہیں۔ وہ زور سے کہنے لگی:۔

"منوچہر آجا میں نے غلطی کی"۔

مگر وہ جا چکا تھا۔ اور ہما کی آواز اس تک نہ پہنچتی تھی۔ اس کا دل درد سے بھر آیا۔ اور آنکھوں سے سیل اشک جاری ہو گیا۔ ایک منٹ پیشتر جس کرسی پہ منوچہر بیٹھا تھا۔ اس کے پاس زانو ٹیک کے کھڑی ہو گئی۔ اور ہاتھوں کو اسی کرسی پر اور منہ کو ہاتھوں پر رکھ کر فریاد کرنے لگی:۔

آہ پیارے منوچہر تو کیوں چلا گیا۔ میری جان تیرے ساتھ گئی۔ میں نے غلطی کی۔ میں نہیں سمجھی۔ لعنت میرے تمام اندیشوں اور خیالات پہ۔ میں تیری کنیز ہوں۔ میری جان تیرے قبضہ میں ہے۔ اے منوچہر اے میرے محبوب عشق! دنیا میں تیری مانند کون ہے۔ دنیا میں عشق سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں۔ اور دل کے حکم سے بالاتر کوئی حکم نہیں۔ آ مجھے اپنی آغوش میں لے۔ آ مجھے اپنے سے نجات دے عشق، نیکی اور عزت سب کے اوپر ہے"۔

جب منوچہر آتا تو طلعت خانم کمرے سے باہر چلی جاتی۔ اور ان دونوں کو تنہا چھوڑ دیتی۔ وہ حسب معمول باہر تھی۔ جب کمرے میں آئی تو دیکھا کہ منوچہر نہیں وہ متوحش ہوئی کہ منوچہر اتنی جلدی کیوں چلا گیا۔ دیکھا کہ ہما پریشان ہے۔ اور

رو رہی ہے؟

ماں کی شفقت بھری "ہماجان" سے وہ ہوش میں آئی۔ اُس کے رخساروں کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے پر آنسوؤں کے بہنے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔

بولی "اماجان! آپ نے سچ کہا تھا، زندگی سخت چیز ہے۔ میں نہ سمجھی تھی"۔

جو ماں یہ دیکھے کہ اس کی اکلوتی پیاری لڑکی رو رہی ہے، کیا کرتی ہے؟ ماں وہ دریا ہے جو ہمارے سیل درد کے آخری قطرے تک کو اپنے میں قبول کر لیتا ہے۔ اور لبریز نہیں ہوتا۔ ماں وہ قاضی عادل ہے۔ جو فطرت کی حیلہ سازی و کینہ دوزی کے مقابلے میں ہماری بیگناہی کا ہمیشہ فتویٰ دیتا ہے۔ ماں وہ صاف آئینہ ہے جس میں ہماری روح کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ اگر ہماری طبیعت ذرا بھی مکدر ہو، تو یہ آئینہ خود غبار آلود نظر آتا ہے۔ ماں وہ طبیب ہے جو ہمارے زخموں پر مرہم رکھتا ہے وہ، وہ عیسیٰ نفس ہے جس کا سانس ہماری مردہ روح کو زندگی بخشتا ہے۔ اور اپنے لئے کوئی صلہ سوائے ہماری خوشی کے نہیں مانگتا۔ ماں کا پہلا قدم، جو دوستی و وفا کے راستے سے باہر پڑتا ہے۔ وہ، وہ ہوتا ہے جبکہ ہمیں اس دنیا میں بےکس و بے یار چھوڑ کر خود دریغ و محنت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر لیتی ہے۔ مگر شاید پھر بھی اس کی روح ہمارے گھر منڈلاتی رہتی ہوگی؟

طلعت خانم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور اس نے اضطراب کی حالت میں، ہما کی بغل میں ہاتھ دیکر کھینچا نہ اُس نے کہا:۔

"میری پیاری بیٹی، کیا ہوا، بتاؤ تو۔ کیا منوچہر تم سے لڑ کر گیا ہے۔ یہ تمہارا حال کیا ہوا۔ مجھ سے بیان کرو"۔

ہما نے اپنی ماں کے چہرے کو بوسہ دیکر کہا:۔

اماں جان، میں آپ سے کوئی چیز نہیں چھپاتی۔ لیکن میں حیران ہوں کہ

میں اپنا حال کس طرح بیان کروں کہ ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں۔ اس لئے کہ میں خود اچھی طرح نہیں جانتی کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ اور کس وجہ سے اس حال میں مبتلا ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ ایک دفعہ پھر مفصل بھائی جان اور ابا جان مرحوم کی دوستی کا حال بیان کیجئے“۔

طلعت خانم ۔ ”پیاری۔ میں تم سے تمہارے بدبخت باپ اور حسن علی خاں کی دوستی اور رفاقت کا حال سب کہہ چکی ہوں۔ اور تمہیں سب معلوم ہے۔ اب اس کا وقت نہیں تم اپنا درد مجھ سے کہو“۔

ہما ۔ میرا دل چاہتا ہے میں اس قصے کو آپ کی زبانی پھر سنوں۔ اپنا حال اس کے بعد میں آپ سے کہونگی“۔

طلعت خانم ۔ قصہ وہی ہے جو تم سے کہہ چکی ہوں۔ تمہارے ابا جان اور حسن علیخاں میں بیحد دوستی تھی۔ دونوں ایک جان دو قالب تھے۔ تمہارے ابا جان نے جب میرے ساتھ شادی کی اسی زمانے میں حسن علیخاں نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں زنجان جاکر اپنے چچا کی لڑکی سے جو اس کے ساتھ بچپن سے نامزد تھی نکاح کیا۔ چند مدت تک ہم سب ایک ساتھ ایک مکان میں رہے۔ مگر رقیہ خانم کی طبیعت و عادت اس درجہ خراب تھی کہ اس کے ساتھ گذارہ ناممکن تھا۔ اسکی لڑائیوں اور بیہودگیوں کی حکایت لمبی ہے۔ میں نے شاید تم سے اس کا بیان کیا ہے۔ کہ بیچارے حسن علیخاں نے کس مصیبت سے اس کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اسے کیسی چڑیل سے واسطہ پڑا تھا۔ مگر یہ شخص اسقدر نیک ہے کہ تعریف نہیں کی جاسکتی۔ تمہارے باپ نے اور میں نے بہت کہا کہ طلاق دیدو۔ مگر اس نے قبول نہ کیا۔ کہتا تھا بُری ہے۔ مگر اس کا دنیا میں سوائے میرے کوئی اور نہیں۔ اگر میں نے اسے نکالدیا تو بھوکوں مرجائے گی۔ آخر ہم سے علیحدہ مکان لیکر رہنے لگا

تاکہ ہم بے آرام نہ ہوں اور تمام سختیوں کو تنہا سہنا تھا۔ تمہارے باپ طبیب تھے۔ اور ان کی طبابت اچھی چلنے لگی تھی۔ مگر خدا کو منظور نہ ہوا اور اُس نے اُسے ہم سے لے لیا۔ کاش میں بھی اس کے ساتھ دنیا سے چلی جاتی۔ مگر نہیں میں نہ ہوتی تو تو بچی تھی کیا کرتی آٹھ سال سے حسن سلیخاں ہمارے تمام مصارف برداشت کر رہا ہے۔ ہم نے ایک دفعہ اس سے ترش روئی نہ دیکھی۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ جو ماہواری روپیہ تمہیں دیتا ہوں۔ یہ اس قرض کو ادا کر رہا ہوں جو میں نے مرحوم محمد علی خاں سے لیا تھا۔ مگر میں جانتی ہوں کہ اس نے بالکل جھوٹ کہا تھا۔ اس لئے کہتا تھا کہ میں شرمندہ نہ ہوں تمہیں یاد ہے دو سال ہوئے جب تمہیں دورازحال خسرہ ہوئی تھی۔ تو جب تک تم اچھی نہ ہوگئیں گھر سے باہر نہیں گیا۔ مجھ سے ہر وقت تمہارا ہی ذکر کرتا رہتا ہے اور اور کسے اس کا۔ بیحد افسوس ہے کہ تمہیں تعلیم کے لئے یورپ نہیں بھیج سکتا آرام و راحت کا اس سے زیادہ انتظام نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس کے امکان میں ہوتا۔ تو وہ اس سے زیادہ ہماری مدد کرتا۔ اب اس کی آرزو یہی ہے کہ خدا تمہیں ایک شوہر دے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے منوچہر کو پسند کر لیا ہے۔ مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خوش نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تم نے اس سے منوچہر کے ساتھ اپنی ملاقات کا حال چھپائے رکھا تھا۔ میں نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا۔ حقیقت میں اس بارے میں میں شرمندہ ہوں۔

"اس آدمی نے ہمارے ساتھ جو کیا ہے۔ اس سے ہم عمر بھر اس کے زیر بار احسان رہیں گے۔ اگر ہم سے ذرا سا بھی دکھ اس کے دل کو پہنچے وہ سب سے بڑا گناہ ہوگا۔"

ہما کا سانس سینے میں اٹک رہا تھا۔ اپنی ماں کی بات کاٹ کے کہنے لگی:۔

"اماّجان، معلوم ہوتا ہے۔ بھائی جان کا دل نہیں چاہتا کہ میرا نکاح منوچہر سے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس واقعہ سے انہیں ہمیشہ کلز رنج پہنچے۔ آپ ہی کے کہنے کے موافق جس شخص کے لئے ہمارا رواں رواں زیر بار احسان ہے۔ کیا مناسب ہے کہ میں اپنی خوشی اس کی بدبختی کی قیمت دے کر خریدوں کیا یہ بے انصافی اور آدم کشی کر سکتی ہوں۔ ادھر اس سے بھی انکار نہیں کر سکتی کہ مجھے منوچہر سے بیحد محبت ہے۔ اپنے رنج و ناامیدی کا تو مجھے کچھ خیال نہیں۔ مگر منوچہر کو کتنا رنج و ناامیدی ہوگی۔ اچھی اماں جان آپ ہی تو بچھ نہیں کرتیں۔ میرے لئے موت کے سوا کوئی راہ نظر نہیں آتی"۔

طلعت خانم کی آنکھ اور منہ تعجب اور وحشت سے اس طرح کھل گئے گویا کوئی خوفناک صورت یا خیال اس کی نظر کے سامنے ہے۔ تھوڑی دیر میں اس نے اپنے حواس جمع کئے۔ اور کہنے لگی:۔

"میں یہ نہ سمجھی کہ تمہاری شادی کو حسن سلیمان کیوں ناپسند کرنے لگا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم نہیں سن رہی تھیں۔ آج منوچہر خاں کی کتنی تعریف کر رہا تھا۔ اس کو جواب بھی لکھ چکا ہے۔ یقیناً اس میں اپنی رضامندی ظاہر کی ہے"۔

ہما نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ اس سے طلعت خانم خوش ہو کر مسکرائی اور کہنے لگی:۔

پیاری بیٹی، تم غلط خیال میں ہو۔ تمہارے بھائی کی آرزو یہی ہے کہ تمہارا بیاہ منوچہر سے ہو جو خود ایک آراستہ جوان ہے۔ ان بچوں کے سے توہمات کو دل سے نکال پھینکو"۔

ہما۔ "اماجان میں غلط بالکل نہیں سمجھی۔ واقعہ یہی ہے جو میں نے آپ سے کہا

میری شادی کرنا اس کے ہم معنی ہے۔ کہ میں اس بیچارے حسن علیخاں کو اپنے ہاتھ سے بدبخت کروں۔"

طلعت خانم (بے اختیار ہو کر) یہ کیسے سمجھیں؟ مجھ سے کہو۔ چاہو تو ابھی جا کر خود اس سے پوچھتی ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔ تم بچہ ہو اور توہمات میں مبتلا ہو"

طلعت خانم چاہتی تھی کہ اٹھ کر فوراً حسن علیخاں کے گھر پر جائے۔ ہما نے اپنی ایک نظر ڈال کے اسے روکا اور کہا:۔

"اماں جان" میں اپنے خیالات اچھی طرح آپ پر ظاہر نہیں کر سکتی۔ مگر واقعہ وہی ہے۔ جو میں نے کہا۔ یہ سمجھ لیجئے۔ کہ مجھے اس پر اتنا یقین ہے۔ گویا میں نے خود اس کی زبان سے سنا ہے۔ اُسے یہ خوف ہے کہ جب بیاہی جاؤنگی تو مجھے کم دیکھے گا۔ بات یہ ہے کہ اسے مجھ سے بہت محبت ہے"۔

طلعت خانم۔ (بیقرار ہو کر) بخدا میں نہیں سمجھی تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم بیاہی جاؤگی تو وہ تمہیں کیوں نہیں دیکھے گا۔ میں پہلے کہہ چکی ہوں بچپن کے خیالات کو چھوڑ دو۔ ایسے نازنین شوہر کو اپنے توہمات کی وجہ سے ہاتھ سے نہ کھو بیٹھو۔ یقین مانو حسن علیخاں تمہاری اس حرکت سے بہت رنجیدہ ہوگا۔ اچھا اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ابھی منوچہر سے کیا کہا۔ کہ وہ اتنی جلدی چلا گیا"۔

ہما نے اس طرح گویا وہ اپنے دل سے باتیں کر رہی ہے۔ سوال کا جواب نہ دیکر کہا۔ بیچارے نے ہمارے ساتھ بھلائی کی۔ اور تمام عمر ایسی عورت کے ساتھ گرفتار رہا۔ کیا اب لازم ہے کہ میں اس کی بدبختی کی تکمیل کر دوں"۔

ماں چاہتی تھی کہ کچھ کہے۔ کہ اس نے روک کر کہا "اماں جان آپ سے میری ایک خواہش ہے۔ چند دنوں تک اس معاملے میں مجھ سے گفتگو نہ کیجئے"۔

طلعت خانم۔ (ایک دقت آمیز حال سے اپنی بیٹی کا منہ چوم کر) "ہما خانم

جو تم کہو مجھے عذر نہیں۔ مگر دیکھو معاملہ نازک ہے۔ خبردار کہیں اپنی زندگی خراب نہ کر دو"۔

اس مجادلہ اور تجسسات کی شدت نے ہما کے قویٰ کو اسقدر ضعیف کر دیا تھا۔ کہ قریب تھا کہ وہ بیہوش ہو جائے۔ ماں نے یہ حال دیکھ کر گفتگو کو قطع کیا۔ اور اُس کے دل بہلانے کی ترکیبیں کرنے لگی۔

(۱۰)

تقرر حسن علی خاں

حسن علیخاں وزارت مالیہ کی کمیٹی تخفیف اخراجات کا پریسیڈنٹ مقرر ہو چکا ہے۔ اور متحیر ہے کہ کس نے اُس کے ساتھ بھلائی کی ہے۔ وہ عالی ہمت دوست جو اپنے کار نیک کو پوشیدہ رکھتا ہے کون ہے۔ اس نوکری پر پہنچنا اس کے نزدیک اسقدر اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن دوسرے کی یہ نجابت و بزرگ منشی۔ اس کی عزت نفس کو مجروح کر رہی تھی۔ اور وہ اپنے تئیں اپنی نظروں میں حقیر نظر آ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس نیک سیرت فرشتے کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ تاکہ اسے یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں صفات ملکوتی نایاب نہیں ہیں۔

وزیر مالیہ نے حسن علی خاں سے پہلی ملاقات میں کہا:۔

"میں نہیں بھولا ہوں کہ میں اور آپ ایک کلاس اور ایک مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ آپ کا پڑھنے لکھنے کا شوق ضرب المثل تھا۔ شاید آپ کو خیال ہو گا کہ میں بھی تحصیل علم کا عشق رکھتا تھا۔ لیکن خدا نے آپ کی مدد کی۔ آپ کو تکمیل علم کے لئے کافی وقت ملا۔ اور میں سرکاری نوکری میں پھنس گیا۔ جیسا کہ

آپ دیکھ رہے ہیں۔ مجھے موقع نہ ملا کہ میں علم کی پیاس اپنی طبیعت کے موافق بجھا سکتا۔ آخر شدت رشک سے میں نے چاہا کہ میں آپ کو بھی سرکاری نوکری میں منسلک کر کے اپنی ہی طرح گرفتار کر لوں۔ اور یہ بھی یوں کہ اس کام کے لئے آپ سے بہتر مجھے کوئی آدمی بھی نہیں مل سکتا تھا ؂

حسن علی خاں۔ "جناب کے اس لطف و عنایت کا بیحد شکر گذار ہوں۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ مجھے نوکری کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن برسوں سے میں خدمت عالی میں حاضر نہیں ہوا۔ اور جناب بھی میرے حالات سے بےخبر تھے۔ میری آرزو ہے کہ جناب مجھے بتائیں کہ کس نے میرا نام جناب کو یاد دلایا"

وزیر۔ (مسکرا کر) "آپ کا فرمانا صحیح ہے۔ میں اپنی بدقسمتی اور عدم فرصتی کی وجہ سے آپ کی ملاقات سے محروم تھا۔ اور آپ کے متعلق مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ ایک فرشتے نے آپ کا ذکر خیر مجھ سے کیا۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ اس محکمہ کو آپ کی ذات نے زینت بخشی۔ وہ فرشتہ کون ہے۔ اور میرے پاس کیسے آیا۔ آپ یہ مجھ سے نہ پوچھئے۔ کیوں کہ اس کا نام بتانے کی مجھے اجازت نہیں"

حسن علیخاں، ہر رات اپنے متعلق اپنی طبیعت کے سامنے محاکمہ کرتا تھا۔ جس کا یہ حکم ہوتا تھا کہ وہ مجرم ہے۔ ہر روز ارادہ کرتا تھا۔ کہ استعفادہ دیدے اس لئے کہ وہ یہ خیال کرتا تھا کہ جیسا چاہیئے وہ اس عہدے کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ اسراف، وہ صرف ہمالے حسن اور اخلاق میں پاتا تھا۔ ہر چیز کی شکل اس کے نزدیک اس لئے بنی تھی کہ معشوقہ کے جمال کے پیچھے چھپ جائے معشوقہ کی آواز اس کے کانوں میں ایک دلکش راگ معلوم ہوتی تھی۔ جس کے سامنے ہر آواز محو ہو جاتی تھی ؂

دفتر کی مثلوں میں اور فائلوں میں اپنی بدبختی کی شرح کے سوا اُسے

اور کچھ نظر نہ آتا تھا ؂

وہ جب لوگوں سے باتیں کرتا تھا۔ خاصکر جب کمیٹی میں گفتگو کرتا تو وہ خود اپنی طرف سے مشکوک اور خائف رہتا ہے۔ اور خوف سے وہ گھبرا اٹھتا۔ اُسے۔ یہ خیال ہوتا کہ لوگ اُس کے بھید سے واقف ہوگئے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کے متین الفاظ اور سنجیدہ تقریر کو سنتے اور اس کے ظاہری سکون و خندہ پیشانی کو دیکھتے۔ وہ اس خیال سے اتنی ہی دور ہوتے جتنا کہ ایک فقیر اس تصور سے دور ہوتا ہے۔ کہ کوئی صاحب حشمت و مال، بدبخت بھی ہوسکتا ہے ؂

ہم کبھی جیسا کہ ہم ہیں دوسروں پر ظاہر نہیں کرتے۔ ہم کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ ہمیں ہماری اصلی شکل میں دیکھے۔ گویا ہمارے پاس بہت سے مصنوعی چہرے ہوتے ہیں اور ہم منٹ منٹ میں فوق التصور چابکدستی کے ساتھ حسب موقع و مناسب حال ان مصنوعی چہروں کو لگاتے رہتے ہیں ؂

(۱۱)

منوچہر خاں کا گھر

طلعت خانم نے کئی دن کوشش کی کہ اُس ذکر کو پھر چھیڑے۔ مگر کامیاب نہ ہوئی۔ ہما کو معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی ماں صورت حالات کو اُس نظر سے نہیں دیکھ سکتی جس نظر سے کہ وہ دیکھ رہی تھی۔ جہاں اُس کا خیال و فکر ہے۔ اس بلندی تک اس کی ماں نہیں پہنچ سکتی تعلیم و تفکر سے جب تک ذہن لطیف نہ ہوجائے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی۔ کہ کوئی دوسرے کے لئے اپنے ذاتی نفع سے درگذر کرسکتا ہے۔ اور قربانی اور ایثار کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اس معاملے میں اپنی ماں سے بحث کرنا بیکار سمجھتی تھی۔ اور ہر دفعہ یہی کہتی تھی۔ "میں غلط سمجھی تھی۔"

مجھے دھوکا ہو گیا تھا۔ حسن سلیخاں چاہتا ہے کہ میری شادی ہو جائے۔ مگر میں خود ہی بیاہ کرنا نہیں چاہتی"۔

بیچاری ماں اپنی اولاد کی حال و مستقبل کو خطرے میں دیکھ کر پریشان تھی۔ یہ بات کہ حسن سلیخاں نہیں چاہتا کہ ہما کی شادی ہو قابل یقین نہیں معلوم ہوتی تھی اور اس کے سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اسی فکر میں وہ راتوں کو نہ سوئی۔ اور بہت غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ منوچہر اور ہما میں لڑائی ہو گئی ہے اور محبت کے بند ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ اس نے اپنا یہ فرض خیال کیا کہ اس شکر رنجی کو رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اُسے اپنی بیٹی کے لئے کوئی اور نوجوان منوچہر سے زیادہ سجیلا اور مناسب نظر نہ آتا تھا۔ منوچہر جو اس کا ادب و احترام کرتا تھا۔ اس نے اس کا دل موہ لیا تھا۔

طلعت خانم، کبھی اپنی بیٹی کی رائے کے خلاف نہ جاتی تھی۔ اور کوئی کام اس کی طبیعت کے خلاف نہ کرتی تھی۔ لیکن اس معاملے میں اس نے سوچا کہ بیٹی سے مشورہ کرنا درست نہ ہوگا۔ وہ خفیہ طور پر ایک روز منوچہر کے گھر گئی منوچہر اسے دیکھتے ہی بیحد خوش ہوا۔ چاہتا تھا۔ اُس سے معانقہ کرے اور اس کے پاؤں پر گرے۔ اور ایک ہی دفعہ سب باتیں اُسے کہہ سُنائے۔ اور اپنا درد دل سُنا کر اپنی بخار اس نکالے۔ لیکن اس نے اپنے پر قابو رکھا۔ اور اپنی عزت نفس کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے وہ دبلا ہو گیا ہے۔

لیکن اس نے حسب معمول عزت و احترام سے طلعت خانم کی پذیرائی کی اور کہا "امید ہے خانم نے اپنا خیال بدل دیا ہوگا۔ میں اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں انہیں اس سے اونچا خیال کرتا ہوں۔ کہ ان کے حق میں بیوفائی و خیانت کا گمان بھی کروں"۔

طلعت خانم (آہ بھر کر) "ہما کو خبر نہیں ہے کہ میں یہاں آئی ہوں۔ مگر تم بتاؤ کہ تم میں اور اُس میں کیا واقعہ ہوا ہے۔ اور کیوں۔ وہ اس خیال کو لئے ہوئے ہے۔ میں اس سے جتنا پوچھتی ہوں ـــــ وہ یہی کہتی ہے کچھ نہیں ہوا۔ اسی لئے میں تمہارے پاس تم سے پوچھنے آئی ہوں"۔

منوچہر کی ضبط و خودداری ایک دم زمین پر آرہی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ کامیاب ہوگا۔ اور اسے غلبہ حاصل ہوگا۔ اُس نے یہ خیال کیا تھا۔ کہ ماں ہما کی ندامت کا اظہار کرنے اور ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑنے آئی ہے۔ مگر طلعت خانم کی پریشان حالی اور آشفتہ نگاہی سے صاف ظاہر تھا کہ حقیقت کیا ہے۔ شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ اس کے اعصاب سست پڑ گئے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ "ہم میں کوئی شکر رنجی نہیں ہوئی۔ ہما خانم کہتی ہیں۔ کہ ایک وجہ سے جو وہ بیان نہیں کرسکتیں۔ انہوں نے شادی کا خیال ترک کر دیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ بھی کہتی ہیں کہ انہیں مجھ سے محبت ہے۔ میں کتنا چاہا کہ اصل واقعہ مجھ سے کہیں۔ مگر بے سود۔ میں عاجز و حیران ہوں۔ سوائے میرے کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ کہ چند دنوں میں مجھ پر کیا کچھ نہیں گذر گیا۔ میں نے اپنی ساری قوت فکر سے اس معاملے میں غور کیا۔ اپنے دل میں ہر اک بات کو سونچا۔ میں تو پھر پھر کے اسی نتیجہ و اعتقاد پر پہنچتا ہوں کہ کسی دوسرے کا ظہور ہو گیا ہے۔ اور اُس کو مجھ پر ترجیح دی جارہی ہے"۔

طلعت خانم میں ایک تشنجی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی نگاہ کسی خیال کا تعاقب کر رہی ہے تھوڑے سے تردد کے بعد اُس نے کہا:۔

مجھے یقین ہے کہ ہما کی نظر میں سوائے تمہارے اور کوئی نہیں۔ تمہیں غلط فہمی

ہو گئی ہے؟"

منوچہر۔"خدا کرے میں غلط فہمی ہی میں مبتلا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو آپ کی رائے کیا ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

طلعت خانم کے سادہ ضمیر نے کوئی ترکیب اور کوئی راہ نہ سوجھائی۔ اس نے خیال کیا۔ کہ بہتر یہی ہے کہ ساری حقیقت منوچہر کو من وعن سنا دے شاید وہ اس معمے کو حل کر سکے۔ بہت نیچی آواز سے کہنے لگی۔"میں جو کچھ بات کہوں گی۔ وہ تم سے باہر نہ جائے۔ کہیں ہما کو معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کی بات تم سے کہہ دی۔ تو وہ مجھ سے خفا ہو جائے گی۔ اور میں رنج سے مر جاؤنگی مگر کیا کروں۔ میں چاہتی ہوں وہ جس بلا میں گرفتار ہے اُس سے اُسے نجات دوں؟"

منوچہر۔ (مضطربا) خانم ہما جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ آپ جو کہیں گی وہ میرے ہونٹوں سے باہر نہ آئے گا۔ للہ جلد بتایئے معاملہ کیا ہے؟"

طلعت خانم۔ لازم تو یہی تھا کہ سب سے پہلے میں اس بارے میں حسن علی خاں سے گفتگو کرتی۔ مگر چار روز سے وہ ہمارے ہاں آئے ہی نہیں۔ ایک دفعہ ان کے گھر گئی تھی۔ وہ گھر پر نہ تھے۔ معلوم ہوا وزارت مالیہ میں جاتے ہیں۔ آج کہ جمعہ ہے اول تمہارے ہی پاس آئی۔ بہر صورت بات یہ ہے کہ ہما نے مجھ سے کہا ہے۔ کہ اگر وہ شادی کرے تو حسن علی خاں کو اس سے رنج ہوگا اسے خوف ہے کہ اُس سے وہ خوش نہ ہوگا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ وہ اس باپ اور بھائی کی جگہ ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ جو بھلائیاں کی ہیں وہ بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مگر ہما کا یہ کہنا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر وہ شادی کرے تو حسن علی خاں اسے گوارا نہ کر سکے گا

حسن علی جانتا ہے کہ تم طہران میں ہی رہو گے۔ کہیں اور جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اور اسے اس بات کی بہت آرزو ہے۔ کہ ہما کو ایک اچھا شوہر نصیب ہو۔ اور چند روز پیشتر وہ نہایت خوشی خوشی یہ کہتا تھا۔ کہ تمہارے متعلق اس نے اچھی رائیں سنی ہیں۔"

منوچہر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس غیر معلوم رقیب کے خلاف جو اس کے دل میں کینہ بھرا ہوا تھا۔ وہ بھڑک اٹھا۔ ناکام عاشق تمام عناصر و موجودات کو اپنا رقیب تصور کرتا ہے۔ بالخصوص اگر صحیح یا غلط کوئی شخص اس کا ہدفِ تیر گمان ہو جائے۔ منوچہر کا بدن کانپ رہا ہے۔ وہ اپنے دانتوں سے اپنے نیچے کے ہونٹ کو کاٹ رہا ہے اور کہہ رہا ہے :" اب سمجھا وہ میرے خط کا جواب بھی سارا تباہ کن تھا۔ لعنت ہے اس دو پایہ جانور انسان پر جو بغیر اجر و معاوضہ کے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اگر اس شخص نے تمہاری مدد کی تھی تو اس فاسد ارادہ سے تھی۔ سمجھتا تھا۔ کہ اسے حق حاصل ہے۔ لیکن اظہار آرزو کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اب جب دیکھا۔ کہ موقع خطرناک ہے اور ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ تو اپنے برے ارادہ کو ظاہر کرتا ہے۔ میں سمجھا اور خوب سمجھا۔ یہ لوگ جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے خوبصورت نقش و نگار والے سانپوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان سے ڈرنا چاہئیے یہ کمبخت نہیں سوچتا کہ اس کی عمر ہما سے دگنی ہے۔ اس کے دل میں ایک ذرہ برابر رحم نہیں۔ اس بیچاری لڑکی کی مسرت اور خوش بختی کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کیسا چالاک ہے۔ کہ باوجود تمام عزم و ارادہ کے اور باوجود اس محبت کے جو ہما کو مجھ سے ہے

ہما کو راستہ سے ٹھکا رہا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میرے لئے ہما ساری دنیا کو چھوڑ دے گی۔ اور اس میں اسقدر قوت ارادی مجھے نظر آتی تھی۔ کہ میں خیال کرتا تھا کہ عناصر بھی اسے میری محبت سے ہٹا نہیں سکتے۔ اصل یہ ہے کہ یہ شخص گردن زدنی ہے۔ شیطان ہے جسنے انسان کی صورت اختیار کر لی ہے"

اگر طلعت خانم نہ روکتی تو یہ سلسلہ شکایت بہت دراز ہوجاتا مگر اس نے کہا۔ حسن علیخاں کی نسبت ایسا گمان نہ کرو۔ مجھے یقین ہے تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ میں ابھی اس کے گھر جاتی ہوں۔ اور اس ساری مشکل کو حل کرتی ہوں۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ ہما کا خیال غلط ہے۔"

منوچہر (مایوسی سے تبسم کیا تھا) "آپ ہر شخص کو اپنی ہی طرح نیک اور صاف دل سمجھتی ہیں۔ آپ خیال کرتی ہیں کہ حسن علی خاں آپ سے اصل حقیقت کو بیان کر دے گا۔ وہ ظاہرا طور پر کہیگا کہ ہرگز ایسا نہیں۔ اور شدت سے انکار کریگا۔ لیکن باطن میں اپنے ناپاک ارادہ سے ہاتھ نہ اٹھائیگا۔ ہما اس کے لئے ایک ایسا شکار نہیں کہ پھر اس کے چنگل میں آجائے" اس کے بعد تھوڑی دیر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ گویا اسے اس مشکل کے حل کرنیکی راہ نظر آگئی۔ وہ ایکدم خوش ہوکر جلد جلد کہنے لگا۔ اچھا اب حسن علی خاں کو سوچنے کے مہلت دینا چاہئیے۔ اور اس خواب سے جگانا نہ چاہئیے۔ ورنہ کام خراب ہو جائے گا۔ آپ اس سے کچھ نہ کہئے۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ میں انشاءاللہ ٹھیک کر دونگا

میرے خیال میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ہما کی نظر میں اس شخص کو روسیاہ کرنا چاہیئے۔ میں ہما کو میں پہچانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر کسی شخص کے متعلق اسے بے شرافتی کا گمان بھی ہوگا۔ تو اپنے تئیں اس سے دور رکھے گی۔ میں اس کی خیانت ہما پر ظاہر کرونگا کہ وہ اسے اچھی طرح پہچان لے۔ اور اپنے تئیں بلا میں گرفتار نہ کرے

طلعت خانم۔ (بھڑک کر) میں نہیں سمجھتی آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں اس کی روادار نہیں ہو سکتی کہ حسن علی خاں کو کوئی سوئی تک چبھوئے۔ تمہارا اگر ایسا خیال ہے ......"

منوچہر گھبرا گیا۔ اور اسے معلوم ہو گیا کہ طلعت خانم اس کی رازدار نہیں ہو سکتی۔ کہنے لگا "نہیں میرا کوئی ارادہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہما خانم کو سمجھاؤں کہ یہ آدمی۔ ...."

طلعت خانم قطع کلام کر کے بولی "تمہیں چاہیئے کہ ہما کو سمجھاؤ کہ اس کا خیال غلط ہے۔ اور حسن علی خاں کو اس کی شادی میں مطلق اعتراض نہیں" لیکن منوچہر کے اصرار پر اس نے وعدہ کیا۔ کہ اس بارے میں حسن علی خاں سے وہ کوئی گفتگو نہ کرے گی۔ اور یہ اطمینان خاطر کہ انشاءاللہ اب کام ہملا ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنے گھر لوٹی۔

(۱۲)

حسن علی خاں چند روز سے وزارت مالیہ میں جا رہا ہے۔ اور اسے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ اپنے دوست کے گھر جائے۔ اور ان لوگوں سے ملاقات کرے۔ عدیم الفرصتی کا عذر اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے اسنے پیدا کر رکھا تھا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اسے ہما کے دیدار کی تاب نہ تھی۔ وہ

ہما چند روز میں ہی ایک دنیا ئے حسن و لطافت کو اس دوسرے کو بخش دیگی اس کے کان رقیب کا نام سننا نہ چاہتے تھے۔ اور ہما کی شادی کی تیاریاں اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کفن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ لیکن اسکا دل ہما سے ملنے کی آرزو کر رہا تھا۔ اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے برسوں سے ہما کو نہیں دیکھا ہے۔ آخر جب صبر نہ کر سکا تو اس سے ملنے کیلئے روانہ ہوا جمعہ کا دن تھا اور اسکو بی عذر اسکے پاس نہیں کہ وہ اس کے حضور میں نہ پہنچے۔ مگر وہ ایسا گھبرایا ہوا ہے۔ مثل اس طالب علم کے جو سینچر کے روز مکتب کو جاتا ہے۔ رکتا ہوا اور سوچتا ہوا معشوقہ کے گھر تک پہنچا۔ طلعت خانم گھر پر نہ تھی۔ منوچہر خاں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ جب حسن علی خاں نے اپنے تئیں ہما کے پاس تنہا پایا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس قصور وار لڑکے کی طرح جو اپنے استاد کے سامنے کھڑا ہو وہ پریشان و مضطرب تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اپنی مدافعت کے لئے کسطرح گفتگو شروع کرے۔

ہما نے اس کی پریشانی و اضطراب کو دیکھا۔ اس شخص کی طرح جسے اپنی بزرگی اور تفوق پر بھروسہ ہو۔ اور جو اپنے سے چھوٹے کی پریشان حالی کو دیکھ کر از راہ شفقت و ترحم اس کے سر پر ہاتھ پھیرے۔ وہ اسکے پاس گئی اور حسن علی خاں کو سلام کر کے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حسن علی خاں کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ پر آگ رکھ دی گئی۔ وہ کانپنے لگا۔

یہ حرکت مختصر لڑکی کے ہونٹوں کا اس کے ہاتھ سے چھو جانا کیا اثر کر گیا؟ اس کے افق خیال سے سیاہ بادل چھٹ گئے دنیا کی شکل اس کی نظروں میں بدل گئی۔ آفتاب کی روشنی پھیل گئی۔ آہ! دنیا کیسی بہشت ہے زندگی کس قدر پرلذت ہے عمر کس قدر قیمتی ہے۔ بشرطیکہ معشوق کے دل

کو ہم سے لگاؤ ہو۔ مگر یہ مزید از خواب چند لمحوں سے زیادہ نہ رہا۔ اسے یاد آگیا کہ ہما دوسرے کو چاہ رہی ہے۔ اور جلد کسی کے گھر کو رشک فردوس کر دیگی اس وقت اس کے دل کا کیا حال ہوگا۔

ہما نے حسن علی خاں کے خیالات کے ان تغیرات کو اس کی آنکھوں میں پڑھ لیا اس نے دیکھا کہ اس کی طاقتِ برداشت ختم ہو چکی ہے۔ اور اس نے ان تاثرات کا بوجھ اس پر اور زیادہ ڈالنا نہ چاہا۔ اور فوراً ہنستے ہوئے خوشی کے لہجہ میں کہا۔

"بھائی جان! میں شادی نہیں کروں گی"۔

یہ آواز! ایسا معلوم ہوا گویا عالم بالا سے آئی۔ دونوں ڈرے۔ اور دونوں میں سے ایک نے بھی اس آواز پر یقین نہ کیا۔ اس حملہ ناگہانی کا لشکر عشق نے مقابلہ کیا۔ اور پھر پوری شدت کے ساتھ ہما پر یورش کی اور اسے مغلوب اور اپنے کہے پر پشیمان کیا۔ ادھر حسن علی خاں کو ایسا محسوس ہوا۔ کہ ایک مجرم کی طرح اس کے گلے میں جو رسی اس کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ اس سے خلاصی کا مژدہ اسے ملا۔ لیکن اسی مجرم کی طرح جسے اس اچانک مژدہ سے اتنی قوت نہ رہے کہ وہ اپنے گلے کی رسی ہٹا سکے۔ شدتِ تاثر سے وہ اپنی جگہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

تھوڑی سی خاموشی کے بعد حسن علی خاں نے۔ دل میں خوش مگر بظاہر غیر متاثر طریقے سے کہا۔

"کیا منوچہر سے کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے۔ کچھ پروا نہیں۔ وہ نہیں تو اور سہی رنج کی کوئی بات نہیں لیکن جہانتک میں نے تحقیق کیا ہے۔ منوچہر ہر جہت سے ایک قابل نوجوان ہے۔ خاصکر اس لئے کہ تمہیں بھی پسند ہے۔ اگر ذرا سی کدورت

ہو گئی ہے۔ تو وہ رفع کی جا سکتی ہے"۔

ہما کا خیال کہیں اور ہی تھا۔ اس فقرے کے اثر سے جو اس کی زبان سے نکل گیا تھا۔ وہ نڈھال تھی۔ رخساروں کا رنگ، اور آنکھوں کی چمک اڑ گئی تھی۔ اس نے ناامیدی کی آواز سے کہا۔ ہاں بھائی جان، میں منوچہر سے شادی نہ کروں گی"۔ مگر یہ کہتے وقت اس کا دل خون ہو رہا ہے۔ اور وہ اپنے دل میں کہہ رہی ہے۔" آہ بیچارے منوچہر۔ میرا بدبخت منوچہر۔

حسن علی خاں۔ پیاری لڑکی تمہاری رائے، میرے لئے مقدس ہے۔ مگر مجھے بتاؤ کہ ایسا ارادہ کس وجہ سے کیا"۔

ہما کی عادت جھوٹ اور دوروئی کی نہ تھی۔ وہ اپنی تربیت کی بنا پر ایک راست رو اور نڈر رہتی تھی۔ جس صفت کی اس کو تلقین کی گئی تھی۔ اور جو اس کی فطری خوبیوں کے قریب ترین تھی۔ وہ شفقت و نیکوکاری تھی۔

اس نے اگرچہ ارادہ کیا ہے کہ اس تہیہ کی علت غائی کو اس سے پوشیدہ رکھے گی۔ لیکن سچائی کی عادت نے ایک بالکل مصنوعی بات کہنے سے اسے روکا۔ اور اس نے جواب دیا۔

"میں اگر شوہر کو لوں گی۔ تو جتنا چاہئے اُتنا آپ کی خدمت میں حاضر نہ رہوں گی۔ اس وجہ سے میں نے اس خیال کو اپنے دل سے بالکل نکالدیا۔ میرا مقصد ہے کہ اپنی تمام عمر تحصیل علم اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے وقف کردوں۔ امید ہے کہ اس میں آپ میری مدد فرمائیں گے۔

حسن علی خاں نے بے اختیار ہو کر ہما کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔

" ہما جان" یہ عزم رہبانیت قابل تقدیس ہے۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ تم تمام عمر اپنی بہنوں کی تعلیم میں صرف کرنا چاہتی ہو۔ مگر میں اس خیال کی

تائید نہیں کر سکتا۔ کہ تمہاری ساری عمر حرمان و ناکامی کا رنگ لئے ہوئے ہو۔"

ہما۔ (سوچ کر) "آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ کہ متمدن ممالک میں بہت سی صاحبِ جمال و صاحبِ مال لڑکیاں شوہرداری کی زحمت کو چھوڑ کر اپنی زندگی بھلائی اور خیر کے کاموں میں صرف کرتی ہیں۔ اور مجھے اس کا احساس ہے کہ اس فداکاری سے انہیں کس قدر لذّت حاصل ہوتی ہے۔"

حسن علی خاں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ یہ تسلی کہ معشوقہ کو رقیب سے تعلق نہ ہوگا۔ کتنی بڑی تسلی ہے۔ اگرچہ اپنا ہاتھ دامن محبوب تک نہ پہنچ سکے۔ شاید عشق کی آگ جب کسی کو جلا رہی ہو تو وہ مرگ محبوب سی بھی آرزو کرتا ہے۔ تاکہ محبوب رقیب کے چنگل سے بچ سکے۔

حسن علی خاں نے کہا۔ "تم جادو ہو، تمہارے مقابلہ میں میری قوت استدلال و مداعفت ہیچ ہے۔ تم اپنے دعوی کو ہمیشہ ثابت کر دیتی ہو۔ اس پر بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ زمانہ خود تم پر اپنا اثر کرے گا۔ اور ان ناتجربہ کاری کے خیالات کو تم سے ہٹا دیگا۔ فی الحال میں تمہاری رائے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔"

ہما۔ "میں اپنی خوش بختی اسی میں سمجھتی ہوں کہ آپ کو خوش رکھوں۔"

حسن علی خاں۔ "تمہیں معلوم ہے رقیہ بیمار ہے؟ تمہیں اس کی احوال پرسی کیلئے جانا چاہیئے۔"

چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ ہما مریضہ کو دیکھنے جائے۔ حسن علی خاں کی تازہ مشغولیت کا بھی ذکر رہا۔ حسن علی خاں تعجب کرتا کہ جب وہ اس خیرخواہ دوست کا ذکر کرتا تھا۔ جس نے اپنے تئیں چھپا رکھا ہے، تو ہما ہنستی تھی اور کہتی تھی۔ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ اگر وہ دوست ہے تو

اسے یہی لازم ہے کہ اپنے تئیں چھپائے رکھے۔ تاکہ آپ کا کندھا بار احسان سے ہلکا رہے۔ بھلائی کی لذت اسے خفیہ رکھنے ہی میں ہے۔ اس شخص کو جو خوشی اپنے پوشیدہ رکھنے میں حاصل ہو رہی ہے وہ لطف آپ پر کھلم کھلا احسان کرنے میں نہ آتا۔ آپ خود کہا کرتے ہیں کہ احسان کا بوجھ بھاری ہوتا ہے۔ اور ہر شخص حتی الامکان اسے اپنے شانے پر نہیں اٹھانا چاہتا۔"

حسن علی خاں: "تمہارا کہنا صحیح ہے۔ مگر میرا دل بہت چاہتا ہے۔ کہ میں اس آدمی کو دیکھوں۔ اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دوں۔"

ہما: "ممکن ہے وہ کسی دن آپ کو مل جائے۔ ناامید نہ ہونا چاہئیے۔"

تھوڑی دیر اور ادہر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد حسن علیخاں خوش خوش اپنے گھر لوٹا۔ اور یہ قرار پایا کہ بعد ظہر ہما اسکی بیوی کو دیکھنے جائیگی۔

(۱۴)
راستے میں

اس لڑکے کی مانند جس کی کل آرزو چڑیا پکڑنے کی ہو اور چڑیا اس کے ہاتھ آگئی ہو۔ یا سکندر اعظم کی مانند جو تیسری دفعہ دارا کو شکست دیکر پورے ایران کو رومال کی طرح اپنے ہاتھ میں لئے دبا رہا ہے۔ حسن علی خاں جام سرور سے سرشار تھا۔ آفتاب کی طرف دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ ان چڑیوں سے مذاق کر رہا تھا۔ جو ڈالیوں پر بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔ کوچہ کے در و دیوار اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ اس کی روح غرور کامیابی سے وجد کر رہی تھی اپنے تئیں ساری دنیا کا مالک سمجھ رہا تھا۔ اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ مگر ہما کی محبت کی شراب سے سرمست تھا۔ مگر افسوس یہ مغالطہ دیر تک نہ رہا آہستہ آہستہ وہ دل خوش کن حالات اور وہ جلوہ ہائے خیال حقیقت

کے سامنے اس طرح محو ہو گئے۔ جس طرح دھواں ہوا سے غائب ہو جاتا ہے وہ سوچتا تھا۔ اس کام کا کیا نتیجہ ہوگا؟ بالفرض میں اپنی خود پرستی سے اس کے اس ارادہ کی تائید بھی کروں۔ اور وہ کچھ مدت کیلئے شوہر نہ کرے اور اس محرومیت کو اپنے لئے گوارا کرے۔ آخر کار نیچر کا زبردست ہاتھ اپنے حکم کی اطاعت کرنے پر مجبور کریگا۔ منوچہر نہ ہو کوئی دوسرا ہوگا۔ میری یہ خود پرستی ہما کو بدبخت کرے گی۔ ان شرائط سے اس کا طالب پیدا ہونا غیر ممکن سا ہے۔ ہما جو میری زندگانی کی مقصود ہے۔ اگر میں حقیقت میں اسے دوست رکھتا ہوں۔ تو مجھے لازم ہے کہ میں اپنی عمر اور اپنی خوشی اس کی مسرت پر قربان کر دوں۔ ورنہ میری عاشقی سب جھوٹی ہے۔ اور میں پست فطرت اور بے ناموس ہوں۔ مجھے لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو میں ہما کو اس خیال سے باز رکھوں۔ لیکن آہ' فریاد ہے۔ احساسِ فرض سے۔ اور فریاد ہے وجدان ظلم کی۔ یہ بھی کونسا احساس وجدان ہے۔ کہ جس کی پابندی کا نتیجہ سوائے ہماری ناکامی اور بدبختی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ کاش یہ ہوتا کہ تمام افراد میں یہ قوت ایک ہی نوع پر حکمرانی کرتی ہوتی تو دنیا کی برائیاں اور دنیا کے گناہ بند ہو جاتے۔ مگر افسوس کہ یہ حاکم جو نظر نہیں آتا اور جسکا نام ہم لوگوں نے وجدان رکھ چھوڑا ہے۔ وہ ہر شخص کی روحیات اور ہر وقت کی مقتضیات کے مطابق مختلف حکم دیتا رہتا ہے۔ وجدان بھی عقل انسانی کی طرح بے اساس اور غیر قابلِ اعتماد ہے۔

حسن علی خان کے خیالات کے افق کو سیاہ بادلوں نے پھر تاریک کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہوئی تھی پھر غائب ہو گئی۔ وہ اپنا سر جھکائے آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اپنے خیالات مبہم کے سوا اسے کچھ

نظر نہ آتا تھا۔ اور اپنے نالۂ دل کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

(۱۴)
حسن علی خاں کے گھر میں

رقیہ خانم کو بیماری کے جراثیم پر بالکل اعتقاد نہیں۔ اوبلا ہوا پانی جو اسکا شوہر پیتا ہے وہ ہرگز نہیں پیتی۔ ان باتوں پر ہنستی ہے۔ اور ان مزخرفات کے ایجاد کرنے والوں پر لعنت بھیجتی ہے۔ حوض کا پانی جو نہر سے لاکر جمع کر دیا گیا ہو۔ پاک اور عمدہ ہے۔ میاں کے اختلاف عقائد نے دونوں کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے اور دونوں تقریباً علیحدہ زندگی گذارتے ہیں۔ چند دنوں سے وہ چیچک میں مبتلا ہے۔ اور اس کا حال ہر روز بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ حکیم کی دوا نہیں پیتی اور ان دواؤں کی کثافتوں سے اپنے کو علیحدہ رکھتی ہے۔

ہما اور ہما کی ماں آکر اس کی تیمارداری میں مشغول ہیں۔ حسن علیخاں ہر روز دفتر جاتا ہے۔ اور دن وہاں گذارتا ہے۔ ہما بیکاری کے اوقات کو کبھی سونچنے کبھی رونے اور کبھی کتاب پڑھنے میں کاٹتی ہے۔ شام کو دونوں ایک جگہ بیٹھ کے باتیں کرتے ہیں۔ حسن علی خاں نے دو ایک مرتبہ منوچہر کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن ہما کو اس نام کے سننے کی طاقت نہ تھی۔ اور اس نے اس سے تمنا کی کہ اس بارے میں کچھ نہ کہے۔

دو دن سے ہما کی تلاش کے باوجود حسن علی خاں کی ڈائری اسے نہ ملی تین دن تک وہ حسن علی خاں کی حرکات کی نگرانی کرتی رہی۔ آخر اسے پتہ چل گیا۔ کہ وہ ڈائری کس الماری میں بند ہے۔ اور اس کی کنجی کہاں چھپا کر رکھی جاتی ہے۔ اس کی آرزو تھی کہ معلوم کرے کہ وہ آج کل کس خیال و فکر

میں ہے۔ اور اس کے موجودہ احساسات و جذبات کیا ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حسن علی خاں صرف اس روزنامچہ سے اپنا درد دل کہتا ہے۔
چوتھے روز حسن علی خاں کے گھر سے باہر جاتے ہی وہ روزنامچہ نکال لائی اور بہ شوق انگلیوں سے جلد جلد اس نے آخری صفحہ کھولا۔
لکھا تھا :۔

روز۔۔۔۔۔۔

رنج وغم کا وہ مہیب سیلاب جو میرے دل میں جاری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نوکِ قلم سے اُسے کاغذ پہ لے آؤں یہ غیر متعین کیفیات جن سے کہ میری روح مبتلائے ابہام ہے۔ چاہتا ہوں کہ اس پہ محاکمہ کروں اور انھیں حل کروں۔ ان تغیرات کا اندازہ کروں اور معلوم کروں کہ میرے دماغ میں یہ ہیجان اور یہ بیقراری کس وجہ سے ہے۔
نہیں جانتا کہ میں کہاں سے شروع کروں اور کیا لکھوں۔ میں گویا دریا کے کنارے کھڑا ہوں تاکہ امواج پرپیچ کا تجزیہ کروں۔ اور انہیں علیحدہ علیحدہ گنوں۔ اور وہ کیوں آتی جاتی ہیں۔ اس کا سبب دریافت کروں کہ آنکھ کی ایک جھپک میں ہوا نے پانی کی صورت بدل دی۔ میرا دریائے دل طوفان غم سے زیر و زبر ہو رہا ہے۔
وہ۔۔۔۔۔۔۔۔ یعنی جس کی وجہ سے میں زندہ ہوں کیوں ؟۔
جارہی ہے۔۔۔ کہاں ؟ میرا رشتۂ حیات اس سے کیوں وابستہ ہے؟
میں کیوں یہ خیال کرتا ہوں کہ زندگی کی تمام اہمیت اسی کے وجود کے ساتھ ہے۔ اگر وہ نہیں تو خوشی نہیں۔ زندگی نہیں۔ دنیا نہیں۔۔۔۔۔۔
"ہاں حقیقت یہی ہے۔ میں بے فائدہ بحث میں مبتلا ہوں۔ کہیں

منطق سے حقایق کے زور کو گھٹایا جا سکتا ہے۔ کم سے کم' اس خشک منطق سے اپنے رنج کی لذت کو کم نہ کروں۔ کون گرفتار موہومات نہیں؟ میں تمام عمر ہزاروں موہوم خواہشوں اور آرزوؤں میں مبتلا رہا۔ مگر کسی آرزو یا خواہش نے مجھ پر ایسا قبضہ نہیں کیا۔ اور نہ میں ان کا اتنا دلدادہ رہا میں اب سمجھا۔ صرف عشق انسان میں فطرتی ہے۔ باقی تمام عشق مصنوعی۔ یہ کونسی مصیبت ہے۔ جس کی لذت میری ہستی کو جلائے ڈال رہی ہے۔ نہایت جائے نعمت ہے۔ اور اگر مصیبت ہے تو اس سے نجات پانے کی میں کیوں آرزو نہیں کرتا۔ اپنی تمام زندگی میں مجھے کسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا جس سے میں نے اس قدر لذت حاصل کی ہو۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری شمع حیات بجائے اس کے کہ مردہ دلوں کی محفل میں آہستہ آہستہ گھلے۔ عشاق کی مجلس کی گرمی میں تیزی سے جل کر تمام ہو جائے گی۔ اس طرح سے تمام ہونا کتنا اچھا ہے۔ ہاں وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ میری جان ہے۔ وہ دوسرے کی آغوش میں جا رہی ہے یعنی دوسرا میری جان لے رہا ہے۔

یہ حالت بھی عجیب حالت ہے۔ کیا دنیا میں کوئی دوسرا بھی کبھی اس درد میں مبتلا ہوا ہے۔ اگر ہوا ہے تو اسی قدر کرب میں رہا ہے؟ ممکن ہے لیکن ہر شخص ایک خاص حد تک متاثر ہوتا ہے۔ مجھے تو یقین ہے کہ میری طرح کوئی نہ تڑپا ہوگا۔ اگرچہ ہر عاشق یہی ادعا کرتا ہے۔ اور شاید اس ادعا میں وہ حق بجانب بھی ہوتا ہے۔

موت! ابھی نہ آ۔ گو میری زندگی حرمان ہی حرمان ہے۔ پھر بھی مجھے کچھ دنوں اور زندہ رہنے دے۔ تاکہ اس آتش سوزاں میں کچھ

اور جلوؤں اور اس کا لطف اٹھاؤں۔

یہ تغیر حال مجھ میں کب سے پیدا ہوا ہے؟ میں نہیں کہہ سکتا۔ دن اور رات کا فرق اب مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ تمنا' یہ آرزو مجھ میں کب سے پیدا ہوئی۔ میں اس بچے کی طرح ہوں۔ جس نے ایک بادشاہ کو دیکھا ہے۔ اور وہ اس تاج کی جو بادشاہ پہنے ہوئے ہے آرزو کرتا ہے۔ یہ آرزو کیسی بیجا آرزو ہے"۔

ہما نے چند مرتبہ ڈائری کی اس تحریر کو پڑھا۔ اور وہ حسن علیخاں کی۔ منوچہر کی اور اپنی بیچارگی و بیکسی پر روئی۔

(۱۵)
اعترافِ عشق

رات حسن علی خاں اور ہما کرسیوں پہ بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ حسن علی خاں نے آہستہ آہستہ اور مناسب طریق سلسلۂ گفتگو ہما کی شادی کے مسئلہ سے ملا دیا ہے۔ اور کہنے لگا۔

"ہما جان! تمہارا عزم مجھے بہت تکلیف دے رہا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بچوں کا سا یہ خیال تمہارے دل میں کس طرح بیٹھ گیا۔ نوع انسانی اور اپنے وطن کے لئے سب سے بہتر خدمت جو تم کر سکتی ہو کہ اول تم خود زندگی کی خوشی حاصل کرو۔ اور کسی دوسرے کو خوش نصیب کرو۔ اور اس کے بعد اپنے ملک کی خدمت کے لئے قابل اور لائق اولاد تیار کرو۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے ملک کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی کوشش جاری رکھ سکتی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ منوچہر ایسا آدمی نہیں۔ جو تمہاری ان کوششوں میں رکاوٹ پیدا کرے۔

ہما نے جواب نہ دیا بلکہ ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ اس خاموشی کو اس نے اس کی رضامندی پر محمول کیا۔ اور اپنی رائے کی تائید میں بہت کچھ کہا۔ لیکن جسقدر اس کا اطمینان اس پر ہوتا کہ ہما اس کی رائے مان لیگی۔ اتنی ہی اس کے دل کی دھڑکن زیادہ تیز ہو جاتی۔ اور اسکی زبان لڑکھڑاتی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہما اس کی نصیحت قبول کرے اور نہیں بھی چاہتا تھا۔ دونوں طرف چند منٹ تک سکوت رہا اس کے بعد حسن علی خاں نے کہا۔

"ہما جان کیوں بات نہیں کرتیں اور جواب نہیں دیتیں"

ہما کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو ملا کر اور آگے بڑھا کر اور زمین پر آنکھیں گاڑ کر کہا:۔

"میری خوشی اسی میں ہے۔ کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں۔ میرے سب کچھ آپ ہی ہیں۔ مجھے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں"

حسن علی خاں ان فقروں کے اثر سے دو ایک سکنڈ سکتے کی طرح بے حرکت ہو گیا۔ پھر اپنے تئیں جھٹکا دیا۔ تو اسے اطمینان ہوا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا۔ آہستہ سے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس نے ہما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور زمین پر گھٹنے ٹیک کے کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے سر کو ہما کے دامن پر رکھ کے رونے لگا۔ آنسو کے قطرے اس کے چہرے سے ڈھلک رہے تھے۔ ہما اس کے سر کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

چند منٹ اس حال میں گذرے۔ بالآخر حسن علی خاں نے اپنا سر اٹھایا۔ اور کہا۔

"مجھے اب اپنی زندگی سے کوئی اور آرزو نہیں۔ کیا اچھا ہو کہ

میں ابھی جان دیدوں"۔

"ہما نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ کے اور اسے کرسی بٹھا کے کہا۔ للٰلہ ایسی باتیں نہ کیجئے۔

حسن علی خاں (آہ بھر کر) میں صحیح کہتا ہوں۔ میرا زندہ رہنا ہم دونوں کیلئے باعث تکلیف ہے۔ میں کس طرح تمہاری نازنین زندگی کو اپنی ہستی کیساتھ پابند کروں۔ تم مجھ سے پندرہ برس چھوٹی ہو۔ تم جوانی کی طرف جارہی ہو۔ میں بڑھاپے کی طرف۔ میں کس طرح یہ ظلم تم پر کر سکتا ہوں۔ میں اس گناہ کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ مجھ میں یہ آرزو ضرور پیدا ہوئی کہ تم میرے ساتھ رہو۔ اور اسی وجہ سے میں اپنے تئیں قصوروار اور قابل تعزیر خیال کرتا ہوں میں نہیں جانتا کیا ہوا جس وقت تمہارے بیاہ کا سوال درپیش ہوا اُس وقت میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ اور باوجودیکہ میں نے ہزار کوشش کی مگر میں اس شرم انگیز خیال کو اپنے دل سے نکال نہ سکا۔ مگر میں آرزو کے حصول سے کسقدر دور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں آسمان کے کسی ستارے کو حاصل کرنیکی آرزو کر رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کس کرب سے یہ دن گذارے ہیں۔ مگر اسوقت کی خوشی نے وہ سب بھلا دیا"۔

ہما۔ (مسکرا کر) میں نے یہ چند دن اسقدر فکر اور سوچ میں گذارے ہیں کہ میں عمر میں پندرہ برس بڑھ گئی۔ مجھ میں اور آپ میں اب عمر کا فرق نہیں رہا

حسن علی خاں۔ (سوچ کر) ہما جان؛ سچ کہو۔ کیا تم نے ان دنوں میری حالت سے کچھ استنباط کیا تھا۔ افسوس افسوس! تو یوں کہئے میری حرکات و رفتار ایسی تھیں کہ تم میرے خیالات سمجھ گئیں۔ میں کس قدر ذلیل و پست ہوں۔ بات یہ ہے کہ تمہارا دل مجھ پر ترس کھا رہا ہے۔ اور تم اپنے تئیں

قربان کر رہی ہو۔ نہیں نہیں میری عزیز ہما۔ اگر ہم میں سے کسی ہستی کو قربان ہونا چاہیئے تو وہ میں ہوں۔ حیف ہے کہ تمہارا وجود لطیف و نازک مبتلائے رنج والم ہو۔ تمہارے لئے ابھی فداکاری کا زمانہ نہیں۔ کیا تم نے مجھے ایسا پست فطرت اور خود پسند سمجھ رکھا ہے۔ کیا تم خیال کرتی تھیں کہ میں دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی پر فدا کر دونگا۔ یہ جائیکہ تم جیسی نازنین کو تنہا جس پر میری زندگی کا دارومدار ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں کسقدر چاہتا ہوں۔ اس کا ذکر ہی کبھی نہ آیا۔ اور میرے ہاتھ سے کوئی ایسا کام بھی ابتک نہو سکا۔ جس سے تمہیں میری محبت کا اندازہ ہو سکتا۔

ہما۔ "آپ کی خوشی مجھے خوش بخت کرے گی۔"

حسن علی خاں۔ میری خوشی یہی ہیکہ تم خوش رہو۔ اور اگرچہ تم نہیں سمجھ رہی ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی کی راحت اور خوشی اسی میں ہے کہ تمہاری شادی منوچہر سے ہو جو تمہیں پسند بھی ہے۔ اور تم سے مناسبت عمری بھی رکھتا ہے۔ اور ہر طرح پر موزوں اور آراستہ جوان ہے۔ میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہ بولوگی۔ بتاؤ منوچہر کو نہیں چاہتیں۔

ہما۔ (آہ بھر کر دہیمی آواز سے) چاہتی ہوں۔

حسن علی خاں کو ایسا معلوم ہوا کہ چھت اس پر گر پڑی۔ اسے اس بات کا یقین تھا۔ کہ ہما کی زبان سے سنکر اس پر ایک اور ہی اثر ہوا۔ کہنے لگا۔

"تو تم یہ چاہتی ہو کہ میں اور تم دونوں بدبخت ہوں۔ نہیں نہیں مجھے دو۔ کم سے کم یہی ہو کہ میں تمہاری خوشی سے خوش ہوں۔"

ہما۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے۔ اور اپنے ارادے سے منحرف نہوں گی منوچہر جلد کوئی دوسری تلاش کر لیگا۔ مگر

حسن علی خاں ۔ (بات کاٹ کے) فرض کرو کہ میں اس پر آمادہ بھی ہو گیا۔ کہ تمہارے وجود عزیز کو اپنے اوپر قربان کر دوں۔ لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ میری ایک بیوی ہے۔ اور میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا۔ اس معاملہ میں ہمارے تمہارے جو مباحثات رہے ہیں۔ ان کے بعد کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اپنے اصول اخلاقی کے خلاف اختیار کروں گا۔

کیا تم اس شخص کی عزت کرو گی جو دو بیویاں رکھے۔ اور ایسے آدمی کے ساتھ زناشوئی کے تعلقات تم اطمینان کے ساتھ رکھ سکتی ہو۔ میں مانتا ہوں کہ رقیہ تمام عمر میرے لئے بلائے جان ہو کر ہی رہی۔ لیکن اس میں اس کا قصور نہیں۔ لازم تو یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے۔ مگر میں نے اس کی بیکسی پر رحم کھایا۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ میں دوسری عورت کروں۔ یہ تو ایسا ہی ہوگا۔ کہ میری بیوی کوئی دوسرا شوہر بھی کر لے۔ وہ بھی انسان ہے۔ اس کے بھی احساسات ہیں۔ اسے کیسا رنج ہوگا۔ آیا تم اس بے رحمی کی مجھے اجازت دو گی۔ رقیہ خانم کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جو شخص دوسری عورت کرتا ہے اُسے اپنی پہلی عورت کی عفت کے بارے میں کیا اطمینان رہ سکتا ہے۔ اور دوسری عورت بھی ایسے شخص پر کیا اعتبار کر سکتی ہے کہ وہ وفادار رہیگا۔ وہ بھی اپنے آئندہ کا فکر کرتے گی۔ لہذا اول ہم ہی کو چاہیئے کہ جس اصول کو ہم نے خود قبول کیا ہے۔ اس پر پابند رہیں۔

ہما۔ سر اٹھا کر) آپنے سچ کہا میں اس نکتے کو بھول گئی تھی مگر بہرحال میں شوہر نکروں گی اور ہمیشہ آپکے ساتھ رہونگی۔ حسن علی خاں۔ "تم فرشتہ ہو خدا نے تم سے بہتر کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ مجھے اجازت دو۔ تمہارے ہاتھ کو بوسہ دوں۔

(۱۶)
منوچہر خاں کے تجارت کے کمرے

منوچہر بے صبری کے ساتھ اپنے کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ دروازہ کھلا اور ایک شیخ ہانپتا کانپتا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ تھکا ماندہ گرد میں اٹا ہوا ہے۔ اس کی عینک کے شیشے چہرے سے چپک گئے ہیں۔ اور ان پہ پسینے کے قطرے پڑے ہوئے ہیں۔

"پرسوں سے اسوقت تک تمہاری خاطر برابر دوڑ رہا ہوں۔

منوچہر خاں۔ (بیتابی سے) نتیجہ کیا ہوا۔؟

شیخ نے مسکرا کر نہایت اطمینان سے کہا:۔ "آخر تم کیا چاہتے تھے جس کام میں ہاتھ ڈالوں گا۔ وہ بے نتیجہ تھوڑا ہی رہے گا"

منوچہر۔ (بھوؤں کو سکیڑ کے) "بہت خوب، مگر کہو تو نتیجہ کیا ہوا۔ ایک ہاں یا نہیں ہی کافی ہے۔"

شیخ نے کندھے سے عبا اتار کے آدھی کرسی پر اور آدھی زمین پر ڈال دی اور کہنے لگا۔

"محمد تقی کو حکم دو۔ جلدی سے ایک پیالہ لسی میرے لئے لائے۔ پیاس سے مرا جا رہا ہوں۔ تمہیں ایسی بے صبری کیا ہے۔ بیٹھو تو۔ لیکن تمہاری جان کی قسم۔ کام نہایت مشکل تھا۔ ان ظالموں سے مجھے اتنا زیادہ کہنا پڑا کہ خشکی سے میری زبان پر کانٹے پڑ گئے۔"

ان کو حرکت دینا کس قدر مشکل تھا۔ اس مدبر "نغرہ ملت" کے بھی کیا ناز و نخرے تھے۔ کہنے لگا۔ "اخبار سلک کے خیالات کو منور کرنے کا آلہ ہے۔

اخبار سوسائٹی کو اخلاق کی تعلیم و تربیت کرتا ہے" کیا بتاؤں وہ کیا دون کی لیتا تھا۔ گویا اس کی رائے میں قوم کے جسم میں جو بیماری کے جراثیم ہیں۔ انہیں اڈیٹر کی شعلہ بیانی جلا کے محو کرتی ہے۔ غرض کہ ایسی بہت سی باتیں کیں جن کو آدمی پر رعب گھٹے اور خوف پیدا ہو۔ کہنے لگا کہ اخبار قوم کو درس اخلاق دیتا ہے۔ ملک و ملت کو اسے اپنا رہبر بنانا چاہیئے۔

بہتان و افترا بدترین کام ہے۔ کسی کی عزت لینا، اسے مار ڈالنے سے زیادہ برا ہے۔ جب تک الزام ثابت نہ ہو قلم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ بلکہ اگر کسی کی بد دیانتی اور خیانت ثابت بھی ہو جائے تو اہل کرم و اہل اخلاق اسے دوسروں کی نظر سے چھپاتے ہیں۔ اور صرف بد دیانت شخص کی تنبیہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں اسلئے کہ ممکن ہے کہ مجرم شخص اپنے کئے پر پشیمان ہو اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر سلے۔ لیکن جب اس کی عزت چلی گئی تو اس کی طبیعت میں سوسائٹی کے خلاف ایک جذبۂ انتقام پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسے اپنے برے کاموں پر ہٹ ہو جاتی ہے کیوں کہ وہ دیکھتا ہے کہ اب ندامت اور پشیمانی بے فائدہ ہے۔ سوسائٹی کا ایک دشمن بڑھ جاتا ہے اور حلقہ انسانیت سے ایک شخص خارج ہو جاتا ہے۔"

اڈیٹر صاحب کے یہی الفاظ تھے۔ میرے حافظہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا ہے۔ ذرا ٹھیرو۔ میں خود ایک اخبار جاری کرونگا۔ اور خود اس میں ایسی ہی دون کی لونگا۔ پھر دیکھنا انشاء اللہ تمہاری تائید میں کیا کچھ لکھوں گا۔ تمہاری جان کی قسم، تم ممبر پارلیمنٹ منتخب ہو جاؤ گے اگلے ہی انتخاب میں میں اور تم دونوں ممبر ہو جائیں گے۔ ذرا تھیلی کا منہ کھولنا ہو گا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ ممبری کے لئے کتنے ہزار تومان خرچ کرتے ہیں۔ اور ممبر ہو کر ملتا ہے مہینے میں صرف دو سو تومان میری پہلی کوشش یہ ہو گی کہ ممبر کا الاونس دو سو سے پانچسو تومان کر دیا جائے

یقین مانو میری علمی لیاقت بہت سے ممبروں سے زیادہ ہے۔ ممبری کے لئے تاریخی و سیاسی و علمی معلومات کی ضرورت نہیں۔ یہ تمام باتیں خداداد ہوتی ہیں میری اس ٹوپی کے نیچے سیاست بھری ہوئی ہے۔ اسپیکر کی میز پر جاکر وہ دھواں دھار تقریر کروں گا اور وہ دھاڑوں گا کہ باید و شاید۔ کہو گا۔

اے حضرات، اے نمایندگان ملت شش ہزار و سیزدہ سالہ۔

منوچہر نے بے صبر ہو کر کہا "خدا انشاید ہے میں اور زیادہ نہیں سن سکتا ان باتوں کا یہ وقت نہیں۔ خدارا اصلی بات کو تو ختم کرو۔ دیکھوں کیا ہوا؟"

شیخ: "وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ میں نے نعرہ ملت کے اڈیٹر صاحب کو دل بھر کے بکواس کرنے دیا۔ اس کے بعد کہا آپ اطمینان رکھیں یہ مضمون افترا و بہتان نہیں ہے۔ جیسا آپ نے فرمایا۔ ایک تنبیہ ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ بدکار اپنے کاموں پر نادم ہو اور اپنی اصلاح کرے۔ یہ کہہ کر مضمون میں نے ان کے حوالہ کیا۔ اور پچاس تومان کے نوٹ سے ان کی مٹھی بھی گرم کر دی انھوں نے جھٹ سے نقد تو اپنی جیب میں رکھا اور مضمون پر ایک نظر ڈالی۔ اور کہنے لگے۔ آپ صحیح فرماتے ہیں۔ مناسب ہے کل یہ مضمون صفحہ اول پر درج ہوگا۔ آپ کی خاطر میں بھی اڈیٹر کی طرف سے دو ایک سطریں لکھدونگا۔

میں اڈیٹر "نالہ ایرانیاں" کے پاس گیا۔ ان کے چہرے کا رنگ بھوک سے زرد پڑا ہوا تھا۔ اس نے نہ پوچھا کہ مضمون کیا ہے اور کس کے متعلق ہے۔ اسے دس تومان سے زیادہ میں نے نہ دیا۔ بیچارے کی کوئی عزت نہیں۔ اور نعرے والے اڈیٹر کی مانند اس کی دھاک نہیں۔ اور کوئی اس کی طرف رخ بھی نہیں



مقالۂ اخبار

دوسرے دن سویرے ہی غلام رضا خاں جو پرسنل اسسٹنٹ کے دفتر میں کام کرتا تھا نہایت خوش خوش حسن علی خاں کے دفتر کے کمرے میں پہنچا۔ اس کی چال سے فتح و ظفر نمایاں تھی۔ اس نے نعرۂ ملت کا ایک نسخہ حسن علی خاں کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ اس میں ایک مضمون کے کالم کے چاروں طرف سرخ پنسل سے خط کھنچا ہوا تھا۔ تاکہ اس پر نظر پڑے۔ اور اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"اس مضمون کو ملاحظہ فرمائیے۔ آپ ہی کے متعلق ہے۔ جناب کو خیال ہوگا اس روز کہ راستے میں ملاقات ہوئی تھی میں نے کیا عرض کیا تھا۔ آپ نے میرے معروضہ پر اس روز کچھ توجہ نہ فرمائی۔ اور اس خاکسار کی خدمات کو جو پیش کی گئی تھیں۔ کچھ اہمیت نہ دی۔ مگر خیر اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے اب بھی ممکن ہے کہ کل ہی کے اخبار میں اس کے خلاف مضمون چھپوا دوں۔ (اپنا منہ حسن علی خاں کے کان کے پاس لے جا کر دھیمی آواز سے) مگر جناب عالی میری مدد فرمائیں تاکہ میں اور آپ مل کر کام کریں۔ انشاءاللہ آئندہ اس قسم کی باتوں کا مناسب تدارک کر دیا جایا کرے گا۔"

حسن علی خاں نے اخبار اٹھا کر پہلے صفحہ کو پڑھا۔ مضمون یہ تھا۔

"ملک کی انتظامی مشین محکمۂ مال و اقتصادی انتظام کی بدولت چلتی ہے جن حضرات کے ہاتھوں میں حکومت کے نظم و نسق کی باگ ہے۔ ان کی غفلت و بے پروائی کی وجہ سے قریب تھا کہ یہ مشین بے کار ہو جائے۔ مختلف ذاتی منافع اس مشین کو اپنی طرف گھماتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ مشین کا چلنا ہی مشکل ہو گیا

تھا۔ حالت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی۔ اس وقت قوم کی نظریں اضطراب اور امید کے ساتھ حضرت مصلح جناب . . . . . . جدید وزیر مالیہ پر گڑی ہوئی ہیں۔ اور اسے یقین ہے کہ اس کشتی بے سکان کو اگر کوئی بچا سکتا ہے تو انکی ذات عالی ہے۔

مگر افسوس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امید بھی ناامیدی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور قلب ملت پر وہی تاریکی یاس چھا جائے گی۔ کیونکہ وہی پہلا طرز عمل اپنی جگہ پر پھر واپس آ رہا ہے۔ اور بے لیاقت اور بدسلیقہ لوگوں کو پھر کام مل رہا ہے۔ چنانچہ اسی قبیل میں تخفیف اخراجات کا محکمہ ہے جو ابھی قائم ہوا ہے۔ اور یہ طریق پرورش یہ محکمہ ایک بے ننگ و بدعمل آدمی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ نہایت تعجب اور مضحکہ کا مقام ہے کہ اس قسم کا محکمہ ایسے شخص کے ہاتھ میں دیا جائے جس کی بددیانتی اور خیانت اظہر من الشمس ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ آدمی پہلے وزارت مالیہ میں نوکر تھا۔ اور خیانت و بدعملی کیوجہ وہاں سے نکالا گیا تھا۔ ایسے شخص کے ہاتھ میں پھر کام دینا۔ (اور کام بھی ایسا بڑا اور اہم کام) قوم کو اصلاح سے قطعاً ناامید کر دینا ہے۔

آقائے وزیر ! من انچہ شرط صلاح است با تو می گویم۔

باقی اب آپ جانیں' اس صلاح کو قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں۔

ایک وطن دوست

ہمارے پاس بھی اس شخص کے بارے میں خاص اطلاعات پہنچی ہیں انشاءاللہ اگلے نمبر میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جائیں گی۔ اڈیٹر نعرہ ملت

حسن علی خاں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے اپنے اوپر پورا اطمینان ہے کہ میں کیسا ہوں۔ بے ننگ وہ شخص ہے

جس نے یہ مزخرفات لکھے ہیں۔ اگر ملک و ملت میں انصاف ہے۔ اگر سوسائٹی شرافت کی عزت کرتی ہے تو یقیناً اس کی حمایت اور حفاظت کے لئے اس نے کوئی قانون وضع کیا ہوگا۔ اور اس مضمون کا لکھنے والا اپنے کیفر کردار کو پہنچیگا

غلام رضا خاں (مسکرا کر) کیا عرض کروں، شاید جناب اس ملک کے باشندے نہیں اور یہاں کے حالات سے باخبر نہیں۔

حسن علی خاں نے جواب نہ دیا۔ اور اخبار ہاتھ میں لیکر نہایت تیزی کے ساتھ وزیر مالیہ کے کمرے کی طرف چلا۔

(۱۷)

وزیر کے کمرے میں

وزیر صاحب کو مضمون اخبار کی پہلے سے خبر تھی۔ حسن علی خاں کی آشفتہ حالت سے کہ ہاتھ میں اخبار کانپ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ گالیوں نے اپنا اثر کیا ہے۔ قبل اس کے کہ حسن علی کچھ کہے۔ اس نے کہا:-

"معلوم ہوتا ہے نعرہ ملت کے مقالہ شیریں سے آپ بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اور آپ کا اس قدر متاثر ہونا کوئی جائے تعجب نہیں۔ کیونکہ پہلی دفعہ آپ کو گالیاں کھانے کا موقع ملا ہے۔ مناسب حکومت کی خرابیوں میں سے یہ بھی ایک ہے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد ہی آپ اس کے ایسے عادی ہو جائیں گے کہ یہ بالکل طبعی اور ضروری معلوم ہونے لگیں گی۔ حسن علی خاں متحیر تھا۔ کہ آج سب نے اس کی مخالفت پر کمر باندھ لی ہے۔

حسن علی ۔ (سخت اور قطعی لہجے میں) مجھے اپنی شرافت پر بھروسہ ہے۔ لیکن لکھنے والے کو سزا ملنی چاہیئے۔ وہ قانوناً مجرم ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ

اس مضمون میں جناب عالی کی بھی توہین کی گئی ہے ۔ میری استدعا ہے کہ لکھنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کئے جانے کے احکامات صادر فرمائے جائیں ۔

وزیر ۔ اس مشکل کا حل یہی ہے کہ اس واقعہ کو آپ بالکل بھول جائیں ۔ یہ سمجھئے کہ ہوا ہی نہیں ۔ اور یہ خیال کیجئے کہ یہ تمام دشنام ایک حسن علی خاں نامی شخص کو دی گئی ہیں ۔ جو کہ تامریخ کی وزارت مالیہ میں نوکر ہے ۔

حسن علی خاں ۔ (چیں بجبیں ہو کر) میں جناب سے اجازت کا طالب ہوں کہ میں خود اس پر دعوی کروں ۔

وزیر ۔ (سوچ کر) میں چاہتا ہوں آج شب کو آپ میرے گھر تشریف لائیں ساڑھے آٹھ اور نو کے درمیان آئیے گا ۔ میں نے ایک خاص فائل اس قسم کی یادگار چیزوں کی تیار کی ہے ۔ وہ میں آپ کے سپرد کروں گا ۔ اگرچہ ان تمام پر از دشنام مضامین کا پڑھنا جو میرے متعلق لکھے گئے ہیں کئی دن کا کام ہے ۔ لیکن یہ تکلیف اٹھانے کے قابل ہے ۔ ان مضامین کے پڑھنے کے بعد اگر پھر بھی آپ کی رائے ہوئی اور آپ کا دل چاہا تو عدالت میں دعویٰ دایر کیجئے گا ۔ میں منع نہیں کرتا ۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ اس جھگڑے میں نہ پڑیں گے اس ملک میں کون ہے جو اخبارات کی گالیوں سے بچ سکا ہے ۔ بہت سے تو اس کو پسند اور اپنی شہرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ اگر شرف و عزت کی کوئی قیمت ہوتی تو ان حملوں سے انہیں گزند نہ پہنچایا جاتا ۔ اور سخت قوانین ان کے محافظ ہوتے ۔

مگر یہاں تو نہ لکھنے والا ۔ نہ پڑھنے والا ۔ نہ سننے والا نہ کہنے والا ۔ ان کو کچھ اہمیت دیتا ہے ۔ آپ جانتے ہیں کہ یورپ میں اگر کوئی شخص قتل یا

کوئی اور سنگین جرم کرتا ہے تو اس کے تمام خاندان کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انکی عزت پر دھبہ لگا۔ اور اپنی سکونت اور اپنا نام بدل ڈالتے ہیں۔ برخلاف اسکے یہاں قاتل قتل کر کے بھی بدنام نہیں ہوتا۔ صرف شرط یہ ہے کہ صاحب دولت و صاحب اثر ہو۔ اس ملک میں صرف دو چیزوں کی پرستش ہوتی ہے۔ مال و مقام۔ اس کے اعمال ماضی و حال جو کچھ ہوں ہوں" بہرحال آج شب آپ میرے گھر تشریف لائیں تو اس مبحث پر اور باتیں ہوں گی۔

(۱۸)

حسن علی خاں کے گھر میں

حسن علی خاں جب دوپہر کو اپنے گھر کھانا کھانے کے لئے آیا تو چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ ہما نے اس کو محسوس کیا اور اس سے اس کا سبب پوچھا۔ حسن علی خان نے سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ ہما متفکر ہو کر خاموش ہو گئی۔

حسن علی خاں۔ تہمت بے اثر نہیں رہتی جو لوگ مجھ سے واقف نہیں وہ ضرور یقین کر لیں گے۔ اور آپس میں کہیں گے کہ تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔ ور جو مجھے پہچانتے ہیں ان کے خیالات بھی مشکوک ہو جائیں گے۔ شاید سب سے زیادہ سچا اور پاک دل بھی۔ . . . . . "

ہما نے اسکے فقرے کو ختم نہ ہونے دیا اور کہا " جس شخص نے یہ مزخرفات لکھے ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو وہ کون ہے۔ کاش میں اس کے دماغ میں ایک ریوالور کی گولی بٹھا دیتی۔ مگر نہیں میں آدم کش نہیں ہوں۔ میں صرف ایک نگاہ حقارت اس پر ڈالتی۔ یہ دنیا بھی عجیب دنیا ہے۔ اس قسم کے آدمی بھی

ہم سب آدمیوں کی طرح لباس پہنتے ہیں اور سوسائٹی میں ہر جگہ شریک ہوتے ہیں۔ سب لوگ ان سے باتیں کرتے ہیں۔ ملاقاتیں کرتے ہیں اور ان سے ڈرتے نہیں اگر میں کسی ملک و قوم کی حاکمہ ہوتی تو میں تہمت و ہتک عزت کو جرائم کی فہرست میں سب سے اول رکھتی۔ اور جو شخص اس جرم کا مرتکب ہوتا اس پر ہرگز رحم نہ کرتی۔

حسن علی خاں کی طبیعت جو وزیر مالیہ کے اظہار رائے اور بیانات سے بھی متسلی نہ ہوئی تھی۔ ہما کی باتوں سے اسے تسکین حاصل ہوئی اور اس نے کہا:

"ہما جان، تم نے میری روح کو غم سے نجات دی۔ میرے لئے تمہاری محبت پادشاہ کی حمایت سے دلنواز تر ہے۔ تمام دنیا میرے خلاف ہو، اور تم میری طرف ہو تو مجھے کوئی غم نہیں۔"

(۱۹)

رقیہ خانم

رقیہ خانم کی حالت نہایت خراب ہوگئی۔ قریب غروب آفتاب کے طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے دوا نہ دی۔ اس کی رائے میں اب دوا بیکار تھی۔

تمام رات حسن علی خاں اور طلعت خانم اور ہما نے جاگ کر مریضہ کے کمرے میں گذاری۔ رقیہ تمام رات بیہوش رہی۔ اس کے منہ سے ایک بات نہ نکلی۔ صبح کے قریب اس نے تمام رنج و غم سے ہمیشہ کے لئے خلاصی پائی۔

حسن علی خاں کے رونے سے تمام لوگ متاثر ہو کر رو رہے تھے۔ وہ کہتا تھا۔

"میں اس کی روح سے شرمندہ ہوں۔ میں نے اس کے مزاج کے موافق رفتار نہ کی۔ اور وہ ہمیشہ مجھ سے آزردہ رہی۔ سارا قصور میری ہی خود پسند

طبیعت کا ہے۔ جو ہمیشہ اپنے ہی افکار و خیالات کی پابند رہی"

(۲۰)

پھر اخبارات

ایک مہینے کے بعد ایک روز حسن علی خاں نے ہما سے ہنسکر کہا: "اخبارات نے ابتک میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ لیکن اب ان کی تحریریں مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتیں اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ان تحریروں کے ذریعہ سے حساس ترین اشخاص کا جذبۂ شرافت سرد اور انھیں بے خجالت کیا جاسکتا ہے۔ یہانتک کہ ایک دن خود یہ لوگ مفتری اور مرتکب جرم ہو سکتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں لوگ ایک دوسرے کو گالی دینا اختیار کرلیں تو جذبۂ شرافت و اخلاق کہ اطمینان افراد اسی سے قائم اور ارتقاء ملت اسی جذبہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ افراد سے غائب ہو جائے اور سوسائٹی کی وہ حالت ہو جائے جو ہماری سوسائٹی کی ہے"

لیکن ہما اس تقریر کو ٹھیک نہیں سن رہی تھی۔ اس کے حواس کسی دوسری ہی طرف تھے۔ حسن علی خاں نے یہ دیکھ کر کہا: "ہما جان میں کئی دن سے تمہیں بہت متفکر دیکھ رہا ہوں۔ تم کس فکر میں مبتلا ہو۔ میں تمہارے فکر کی ٹوہ میں رہتا ہوں۔ میرا خیال تمہارے ہی چاروں طرف رہتا ہے۔ جب تک کہ میں اپنے متعلق سوچتا ہوں۔

شاید تمہیں تعجب ہو گا کہ میں اب اس بات کا کیوں ذکر نہیں کرتا۔ چونکہ مجھے سچ کہنا ہے۔ اس لئے میں اقرار کرتا ہوں کہ میں آج کے دن تک اپنے سے لڑائی لڑ رہا تھا۔ آج میں نے اپنی طبیعت کو مغلوب کیا۔ اور عقل کو غالب۔ بلکہ یوں کہوں تو غلط نہ ہوگا۔ کہ عشق غالب ہوا۔ اس لئے کہ آج میں اس پر

پوری طرح آمادہ ہوں کہ اپنے تئیں محبوب پر قربان کر دوں۔ اب مجھ میں کوئی شائبہ تردد نہیں۔ ہاں، ہما جان، شاید تم منتظر ہوگی کہ میں یہ کہوں کی بیچاری رقیہ اب نہیں رہی اور میں اب آزاد ہوں اور پوری طرح خوش بخت ہونے کے لئے اب کوئی مانع نہیں اور لازم ہے کہ میں تمہیں حالت تذبذب سے نجات دوں لیکن نہیں۔ ہما جان یوں نہیں ہے۔ یہ ظاہری خوش بختی ہمیشہ ہمیشہ کی بدبختی ہوگی۔ میری بدبختی تو کوئی چیز نہیں۔ مگر تم بدبخت ہو۔ اور وہ بھی میرے ہاتھوں! یہ ممکن نہیں۔ سودابہ کی موت میرے لئے اس قسم کی کامیابی سے زیادہ شیریں ہے۔ میری عزیزہ ہما! تم اپنا دل دوسرے کو دے چکی ہو۔ اور اب عشق کو فرض پر قربان کرنا چاہتی ہو۔ تاکہ تمام عمر تمہاری شکنجۂ عذاب میں مبتلا رہے۔ ذرا تو سوچو، مجھ پر کہ میری خوشی تمہاری خوشی سے وابستہ ہے کیا گذرے گی۔ تم عذاب میں اور میں شرمندگی سے گویا جہنم میں رہونگا تمہارا دل اگر آزاد ہوتا تو بھی اک بات تھی۔ اس علم کے باوجود کہ میں تمہارے دل میں اپنا عشق پیدا نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری محبت اور دوستی ہی پر قناعت کرتا لیکن اس اعتماد کے بعد......"

ہما۔ "آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ مجھے کس قدر عزیز ہیں۔"

حسن علی خاں۔ (ایک آہ بھر کر) کیوں نہیں اندازہ کر سکتا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی مقیاس کے ذریعہ سے احساسات کا اندازہ و وزن کیا جا سکے تو میں بلاخوف تردید کہہ سکتا کہ تمہیں منوچہر سے جتنا عشق ہے۔ اس سے سوگنا تم مجھے دوست رکھتی ہو۔ لیکن پھر بھی بہت فرق ہے۔ عشق کا ایک ذرہ، دوستی پر ہزار گنا بھاری ہے۔ عشق، ہمارے تمام احساسات پہ غالب ہے۔ اور اگر ہم جبر اور زور کے ذریعہ سے ایک لمحہ کے لئے اس پہ غالب بھی آ جائیں تو اس کے بعد اس کا حملہ

ہم پر اور زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ پیشتر کی نسبت اور زیادہ ہم کو اپنا اسیر کر لیتا ہے۔ تم چاہتی ہو کہ تم عشق کو مردہ کر دو۔ لیکن اگر دوسری مرتبہ اس نے تم پر حملہ کر کے تمہیں مغلوب کیا تو تم پر کیا گذرے گی۔ عشق، مرور ایام یا معشوق کی بے پروائی سے مر سکتا ہے۔ لیکن یہاں ان دو سببوں میں سے ایک سبب بھی موجود نہیں۔

دو شخص جو ایک دوسرے کے شریک عمر رہنا چاہیں۔ اور زندگی کی لذتوں کو اس اشتراک سے حاصل کرنا چاہیں۔ اگر عشق کی زنجیر انھیں ایک دوسرے سے وابستہ نہ کرے۔ تو دنیا کا کوئی رابطہ انہیں نہیں باندھ سکتا۔ حقیقی زناشوئی یعنی دو ایسے انسانوں کی زندگی متحد، جو ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں۔ صورت بالا کے علاوہ محض ایک تجارتی لین دین رہ جاتی ہے۔ کہ اس کا نتیجہ ایک ضرر روحی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ دل ایک دوسرے سے بندھے ہونے چاہئیں۔ میری پیاری ہما! اگر جان دے کر یہ ممکن ہوتا کہ میں تمہارے دل کو حاصل کر لیتا تو میں ایک لمحہ کا پس و پیش نہ کرتا۔ لیکن دل بیچا نہیں جا سکتا۔

ہما کے آنسوؤں نے اس کے دامن کو بھگو دیا۔ حسن علی خاں نے اسکے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر انھیں بوسہ دیا اور کہا:۔

"اگر تم اپنے بھائی کو دوست رکھتی ہو۔ تو جو میں کہوں اُسے مانو تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔"

ہما۔ (دھیمی اور لرزتی ہوئی آواز سے) آپ غلطی پر ہیں۔ میں اسے بھول جاؤنگی میں نہیں چاہتی کہ آپ کو رنج پہونچے۔ اس زندگی سے میرے لئے مرنا بہتر ہے کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ میں کس مصیبت میں ہوں۔"

حسن علی خاں نے دیکھا کہ اس کی بنائے استقامت متزلزل ہونیکو ہے قریب ہے کہ عشق اس کی چشم عقل کو اندھا کردے۔ وہ اٹھا اور کہنے لگا۔

"ہما جان۔ میں جانتا ہوں کہ تم کس رنج و عذاب میں مبتلا ہو۔ اور تمہارے دل میں احساسات متضاد کی کیسی جنگ جاری ہے۔ اس مشکل کا حل مجھ پر چھوڑ دو۔ ہمارا یہ قرار ہونا چاہئیے کہ ایک ہفتہ تک اس معاملے میں ایک دوسرے سے گفتگو نہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ میں نجات کا اک راستہ ڈھونڈ نکالوں گا۔ انشاء اللہ تم بھی اس کو پسند کروگی۔

ہما۔ بشرطیکہ آپ بھی اس سے راضی اور خوش ہوں۔

۳۱

منوچہر خاں کا گھر

جمعہ کا دن ہے۔ گذشتہ گفتگو کو چھ دن ہو چکے ہیں۔ منوچہر افسردہ حالت میں کرسی پر بیٹھا ہوا باغ کے پھولوں پر اس طرح نظر ڈال رہا ہے گویا انہیں دیکھ نہیں رہا۔

جب نوکر نے کہا۔ "ایک شخص حسن علی خاں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔" تو وہ کرسی سے ایکدم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا اور سانس تیز تیز چلنے لگا۔ اس نام کے سنتے ہی اس کے مخیلہ میں سینکڑوں خیالات کا ہجوم ہوا۔ جو ایک دوسرے کو ریلتے ہوئے سے چلے گئے۔ اس نے نوکر سے کہا "بلا لو"۔

اس نے چاہا کہ استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن کینے کا جذبہ مانع رہا اس نے چاہا کہ شرمندگی کی وجہ سے وہاں سے بھاگ جائے۔ لیکن پاؤں نے یاری نہ کی۔ وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ کیا کرے کہ حسن علی خاں نے قریب پہنچکر اسے سلام کیا منوچہر نے سرد مہری سے سلام کا جواب دیا اور کہا "کہئیے کیا حکم؟"

حسن علی خاں نے ابتک منوچہر کو دیکھا نہ تھا۔ اس کے قامت موزوں اور دلکش چہرے پر جب اس کی نظر پڑی۔ تو اس نے ہما کی تصدیق کی۔ اس منوچہر کے غمگین چہرے سے پہچان لیا کہ عشق نے اس پر بھی چھاپا مارا ہے۔ اس نے اس کے سخت لہجے پر اسے معذور سمجھا۔ اور کہا۔ "کسی تمہید کو میں ضرور نہیں سمجھتا۔ میں یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ ہما خانم سے ملنے کیوں نہیں آ ... دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اور میں نے ... بی بی ہما

دیدی ہے۔ اب کوئی مانع نہیں۔"
یہ کہنے کو تو وہ کہہ گیا تھا۔ لیکن اسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی تمام قوت سلب کر لی گئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے مغز کے ایک کونے میں ساری قوتیں جمع ہو کر آ گئی تھیں۔ اور اس کے اس فقرے نے ان سب کو بیکار کر دیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا ہے اور اس کے اعصاب سست ہیں۔ منوچہر نے اس باز کی طرح جو کبوتر پر نظر ڈالے اسے غور سے دیکھ کر کہا:۔
" ان تمام باتوں کا مطلب کیا ہے۔ کونسا نیا جال بنا گیا ہے۔ دونوں کی بدبختی کے سوا اور کیا چاہتے ہو۔ آہ! میں سمجھا تم انتقام لینا چاہتے ہو۔ تمہیں اس کا حق حاصل ہے۔ میں تمہارے ساتھ چال چلا۔ تم بھی چال چلنا چاہتے ہو۔ قصور میرا ہی ہے۔ اگر میں نے مردانگی سے کام لیا ہوتا۔ تو اس وقت مجھے حق حاصل ہوتا کہ تمہاری باتوں کا جواب پستول کی گولی سے دوں۔
حسن علی خاں نے کرسی پر بیٹھ کر اور سر نیچا کر کے تھوڑی دیر تک سوچا اسے یقین ہو گیا کہ منوچہر کے دماغ میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اس کے دل میں امید کی ایک چمک بجلی کی چمک کی طرح پیدا ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ اگر منوچہر دیوانہ ہو گیا ہے تو اسے ہما کے شوہر ہونے کا حق حاصل نہیں رہا۔ ہما کا عشق مرور ایام سے ختم ہو جائے گا۔ کیا حسن اتفاق ہے۔ بغیر اس کے کہ میری کوئی تقصیر ہو۔ یا میرے اوپر کوئی ذمہ داری ہو۔ مقصد حاصل ہو گیا۔
مگر دو ایک لمحے سے زیادہ نہ گذرے ہوں گے کہ ناامیدی کی تاریکی اس پر پھر چھا گئی۔ ایک اور خیال اس کے دل میں گذرا اور اس نے سوچا:۔
" ہما نے سارا واقعہ منوچہر سے بیان کر دیا ہے اور اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری خاطر اپنے عشق سے قطع نظر کرے گی۔ اس وجہ سے یہ بیچارہ مجھے اپنی بدبختی

کا باعث سمجھ رہا ہے۔ اور چونکہ ایک تندمزاج جوان ہے اسے اپنے احساسات پر قابو نہیں۔ اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہے۔ کسی کے عشق کے ساتھ کھیل نہیں کھیلا جا سکتا۔"

ان خیالات کے دل میں آنے کے بعد اس نے کشادہ پیشانی مگر ایک غمگین تبسم کے ساتھ سر اٹھا کر کہا:۔" چونکہ میں تمہارے حال سے واقف ہوں۔ اس لئے میں تمہارے نامناسب الفاظ کو قبول کرتا ہوں میں ان سے رنجیدہ نہیں ہوا۔ مگر تمہیں سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں جانِ ہما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری عشق و زندگی میں حائل نہیں ہوا اور نہ ہوں۔ اور میں بہ اصرار کہتا ہوں کہ تم دونوں جو ہر طرح موزوں ہو ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرو (منوچہر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) تم بھی میرے عزیز بیٹے ہو جاؤ گے۔"

منوچہر کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ اک خواب سے بیدار ہوا۔ اُسنے رومال سے ٹھنڈے پسینے کو جو اس کی پیشانی پر آگیا تھا۔ پونچھ کے اور اپنی آنکھیں حسن علی خاں کے کندھے پر گاڑ کر دھیمی مگر ملتمسانہ آواز سے کہا:" آپ جلیل القدر آدمی ہیں۔ میں نے آپ کے بلند پایہ اخلاق کی نسبت سنا تھا لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا۔ میں پست و حقیر ہوں عشق نے مجھے گمراہ کر دیا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ عشق کیسی بلا ہے۔ اس نے مجھ میں عقل و وجدان سب کا خاتمہ کر دیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کیا کیا۔ لیکن اب کہ میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میں اپنی خطا کی خوفناک شکل سے ڈر رہا ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ کی شرافت میری ناسزا باتوں سے داغدار نہیں ہوتی۔ لیکن اس سے پہلے میں بھی ایک صاحب اخلاق و شرافت آدمی تھا۔ اور اس کے نکات کو سمجھتا ہوں۔ آپ میرے جرم کا ذکر اس لئے نہیں کرتے کہ میں شرمندہ نہ ہوں۔"

حسن علی خاں بے اختیار ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ اس کی نظر میں درندگی اور رہا سہا جرم کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اور اس نے کہا "تو یہ کارِ بد تمہارا کیا ہوا ہے۔ مجھے خبر نہ تھی۔ اگر کوئی اور کہتا تو میں یقین نہ کرتا تم بے ایمان ہو۔ تم میں شرافت نہیں۔"

اس وقت منوچہر سمجھا کہ حسن علی خاں اس کی کارروائی سے بے خبر تھا اب اس نے اپنی وضعیت کو خطرے میں پایا۔ روتی ہوئی آواز سے اس نے کہا "بیشک میں گنہگار ہوں، خطاوار ہوں۔ لیکن آپ بڑے ہیں مجھے معاف فرمائیں عشق نے مجھے اندھا اور بہرا کر دیا تھا اور میری تمام قوتیں سلب کر لی تھیں مجھے معاف کر دیجئے۔ میں آپ کو ہما کی جان کی قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔"

ہما کے نام نے حسن علی خاں کے دل کو پگھلا دیا۔ اس کے زخم کی سوزش میں کمی آ گئی اور اس نے اپنے اوپر قابو پا لیا۔ اور ایک لمحہ کی فکر کے بعد کہا۔

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب مجھ میں تمہاری طرف سے کوئی بغض نہیں رہا لیکن مشکل یہ ہے کہ اب میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ تم ہما خانم کے شوہر بنو۔ اصلی عشق روح کو نجیب اور دل کو مہربان کر دیتا ہے۔ جو شخص راستی کا دوست ہے۔ وہ ہر چیز میں اپنے محبوب کی شکل دیکھتا ہے۔ اور کسی کو اذیت نہیں پہنچا سکتا۔ اس کا دل دوستی و محبت سے بھرا رہتا ہے۔ اور اسکے دل میں بغض و کینہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مگر تم متمدن انسان نہیں ہو۔ میں متمدن انسان اسے کہتا ہوں جو اپنے لئے ایک مقام اور ایک شخصیت معین کر لیتا ہے اور اپنے رفتار و کردار میں ایک محکم اصول کا پابند رہتا ہے۔ لوگوں کی شرافت و ناموس کا تحفظ و احترام و ادب اپنا پہلا فرض خیال کرتا ہے۔ کسی کی ہتک

عزت (اور وہ بھی جھوٹ و بہتان کے ذریعے سے) ایک ایسا جرم ہے جو میرے نزدیک قتل سے بھی زیادہ خوفناک اور زیادہ قابل نفرین ہے۔ اگر تم کھلم کھلا میری جان لینے کی کوشش کرتے تو میں تمہیں معذور سمجھتا۔ لیکن تمہارا یہ طریقہ عمل قابل چشم پوشی نہیں۔ اور تمہاری شرافت کو محو کر دیتا ہے۔ جس شخص میں شرافت ہے۔ اسے نہ عشق نہ مال اور جان کا خوف اس سے غیر شریفانہ کام کرا سکتا ہے۔ دولت و مرتبہ یہانتک کہ عشق بھی اگر بے شرافتی اور پستی نفس کے ذریعہ سے خریدا جائے تو وہ پرکاہ کے برابر قیمت نہیں رکھتا تمہارا یہ عذر کہ عشق نے تمہیں اندھا اور بہرا کر دیا تھا۔ قابل قبول نہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ تم متمدن انسان نہیں۔ اور تم ہما کے شوہر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔" یہ کہکر وہ دروازے کی طرف روانہ ہوا۔ منوچہر ایک سکتے کی حالت میں یہ سب سن رہا تھا۔ اسے جب ہوش آیا تو حسن علی خاں دروازے سے نکل رہا تھا۔ وہ دوڑا اور اس نے حسن علی خاں کے بازو پکڑ کے اسے روکا اور کہا۔ "میری ایک عرض سن لیجئے پھر چلے جائیگا۔" حسن علی خاں کے متوجہ ہونے پر منوچہر نے کہا۔ "میں ایک بے بس آدمی ہوں' آپ اپنی نظر التفات مجھ سے پھیر نہ لیجئے۔ اگر آپ مجھے بالکل معاف نہیں کر دیتے۔ تو بہتر۔ جا ئیے میں خودکشی کر لوں گا۔ مگر امید ہے کہ آپ ایک آدمی کے قتل پر راضی نہونگے ہما خانم کا واسطہ' مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ جو فرمائیں گے میں وہ کرونگا یہ صحیح ہے کہ میں اس کی ہمسری کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اور میں اس کی آرزو بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن میں عفو کا طالب ہوں میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ایک باعزت و شریف انسان ہوں گا۔"......

"آپ کو قسم ہے خدا کی' میری بات نہ کاٹیے۔ بڑے لوگ توبہ قبول

کر لیتے ہیں۔ اور میں توبہ کرتا ہوں۔

اس وقت حسن علی خاں کی طبیعت میں ایک سخت کشمکش پیدا ہوئی۔ ایک طرف اس کے دل میں یہ خیال گذرتا تھا کہ منوچہر کی یہ توبہ۔ یہ زاری سب بناوٹی ہے اور اس لئے ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرلے۔ لیکن ساتھ ہی اس کا دل اس خیال کو رد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کی توبہ پر بناوٹی ہونے کا حکم لگانا ایک بے طرف حاکم کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ منوچہر کی رقابت کی وجہ سے ہے اس وقت خود اپنے تئیں مجرم قرار دے کر اپنے کو قابل مواخذہ و سرزنش تصور کرتا تھا اور اپنے دل میں کہتا تھا۔ ابھی میں شرافت کی بحث کررہا تھا۔ کیا خود میں بے شرف و بے انصاف نہیں ہوں۔ نہ، اس پستی اور کمینگی سے تو جل کر تمام ہونا بہتر ہے" اپنا حال دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور اس نے بہ آواز بلند کہا۔

" میں نے معاف کیا۔ لیکن اپنے خدا اور اپنے وجدان کی قسم کھاؤ کہ آئندہ اصول شرافت و نجابت کے خلاف کبھی قدم نہ اٹھاؤ گے۔

منوچہر (خوشی کے ہیجان کے ساتھ) " کیا درست ہے۔ کیا آپنے مجھے معاف کیا؟ میں اپنے خدا اور اپنے وجدان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہر موقع اور ہر حال میں جادۂ شرافت سے منحرف نہ ہونگا۔ اور راستی کے لئے اپنی جان قربان کردوں گا۔"

حسن علی خاں نے اس کے چہرے کو بوسہ دیا اور پھر ذرا رک کے کہا:۔

" اچھا جاؤ، ہما خانم سے ملاقات کرو۔ اور شادی کے انتظامات کرو۔ میں سفر میں جارہا ہوں۔ اور اس کا مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں شادی میں شریک نہ ہوسکوں گا۔ مگر کوئی علاج نہیں۔ میں نوکر ہوں اور نوکری پر جانا

ضروری ہے۔ اور ہاں آج کی باتوں کا ہما سے مطلق ذکر نہ کرنا۔ انشاء اللہ جلد لوٹ کر تم سب سے ملوں گا''

منوچہر: ''مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دوں''

حسن علی خاں جلدی سے گھر سے باہر آیا اور اپنے مکان کی طرف تیز تیز روانہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی تیز رفتاری سے اپنے دل کے اضطراب پہ غالب آئے۔ وہ اپنے خیالات کا تجزیہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تعجب کر رہا تھا کہ وہ کیونکر اپنے تئیں دنیا کی سب سے بڑی نعمت سے محروم کر رہا تھا۔ اس فداکاری پر اسے کونسی چیز مجبور کر رہی تھی۔ وہ کونسا جذبہ تھا جسے پورا کرنے کے لئے وہ زندگی اور خوشی اور امید سب کو قربان کر رہا تھا۔ دل رو رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک غمگین تبسم تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے ضمیر کو راضی کرنے میں کامیاب ہوا۔ لیکن کس طرح ؟ دل کو زخمی اور مجروح کر کے۔

(۲۲)

راستے میں

موٹر کار کی جس وقت آواز آئی۔ حسن علی خاں کانپنے لگا۔ دل دھڑکنے لگا۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آخری بکس بند کر کے وہ گھر سے باہر آیا۔ اس کے بعد اسے معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ قزوین کے راستے پر جا رہا ہے۔ شاہ آباد تک وہ کچھ سوچ نہ سکا۔ اس لئے کہ اسکے خیالات ایک شکل مشخص اختیار نہ کر سکتے تھے۔ جس وقت شوفر ریڈیٹر میں پانی بھرنے کے لئے موٹر سے اترا۔ وہ بھی اترا۔ اور ایک قہوہ خانہ کے پیچھے جا بیٹھا بیابان کے خشک اور غم انگیز منظر میں اس نے ہمدردی پائی۔ گویا اسے ایک

دوست مل گیا ہے۔ جس سے وہ اپنا دردِ دل کہے۔ اس کے گرم آنسو خشک زمین پر گر رہے تھے۔ اس لئے کہ اپنے تئیں تسکین دینے کو اسے زیادہ وقت ملے۔ وہ آبادی سے ذرا دور چلا گیا۔ کبھی چلتا تھا۔ اور کبھی رک جاتا تھا۔ مختلف خیالات جو اپنی معشوقہ کے متعلق مجسم ہو کر اس کے سامنے آ رہے تھے۔ انہیں ناگہاں اس نے دیکھا کہ ہما اپنے ہاتھ منوچہر کی گردن میں حمائل کئے ہوئے ہے اور دونوں کے ہونٹ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ اس کے آنسو رک گئے۔ اور اس کے چہرے میں ایک سختی اور ایک کیفیت تبسم پیدا ہوئی۔ اس نے سوچا۔ "کوئی وجہ نہیں کہ میں اس دوروزہ عمر کو ایک خیال موہوم کی بنا پر بدبختی اور ناکامی میں گذاروں۔ اور وہ خوشی جو میرے لئے ممکن ہے اپنے ہاتھ سے دوسرے کو دیدوں۔ کیا نادانی۔ کیا حماقت ہے۔ اخلاق، وجدان، خدا، سب اجازت دیتے ہیں کہ میں اس لطف و سعادت سے فائدہ اٹھاؤں۔ اور اگر اجازت نہ بھی دیں تو کیا ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ میں بالکل دیوانہ ہوں۔ آئی ہوئی نعمت کو ہاتھ سے دے بیٹھا۔ میرے کس حساب میں درج ہوگا۔ کیا میں دوبارہ دنیا میں زندگی گذارنے آؤں گا۔ ہما دوسرے کو دوست رکھتی ہے۔ اس کا دل کسی اور جگہ ہے۔ بہت اچھا۔ مانا اگر میری کامیابی میں اس سے فرق نہیں آتا۔ اپنے دل میں وہ جو چاہے خیالات رکھے مجھ پر کیا اثر پڑے گا۔ وہ لوگ جو عورت کو خریدتے اور اس کے جذبات روحی اور اس کے دل کے میلان کی ذرا پروا نہیں کرتے وہ کس نقصان میں رہتے ہیں۔ چوزہ کھانا چاہئے یا کھانے سے قبل چوزے کی رضامندی حاصل کرنی چاہئے۔ ہما اپنے عشق کو مجھ پر قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ میں اس سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتا میں یہیں سے لوٹ کر جاؤں گا اور اسے

موٹر میں بٹھا کر لے آؤں گا۔ فوراً مجھے واپس جانا چاہئے۔ میں نے کیا حماقت کی ہے۔ اپنے ہاتھ سے اپنی جان دوسرے کے ہاتھ میں دیدی۔ اور وہ بھی کسے؟ اپنے دشمن کو۔ ایک بے ننگ و ناموس آدمی کو۔ ابھی وقت نہیں گیا فوراً لوٹنا چاہئے"۔ تیز تیز قدم اٹھا کے وہ قہوہ خانہ کے قریب آیا ہی تھا کہ شوفر کے چلّانے کی آواز آئی:۔

"آغا! آپ کیوں تشریف نہیں لاتے۔ دیر ہو رہی ہے۔ اندھیرا ہو جائیگا"
حسن علی خاں، اسکول کی لڑکے کی طرح جو استاد کی ڈانٹ سے ڈرتا ہو سمٹا سمٹایا آکے جلدی سے موٹر پر سوار ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ شوفر سے کہے" طہران کو واپس چلو" مگر گویا خواب میں تھا۔ یہ الفاظ اس کی زبان سے نہ نکل سکے۔

موٹر تیزی کے ساتھ قزوین کے راستے پر پڑ لی۔

(۲۳)

حسن علی خاں کا خط ہما کے نام

ہمشیرہ عزیز از جان۔ مجھے خیال نہ تھا کہ میں اس قدر سہل انگار ہوں نہ مجھے معلوم تھا کہ اس ہرزہ طلب دل کی مجھ پر اس حد تک حکومت ہو گی قریب تھا کہ میں عشق کو ہوس پر قربان کر دوں۔ میں کیسی گہری خندق کے کنارے لڑکھڑا رہا تھا۔ اور کیا لمحات مجھ پر گذر گئے۔

اگر عشق میری مدد نہ کرتا تو میں اس وقت خود مطلبی و خود پسندی کے ناپاک بھنور میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اور ملامتِ ضمیر کے شکنجے میں کہ وہ سب سے بدتر عذاب ہے گرفتار ہوتا۔ مگر میں مرہون عشق ہوں تمہارا

ممنون ہوں۔

ہاں میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھے زندگی کے سب سے بڑے رموز سے آگاہ کیا۔ تمام تظاہرات واعمال بشر کے پس پشت ایک قوۃ محرکہ ہے کہ اگر وہ رک جائے تو ہماری ساری کوششیں بےکار ہو جاتی ہیں۔ پہنائے خیال انسانی میں ایک بہشت ہے جو اغیار سے خالی ہے جہاں ملال وکدورت نہیں۔ اس بہشت تک پہنچنے کی آرزو ہمارے ہر قول وفعل میں جھلک رہی ہے۔ تم نے مجھے زندگی کے اصلی محرک یعنی عشق سے آگاہ کیا۔ اور بہشت مطلوب کا دروازہ میرے لئے کھولدیا میرا مرغ جان اب اسقدر بلندی پر پرواز کر رہا ہے کہ افکار سعدی پر اس کی نگاہیں نیچے پڑتی ہیں۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فلسفہ غلط ہے:۔

"ہر جا کہ عقل خیمہ زند جائے عشق نیست"

عقل عشق کی خدمت گذار ہے نہ کہ اس کی ہم رتبہ۔

عقل کی عزت اس میں ہے کہ وہ عشق کے راستہ میں مشعل بردار ہو۔ اور ہوا و ہوس کی دست برد سے اس کے نازک اور حساس وجود کو محفوظ رکھے۔ عقل سلیم اسی وقت تک عقل سلیم ہے جبتک کہ وہ اپنے گھر کو عشق سے روشن رکھے اور اس کی خدمت میں غلامانہ حاضر رہے۔ جو قلب کی روشنئ عشق اور نگہبانی عقل سے آراستہ نہیں وہ ایک بےسکان کشتی کے مانند ہے۔ وہ حوادث کے طوفان کے تھپیڑے سہتا ہے۔ اور خواہش ہائے نفس کی کوہ شکن موجوں میں گرفتار رہتا ہے۔

ہمشیرہ عزیز۔ اگر تمہاری عنایت سے جسارت حاصل کر کے تمہارے وجودِ نازنین کو اپنی بےشعور طبیعت پہ قربان کر دیتا تو اس وقت لذت کے

عوض در در شرمساری میں مبتلا ہوتا۔ حالانکہ اس وقت میں آسمان ہمت میں پرواز کر رہا ہوں۔ اس وقت پستی نفس کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ یقیناً تم میری ذات اور میری فلاکت پر راضی ہوگی۔

میں اپنے خود پسند وجود کو لیکر بھاگا۔ تاکہ آگ سے دور رہنے سے اس کی سوزش میں کمی ہو۔ جسم اور روح میں فرق یہی ہے کہ تعلقات روحی دوری سے کمزور نہیں ہوتے۔ مگر جسم کی آگ نزدیکی سے گرم اور دوری سے سرد ہو جاتی ہے۔ میں نے منوچہر سے ملاقات کی اور اسے تمہارے پاس بھیجا۔ تم دونوں کو چاہئے کہ پہلے سے زیادہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ میرا دنیا سے تعلق صرف اس قدر ہے کہ میں تمہاری خوشی کی آرزو کروں۔ اس کے سوا نہ میری اب کوئی آرزو ہے اور نہ زندگی میں مجھے کوئی لطف ہے۔ اگر تم مجھے عزیز رکھتی ہو تو تم مجھے اسی طرح خوش رکھ سکتی ہو کہ جتنا ممکن ہو اپنے تئیں خوش کرنے کی کوشش کرو۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ آخر مرتبہ کیوں میں تم سے بغیر ملے ہوئے چلا آیا۔ مجھے خوف تھا کہ تمہارا تیر نگاہ مجھے بیقرار نہ کر دے اپنی عزیز اور مہربان اماں جان سے میرا سلام کہنا اور بہ طریق مناسب اس بات کی معذرت چاہنا کہ میں بغیر ان سے خدا حافظ کہے چلا آیا اور مجھے معاف فرمائیں۔

تمہارا۔ حسن۔

(۲۴)

ہما خانم کے گھر میں

اس کاغذ نے جو جاں گداز اثر ہما کی طبیعت پر کیا۔ اس کو صرف منوچہر کی نگاہ ہی ہلکا کر سکتی تھی۔ اس خط کو پڑھے ہوئے چند منٹ ہی گذرے

ہوں گے۔ کہ منوچہر ہما کے گھر میں آیا۔ ان دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ملیں اور انہوں نے وہ کچھ کہا جسے خیال بھی تشریح نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ انسانی لغات کے گونگے الفاظ ان کا مطلب بیان کر سکیں۔ ان نگاہوں نے درد، ہجر اور عذر خطا دونوں کو ایک ہی ساتھ بیان کر دیا۔ منوچہر کا دل تڑپ رہا تھا۔ ہما کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اور اس کے بدن میں رعشہ تھا۔ منوچہر نے سلام کر کے کہا۔ کہ "اگر میں پھر آیا۔ تو یہ میرا قصور نہیں حسن علی خاں بھائی نے مجھے حکم دیا۔ ورنہ میں اتنی جرات نہ کرتا۔ اب میں ٹھیروں یا چلا جاؤں آپ جو فرمائیں وہ کروں۔" ہما خاموش تھی اور اپنے خیالات میں غرق۔ منوچہر نے نزدیک جا کر ڈرتے ہوئے اور لرزتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور کہا۔ "کہو چلا جاؤں۔ مگر نہیں مجھے یقین ہے کہ تم منوچہر سے ناراض نہیں ہو۔ اور اس روز کی طرح مجھے نکال باہر نکرو گی اُف! وہ بھی کیا دن تھا جس نے میری تمام عمر گذشتہ پر ایک سیاہ پردہ کھینچ دیا۔" اس نے ہما کو ایک صوفے پر بٹھایا اور اس کے پاس خود بھی بیٹھ گیا۔ ہما اس طرح جیسے کسی پر مسمیریزم کر دیا گیا ہو نرم تھی۔ اور اس کی اطاعت کر رہی تھی۔

منوچہر۔ ہما جان کچھ بولو تو۔ تم جو کچھ کہو وہی ٹھیک ہے، تمہیں معلوم ہے کہ ان چند مہینوں میں مجھ پر کیا گذری اور مجھ پر کیا ظلم و ستم ہوا۔ تمام دنیا کی قیمت میرے رنج کا معاوضہ نہیں ہو سکتی۔ مگر ہاں یہ کہ تم مجھ پر نظر ڈالو اور مسکراؤ ہما نے بے اختیار منوچہر پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں تبسم اور مہربانی تھی۔ منوچہر کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ ایک آہ بلند سے اس نے اپنے غم کے بوجھ کو سینے سے ہٹا دیا۔ دونوں ہنسے۔

ہما اپنی اس بھول پر شرمندہ ہو گئی اور اپنا سر نیچے ڈال کر پھر سوچ میں چلی گئی۔ اور اس نے چشم دل سے دیکھا کہ حسن علی خاں بھی حسرت و ناامیدی کے ساتھ اس مجلس پر نظر ڈال رہا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ مگر آنسوؤں کے قطرے اس کے رخساروں سے ڈھلک کر زمین پر گر رہے ہیں۔ ہما نے چاہا کہ اٹھ کے بھاگ جائے۔ مگر اس لوہے کی طرح جو آہن ربا کے پاس ہو وہ منوچہر کے پہلو سے ہٹ نہ سکی۔

منوچہر: "ہما جان کس فکر میں ہو جبکہ اس مرتبہ بھائی جان نے خود اجازت دی ہے۔ اور خود مجھے بھیجا ہے۔ پھر تردد کا کونسا مقام ہے۔"

ہما۔ "مگر بھائی جان نے کب مخالفت کی ہے؟"

منوچہر۔ "میں بدقسمتی سے یہی خیال کرتا تھا۔"

ہما۔ (بگڑ کر) "کس نے یہ کہا اور کس نے یہ جھوٹ جوڑا اسے سوائے میری خوشی کے اور کوئی آرزو نہیں۔ تمہاری اس قدر تعریف کرتے تھے اور مجھے آمادہ کرتے تھے کہ بیچارے نے خود تمہیں بھیجا۔ تمہیں کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ انھیں کس قدر اصرار ہے۔ اگر تمہیں اس کا اندازہ ہوتا تو تم اس غلط خیال سے توبہ کرتے۔

منوچہر کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور اس نے اپنا سر نیچا کر کے دھیمی آواز سے اس طرح گویا وہ خود اپنے دل سے باتیں کر رہا ہے۔ کہا:۔

"میں برا آدمی ہوں۔ خدا شاہد ہے میں بد ہوں۔ اور حسن علی خاں نیک اور بزرگ ہے۔ میں اس کے مقابلے میں پست و حقیر ہوں۔ کس طرح ممکن ہے؟ میں کس طرح تلافی کر سکتا ہوں۔"

ہما۔ "کیسی تلافی؟"

منوچہر جواب نہ دے سکا۔ اور تھوڑی دیر رک کر کہنے لگا:۔

" اسی برے خیال کی تلافی جو میں نے اس کی نسبت کیا "
ہما۔ (سر کو ناامیدانہ حرکت دے کر) میں نہیں جانتی کس طرح تلافی ہو سکتی ہے۔
اس طرح ہما بھی خود اپنے دل سے باتیں کر رہی تھی۔ اور اپنے اندرونی سوال کا جواب دے رہی تھی۔ عشق و ندامت ان دونوں کو چار طرف کھینچ رہے تھے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے اصلی افکار و واقعات سے ناواقف تھے۔ ہما نے پوچھا۔ " تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ حسن علی خاں اچھا آدمی ہے "
منوچہر۔ (کچھ سوچ کر) اس کا معلوم کرنا مشکل نہیں۔ میں نے اول دفعہ آج ان سے ملاقات کی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ خدا نے کوئی مرشد میری ہدایت کے لئے بھیجدیا ہے۔ میرا مرا ہوا دل زندہ ہوگیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ محبت کیا چیز ہے اور شرائط انسانیت کیا ہیں۔ اصل یہ ہے کہ میں نجات کے راستے پر پہنچ گیا۔ اب میری محبت صرف تمہارے لئے ہے۔ اس میں اب میری ذات کو دخل نہیں۔ اب تم جو حکم دوگی وہ کروں گا۔
میں تمہارے احساسات لطیف و نازک کو اب سمجھا ہوں۔ کیونکہ اب میں نے اندازہ کیا ہے کہ اس مرد شریف کے ہاتھوں تمہاری تربیت ہوئی ہے۔
ہما۔ (آہ بھر کر) تم نے اب بھی حسن علی خاں کو نہیں سمجھا ہے۔ وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ واقعات ہیں۔ جو تم نہیں جانتے۔ اس کی عالی ظرفی اور بڑائی میں نے دیکھی ہے۔ کاش یہ ممکن ہوتا کہ میں اس کی خوشی میں کچھ مدد کر سکتی۔ اور جو جو خوبیاں میں نے اس میں دیکھی ہیں۔ ان میں سے ہزار میں سے ایک کا عوض دے سکتی "
منوچہر۔ " تمہاری جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بھی اس کی خدمت کے واسطے ہر قربانی کے لئے حاضر ہوں۔
مقصود دونوں کا ایک تھا۔ لیکن ہما خیال کرتی ہے کہ منوچہر اس کے

افکار سے بے خبر ہے۔ مگر دونوں کے ان فقروں کی صدا ابھی کمرے سے محو نہیں ہوئی تھی کہ عشق نے دونوں پکڑ کر اپنے سامنے سپر انداز ہونے پر مجبور کیا۔

اک نگاہ کا مبادلہ ہونا تھا کہ یہ تمام احساسات جواں مردی باطل ہو گئے اور دونوں نے حسن علی خاں کا پھر ذکر نہ کیا۔ دیر تک ایام ہجر کا ذکر رہا اور بالآخر منوچہر نے کہا:۔ " اپنی آئندہ زندگانی کا سامان جس قدر جلد ممکن ہو ہمیں کرنا چاہئے۔ اور تمام خیالات کو پس پشت ڈالنا چاہیئے۔"

ہما نے چند سکنڈ زمین پر اپنی پریشان نظر گاڑ کے اپنی نازک آواز سے عاجزانہ طور پر کہا:۔ " اس معاملے میں آج اور کچھ مت کہو :"

منوچہر نے ڈر کے مارے جواب نہ دیا۔

(۲۵)

قزوین میں

حسن علی، لفافہ نہیں کھول سکتا تھا۔ اسے خوف تھا کہ ہما کی تحریر سے بوئے بے مہری نہ آئے۔ اس نے اس کے حکم کو قبول کر لیا ہو۔ اور منوچہر کے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو گئی ہو۔ اور پھر اس سے بھی خوف کھاتا تھا کہ وہ اپنے عزم وارادہ پر قائم رہی ہو۔ اور اس کی خاطر اپنی خوشی کو مٹا دے۔

اسے دونوں ستا رہے تھے۔ اور وہ پریشان دستر ہما کی وفاداری و بیوفائی۔ مہر و بے مہری دونوں کا نتیجہ اس کی بدبختی تھی۔

آخر اپنے اوپر غلبہ حاصل کر کے اس نے لفافہ کھولا۔ لکھا تھا۔

" اپنے بھائی جان پر قربان! میں نے آپ کے نامۂ عزیز کی زیارت کی۔ میں اس سے کس قدر متاثر ہوئی۔ بیان نہیں کر سکتی۔ یہ بھی عجیب دنیا ہے آپ مجھ سے فرار کریں! میرے لئے کس قدر رنج اور شرمساری کی بات ہے۔

میں نے کیا کیا تھا۔ کونسا گناہ مجھ سے سرزد ہوا تھا۔ کہ میں اس بے التفاتی کی مستحق قرار دی گئی۔ ہاں آپ اپنے آرام کی خاطر بھاگ گئے اور مجھے مشکلات میں ڈال گئے مگر نہیں۔ میں اگر ایسا خیال کرتی تو بیشک آپ سے گلہ وشکایت کرتی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں میری بھلائی کے لئے کرتے ہیں بہرحال میں اتنی جرات کر کے عرض کرتی ہوں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ آپ میرے معلم اور تربیت کنندہ ہیں۔ آپکی آنکھ جن نکات دقیق کو دیکھتی ہے۔ میں خوردبین سے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ آپ انسان کی روح وقلب کی گہرائیوں کے اسرار کو پڑھ لیتے ہیں۔ دل کی آرزوؤں کو پہچانتے ہیں۔ اور اس کے سریع وعجیب تغیرات کا قوانین مسلم کے تحت میں تجزیہ کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے دل سے حیلہ وجنگ کرتے ہیں اور اس کی رفتار کو اپنے حکم کی مطابقت میں لے آتے ہیں۔ لیکن نوع بشر کے ایک بہت بڑے حصے یعنی عورتوں کے احساسات آپ سے ابھی تک پوشیدہ ہیں۔ اور اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں آپ کو ان کی صحبت ہی کب نصیب ہوئی ہے۔

اچھا موقع ہے۔ اس قرض کے دریا کا جو آپ کا مجھ پر ہے۔ ایک قطرہ آپ کو واپس دوں۔ اجازت دیجئے میں بھی آپ کو ایک چھوٹا سا سبق دوں۔ یہ میرے لئے بہت بڑا فخر کا باعث ہوگا اور آپ کے لئے دومنٹ کی سرگرمی آپ کے خیال میں وہ لطیفہ ہوگا۔ ایک عالم اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا مطالعہ میں مشغول تھا۔ اتنے میں ایک چھوٹی لڑکی آئی۔ کہنے لگی۔۔ میں آتش دان سے ایک دو انگارے لیجانا چاہتی ہوں۔ عالم نے کہا " بیٹی! تمہارے پاس برتن تو ہے نہیں۔ کس چیز میں لے جاؤ گی۔ لڑکی ہنسی اور آتشدان کے قریب گئی پہلے تو اس نے اپنی ہتھیلی پر بہت سی راکھ جما دی۔ پھر ان پر دہکتے دو ایک

انگا، رکھکر باہر چلی گئی۔ غالم حیران رہگیا۔ اسی طرح میں بھی جو کچھ کہونگی۔ وہ بھی اس بچی کی طرح نئی بات نہیں ہے۔ لیکن غالباً آپ کی معلومات میں اس سے اضافہ ہوگا۔

عورت کی تاریخ زندگانی، شروع سے آخر تک محض داستان محبت ہے۔ اور عشق اس کے خیالات کا محور۔ عورت محبت کے لئے پیدا کی گئی ہے حالانکہ مرد کا احساس فکر جنگ و جدل و تفوق و غلبہ ہے۔ عشق میں بھی یہی فکر تفوق اس کے دل میں جاگزیں رہتا ہے۔ مرد میں جذبۂ عشق بھی جذبۂ مبارزہ کی ایک تبدیل شدہ شکل ہے۔ جس عورت کا حاصل کرنا مشکل ہے اسے چاہتا ہے جب اس کا ملنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی آگ بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

مرد ایک شکاری ہے۔ اور میدان شکار جتنا سخت۔ اور شکار جتنا تیز بھاگنے والا یا اڑنے والا ہوگا۔ اتنا ہی شکاری کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مرد میں عشق عورت کی خوبصورتی سے پیدا ہوتا ہے۔ عورت کی اس صفت پر وہ تمام صفتوں کو قربان کر دیتا ہے۔ مرد کے لئے عورت ایک شکار سے زیادہ نہیں۔ اور عشق بازی تلاش شکار۔

آپ سب مرد یہ چاہتے ہیں کہ ہم عورتوں کے جذبات عشق کو اپنے احساسات روحی پر قیاس کریں۔ اور ہمارے قلب نازک کے اثرات کا اندازہ اپنے سخت دلوں کے ہنگام جنگ کی بیتابی و شوق سے کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ساتھ ہر معاملے میں آپ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور ہر جگہ غلطی کرتے ہیں۔ ہمارے متعلق مردوں کے تصورات و اعتقادات سرتاسر غلط ہیں۔ آپ کی آنکھیں سوائے ہمارے اعمال ظاہر کے اور کچھ نہیں دیکھتیں اور آپ کے کان سوائے ہماری باتوں کے اور کچھ نہیں سنتے۔ مگر آپ میں سے کسی میں ہمارے صحیفۂ دل کے پڑھنے کی استعداد

نہیں۔ اور غالباً کبھی نہ ہو گی۔ اپنے سطحی اور نمائشی عشق میں مرد جس قدر آہ و نالہ و فریاد و فغاں کرتے ہیں۔ ہم عورتیں کہ سلطنت عشق کی اصلی مالک ہم ہی ہیں عشق کی سختی کو متانت سے برداشت کرتی ہیں۔ ہم رنج سہتے ہیں اور دم نہیں مارتے

مرد کی خوبصورتی ہمارے لئے شرط عشق نہیں۔ ہماری تیز بین نظر اس کی سیرت کو دیکھتی ہے۔ سیرت کی زیبائی و زشتی کو پرکھتی ہے۔ اور پھر اس پر مفتوں یا اس سے متنفر ہوتی ہے۔ روح نجیب ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور مردانگی ہمیں تسخیر کرتی ہے۔ ہم کسی کی بدبختی سے رقت میں آ جاتے ہیں۔ ہم محبت کے بندے ہیں۔ حالانکہ عورت کی بے نیازی و تکبر سے مرد کا شعلۂ عشق و حرص اور بلند ہوتا ہے۔ اور اس کی بے محبتی اسے اپنی طرف دوڑاتی ہے۔ اور اگر وہ محبت کرے تو مرد کا عشق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ ہاں محبت ہم عورتوں کو اپنا حلقہ بگوش کر لیتی ہے۔ ہمارا دل موہ لیتی ہے۔ اور ہماری قوت استقامت کو ہم سے سلب کر لیتی ہے۔ جس محبت کے ساتھ شجاعت و جواں مردی توام ہو وہ عورت کے دل میں عشق پیدا کرتی ہے۔ وہ عشق نہیں جو مردوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ عشق ایک مضبوط علاقہ۔ ایک شدید حس ہوتا ہے۔ جس کے مقابل میں تمام دنیا بھی ایک پرکاہ سے زیادہ قیمت نہیں رکھتی۔ عاشق عورت، دنیا کو اور جو کچھ کہ دنیا میں ہے اسے معشوق پر نثار کر دیتی ہے۔ مگر عاشق مرد؟ میں آپ کو مردوں کے زمرے میں شمار نہیں کرتی آپ فرشتہ ہیں۔

اس تمہید کے بعد میں عرض کرتی ہوں کہ آپ عورتوں کے احساسات سے واقف نہیں۔ کیوں کہ عین اس وقت جبکہ آپ خود رنج اٹھا کر میری راحت کی جستجو کر رہے ہیں آپ وہ کام کر رہے ہیں کہ مجھے اور زیادہ تکلیف پہنچ رہی ہے

میں ایک عجیب مشکل میں مبتلا ہوں۔ آپ کو مجھ سے ہمدردی ہونی چاہیئے میری موجودہ حالت آپ کی ہی خوبی کا نتیجہ ہے۔ کاش آپ میرے ساتھ دوسرے طریقے پر رفتار کرتے۔ غصہ کرتے۔ برا کہتے جبر کرتے۔ غرض کہ سیتی کا اظہار کرتے یہ چیزیں ہیں جو عورت کو محبت کرنے سے روکتی ہیں۔ میری حالت قابل رحم ہے۔

آپ کی کنیز۔ ہما

اگر کوئی مصور یاس و امید۔ غم و شادی۔ شرمندگی و متانت کی تصویر ایک جگہ اور ایک شکل میں بنا سکتا تو وہ حسن علی خاں کی اس وقت کی شبیہ ہوتی اس کے دل میں متضاد احساسات کی جو جنگ ہو رہی تھی اس سے اس کی روح مضمحل و پریشان تھی۔ تمام رات چاند سے اس نے اپنا راز دل کہا اور قمری کی آواز اس کے نالہ و فریاد پر ٹھیکہ دیتی تھی۔ وہ سوچتا تھا۔ اب میرے وجدان کو ملامت کرنے کا کوئی حیلہ نہ رہا۔ ہما پرایا ہوا۔ بالارادہ۔ یا بے ارادہ۔ محبت نے اس کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ ایک مرد میرے اور اس کے درمیان ہے۔ پس میں کیوں نہ ہوں۔ اور وہ کیوں ہو؟ ہر حالت میں ایک کامیاب ہوگا۔ اور ایک ناکامیاب۔ اس لئے کیا وجہ ہے کہ محروم میں ہی ہوں۔ زندگی میں میری تقصیر کیا ہے۔؟ ہما کو میں نے بڑا کیا۔ اس کے لئے میں نے تکلیفیں سہیں۔ میرے ہی اہتمام سے اس کی تربیت ہوئی۔ کیا یہ انصاف ہے کہ جو میوہ میں نے اس محنت سے تیار کیا۔ دوسرا اس سے متمتع ہو۔ اور میں حسرت سے تکا کروں۔

ہما کی ملکیت ان زحمتوں کی بنا پر جو میں نے اٹھائیں۔ میرا حق ہے اور اپنا حق حاصل کرنے میں دوسرے کے حملے سے مدافعت نہ کروں تو یہ میری سستی و کاہلی ہے۔ جس طرح دوسرے کے حقوق غصب کرنا گناہ اور

جرم ہے۔ اپنے حق کی حفاظت نہ کرنا بھی پست ہمتی ہے۔ کل صبح اسے فوراً لکھوں گا کہ آجائے۔ نہیں تار دوں گا۔ اور اس سخت وضعیت کا خاتمہ کر دوں گا
مگر ایک اندرونی منتقش و محتسب نے انگشت ملامت اس کی طرف اٹھائی۔ اور اس کے خیالات کے بہاؤ کو روک دیا۔ اس کے شوق کے شعلے کو دھیما کر دیا۔ اس کے اعصاب سست پڑ گئے۔ اس کا سر نیچے کو جھک گیا۔ اور اس نے آہستہ آہستہ اپنے دل سے کہا۔ "حق تقدم اسے حاصل ہے ہما کے دل میں مجھ سے پہلے اس نے گھر کیا ہے۔ مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی خاطر اس کی روح کو شکستہ کروں۔ میں تنہا رنج سہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک شخص کی یا شاید دو کی ناکامی و ناامیدی کا باعث ہوں۔ لذت عشق و کمال اسی میں ہے کہ گناہ و شرمساری سے آلودہ نہ ہو۔ گناہ آلود عشق وہ زخم ہے کہ اپنی کامیابی کی مستی کے بعد اس کا منہ کھل جاتا ہے۔ اور پھر کبھی نہیں بھرتا۔ شعلۂ عشق دونوں طرف بھڑکنا چاہیئے۔ ورنہ کسی کے دل کو جو کسی دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جبراً حاصل کرنا۔ اور اس کی رنج و اذیت کا سامان فراہم کرنا عشق و مروت دونوں سے دور ہے۔ اگر میرا عشق سچا ہے تو مجھے چاہیئے کہ میں محض معشوقہ کی خوشی کا جویار ہوں اور اپنی ناکامی سے وہی لذت وصل معشوق سے زیادہ ہے۔"

صبح ہو چکی تھی۔ وہ اٹھ کے مطالعہ کے کمرے میں گیا۔ اور اس نے قلم برداشتہ لکھا:۔

"میری نہایت ہی عزیز ہما جان۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جیسی کہ تم نے خود اجازت دی ہے، خوب اظہار ناراضگی کروں۔ اور تمہیں برا بھلا کہوں میں نے بہت سوچا کہ کیا لکھوں تاکہ اظہار ناراضی ہو۔ مگر تمہاری عزیز ہستی

کے تصور کے ساتھ ہی۔ برا خیال اور تند و ترش الفاظ میرے دماغ سے فرار کر جاتے ہیں۔ قلم رک جاتا ہے۔ اگر اس کی جرأت کرتا تو تمہیں یقین آتا۔

جو سبق تم نے دیا ہے وہ میرے لئے وحی آسمانی ہے۔ میں تمہارا حلقہ بگوش ہوں۔ اور جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کی شکر گذاری میں، میں اس فاصلے سے تمہارے ہاتھ چومتا ہوں۔ مگر تمہارا درس میرے لئے قابل عمل نہیں۔

میں کہ میرے جسم کا رواں رواں تمہاری خوشی کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر میں ہی تمہاری بدبختی کا باعث ہو جاؤں تو اہرمن کی حکمرانی کا قائل ہونا پڑے گا دنیا تاریک ہے اور ہم سب اندھے ہیں جنہیں اپنا راستہ سوجھائی نہیں دیتا۔ گڑھے سے نکلتے ہیں کوئیں میں گرتے ہیں۔ وہ جو مدعی عقل ہے وہ سب سے زیادہ حیران ہوتا ہے۔ نادان کو تردد و تفکر کی زحمت اٹھانی نہیں پڑتی۔ وہ سیدھا سامنے چلا جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات محض اتفاقاً زیادہ آرام سے منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ عقیدۂ تقدیر بھی ایک بڑی تسلی ہے۔

ہاں تقدیر کا حکم یہی تھا کہ میری طرف سے تم رنج و غم میں رہو۔ اور میں زندہ رہوں اگر یہ خیالات سدِ راہ نہ ہوتے۔ تو میں خوشی کی بلند چوٹی پر ہوتا۔

اور دنیا کے تمام عیش میری خوشی کا معاوضہ نہ ہو سکتے۔ تمہاری محبت کی آگ نے مجھے کھوٹ سے ایسا صاف و پاک و رقیق کر دیا ہے کہ میں اس کثیف دنیا میں نہیں۔ آسمانوں میں پرواز کر رہا ہوں۔ میری آنکھ میں بدی داخل ہی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ میں ہر چیز میں تمہیں ہی دیکھتا ہوں۔ تمہاری خاطر میں سب کی خطاؤں کو، گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں۔ میری تمام کوشش یہ ہے کہ دوسرے خوش رہیں تاکہ تم خوش رہو۔ کاش یہ کیفیت اور لوگوں میں بھی پیدا ہو جاتی تو دنیا سے مناقشہ اور جھگڑا اٹھ جاتا۔ ستانا اور مزاحمت

کرتا، پلٹ کر شیطان کے جسم میں ہی جا چھپتا۔

میں یہاں تک لکھنے پایا تھا۔ کہ باہر شور کی آواز آئی۔ میں گیا۔ دیکھوں کیا ہے۔ سارا دن اسی میں کٹ گیا۔ چونکہ واقعہ قابل ذکر ہے۔ اس لئے تمہیں بھی سناتا ہوں۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ اس واقعہ سے جو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اس سے تمہیں دلچسپی ہوگی۔

ایک دیہاتی مرد اور عورت چیخ چلا رہے تھے اور ترکی زبان میں فریاد کر رہے تھے۔ سید ابوالقاسم تحصیلدار بالیہ بڑی سختی سے اس کوشش میں مصروف تھے کہ ان دونوں کو باغ سے نکال باہر کریں۔ میں جب پہنچا تو اس شور و شغب میں تھوڑا سا سکون پیدا ہوا۔ میں نے پوچھا کیا واقعہ ہے۔ ابوالقاسم بولے۔ ”قربان، کچھ نہیں۔ یوں ہی مفت میں بک بک جھک جھک کر رہے ہیں۔“

مرد عورت دونوں چلانے لگے۔ ”ہمارا ایک استغاثہ ہے“۔ خلیل جو ترکی جانتا ہے مترجم بنا۔ اور مرد کی زبان سے خلاصۂ استغاثہ یوں بیان کیا۔

”دو ماہ پیشتر، سید ابوالقاسم دیہات زہرامیں، مالگذاری وصول کرنے گئے تھے۔ اور اس بڈھے سے بارہ تومان اور دو خروار جنس کا مطالبہ کیا۔ بیچارے کے پاس اتنا کہاں کہ وہ اس مطالبے کو ادا کرے۔ آخر بہت گفتگو و شنید کے بعد یہ قرار پایا کہ وہ اپنی لڑکی جو اس کے کہنے کے مطابق نو یا دس سال کی ہے۔ ابوالقاسم سے بیاہ دے۔ اور ابوالقاسم اسکے عوض میں سرکاری مالگذاری اپنی جیب سے ادا کرے گا۔ ابھی ایک مہینہ نہیں گذرا تھا کہ ایک دوسرا تحصیلدار اس بیچارے کے سر پر آ دھمکتا ہے۔ اور اسے ... اسحنت پکڑتا ہے کہ بڈھا اور اس کی عورت دونوں راتوں رات گاؤں سے

بھاگ کے یہاں آتے ہیں۔ سید ابوالقاسم سے سارا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اور اپنی لڑکی سے ملنا چاہتے ہیں۔ سید ابوالقاسم اول تو انہیں پہچانتے ہی نہیں۔ اور خوب گالیاں دیتے ہیں۔ بالآخر کئی دن کی کشمکش کے بعد اور اس خوف سے کہ کہیں رئیس مالیہ (کلکٹر) کے پاس شکایت نہ پہنچ جائے۔ انھوں نے بڈھے سے کہا "لیلیٰ تو بھاگ گئی۔ معلوم نہیں کہاں ہے۔"

اس پہ ظاہر ہے کہ ماں باپ نے رونا چلانا شروع کر دیا۔ مجبوراً آجناب سید لڑکی کی تلاش کرتے ہیں۔ کئی دن کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ سبزی فروش ہمسائے کے گھر پناہ گزیں ہے۔ اور سبزی فروش نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ اب ماں باپ، لڑکی، ابوالقاسم و سبزی فروش سب جمع کئے گئے۔ اور معاملے کو طے کیا۔ دیہاتی یہ کہتا ہے کہ لڑکی کی قیمت میں، ابوالقاسم نے جس قدر مالگذاری ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسے یا تو وہ خود دیں یا سبزی فروش دے تاکہ وہ گھر لوٹیں۔ مگر روپیہ کسی کی جیب سے نہیں نکلتا۔

میں نے سبزی فروش اور لڑکی کو طلب کیا۔ سبزی فروش ساٹھ سال کا بڈھا ہے۔ اس کی لمبی میلی کچیلی داڑھی اس تو بڑے کی مانند ہے جو کسی گدھے کے منہ میں لٹکا ہوا ہو۔ ایک نہایت میلا کپڑا سر کو لپیٹے ہوئے ہے۔ اور اس کے کثیف ہاتھ گرم چادر میں چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں وہ باہر نہیں نکالتا۔ اور کمال بے حیائی سے کہہ رہا ہے۔

"یہ لڑکی خدا نے میرے لئے بھیجی ہے۔ جس رات یہ میرے گھر آئی۔ میں فوراً اسے محلے کے پیش نماز آغا شیخ رمضان کے پاس لے گیا۔ انھوں نے میرا نکاح پڑھ دیا۔ میرا ... کبھی حرام کے لئے نہیں کھلا۔ ابھی وہ مجھ سے مانوس نہیں ہوئی۔ بچوں کی ماں اس پہ بہت ترس کھاتی ہے۔ اور ہر رات

اسے اپنے ہی پاس سلاتی ہے ۔ میں نے اس کا نام بدل کے اب خداداد رکھ دیا ہے ۔ یہ دیہاتی آکے مجھ سے روپیہ مانگتے ہیں ۔ بجائے اس کے کہ میرے ممنون احسان ہوں ۔ اس لڑکی کے پاؤں میں جوتی نہ تھی ۔ میں نے خرید کے دی ۔ اسی رات میں نے بچوں کی ماں کے ساتھ اسے حمام کو بھیجا ۔ دونوں وقت کا کھانا ہمارے ساتھ ایک رکابی میں کھاتی ہے ۔"

میں نے پوچھا :۔ "جب یہ لڑکی تیرے گھر آئی تو تو نے یہ نہ پوچھا کہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے ۔ ممکن تھا کسی دوسرے کی عورت ہو ۔"

سبزی فروش ۔ مجھے ان باتوں سے کیا غرض ہے خود ہی اس نے چند روز بعد کہا کہ ایک آدمی آیا تھا اور اس کے ماں باپ سے جبراً لے لیا میں بہت روئی چلائی ۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ بلکہ الٹا میرا باپ مجھے مارتا تھا اور کہتا تھا ۔ چپ رہ ۔ پھر وہ مرد شہر میں اپنے گھر لے گیا ۔ .... لڑکی دوسرے روز اس گھر سے بھاگ نکلی ۔"

میں ۔ تمہیں معلوم نہ ہوا کہاں سے بھاگ کے آگئی ؟"

سبزی فروش ۔ (گھبرا کے ادھر ادھر دیکھ کے) "مجھے ان باتوں سے کیا غرض ۔"

میں ۔ "شیخ رمضان نے نہ پوچھا کہ اس کے ماں باپ کون ہیں ، اور اس کے پہلے کے حالات کیا ہیں ؟"

سبزی فروش ۔ (مسکرا کر) بالغ لڑکی سے ماں باپ کے متعلق سوال نہیں کرتے ۔ ظاہر ہے کہ لڑکی نو سال کی ہے ۔ بس جب اس نے "ہاں" کہہ دیا ۔ کافی ہے ۔" جتنا میں اس سے کہتا ہوں کہ یہ دوسرا نکاح ناجائز ہے اصلی

سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اسے ایسا سخت پکڑے ہوے ہے کہ تین چار آدمی بھی لڑکی کو اس کے پنجے سے چھڑا نہیں سکتے۔ بیچاری لڑکی صلا رہی ہے کہ "میں اپنی اماں کی لڑکی ہوں۔"

آخر کار میں نے سبزی فروش کو پانچ تومان حمام کے اور چند دن لڑکی کے کھانے کا خرچ سبزی فروش کو دے کر اسے چھڑایا اور سبزی فروش کو دفع کیا۔ پھر ابوالقاسم سے طلاق دلوائی۔

دیہاتی کی مالگذاری بھی میں نے اپنے ذمہ لی۔ کہتے ہیں لڑکی نو سال کی ہے۔ مگر اتنی دبلی اور ضعیف ہے کہ سات سال سے زیادہ کی نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی انگلیاں چڑیا کی ٹانگوں سے ذرا ہی موٹی ہونگی۔ ہر وقت روتی ہے اور خوف سے کانپتی ہے کہ وہ انہیں آدمیوں میں سے کسی کے ہاتھ نہ بیچ ڈالی جائے گی۔

جب ابوالقاسم اور سبزی فروش دونوں چلے گئے۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔ لیکن پھر بھی اپنے باپ کے خوف سے اپنی ماں کے پہلو میں گھسی جاتی تھی۔ اور اس کے پیچھے چھپتی تھی۔ میرا دل اس کے لئے بہت کڑھ رہا تھا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ پھر تھوڑی سی قیمت پر کسی کے ہاتھ فروخت کر دی جائے گی۔ اور معلوم نہیں کہ نیا خریدار ابوالقاسم یا سبزی فروش سے بہتر ہوگا۔ یا نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ میں اس بیچاری بچی کو ان جانوروں کے شر سے نجات دوں۔ اور بطور شادی کے تحفے اور منہ دکھائی کے اسے تمہارے پاس بھیجدوں۔ تاکہ تم اس کی تربیت اپنے ہاتھوں میں لو۔ اور لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق تمہارے جتنے نظریئے ہیں ان سب کو اس پر عمل میں لاؤ۔ وہ تین دن میں اس کی ماں کے ساتھ اسے طہران بھیجوں گا

اور جب تم سے مانوس ہو جائے گی تو ماں واپس آ جائے گی۔

ہما اب آؤ اپنے متعلق پھر سلسلہ کلام چھیڑیں۔ عزیز ہما جان! میری خوشی اور آسودگی اس وقت پوری ہوگی جب میں تمہیں خوش اور کامراں دیکھوں گا۔ تم یقیناً مجھے جانتی ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں کسی صورت اس پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ تمہیں اپنے اوپر قربان کر دوں۔ اس مبحث پر زیادہ گفتگو کرنا۔ اور بحث و مباحثہ کو طول دینا دلوں کو رنج دیتا ہے۔ تمہاری جانکی قسم کہ میرے نزدیک سب سے بڑی قسم یہی ہے۔ اگر تم نے اپنی شادی کا جلد انتظام نہ کیا تو اور اس کی خوش خبری مجھے لکھ کے نہ بھیجی۔ تو میں تم سے سخت ناراض ہو جاؤں گا۔ اور پھر تم سے خط و کتابت بند کر دوں گا۔

میں نے اپنا گھر تمہیں قبالہ کر دیا ہے۔ وہ دستاویز بھیجتا ہوں۔ اور خرچ کے لئے پانچسو تومان کی ایک ہنڈی بھی ملفوف ہے۔ اسے حاجی عبداللہ تاجر زنجانی سے وصول کر لینا۔ میرے پاس جو تھا وہ یہی تھا۔ کاش مجھ میں قدرت ہوتی کہ ساری دنیا تمہیں بخش دیتا۔ اگر منوچہر آ سکے تو بہت اچھا ہو کہ تم دونوں چندروز کے لئے قزوین آ جاؤ۔ لطف رہے گا۔ اور ہمارا وقت اچھا کٹ جائے گا۔ اگر آؤ گی تو اپنی اماں جان کو ضرور ساتھ لانا۔

اپنی پیاری ہما پر قربان
حسن علی

(۲۶)

شادی

عشق نے اپنی خدمت اور کمک میں تمام قوتوں کو طلب کر کے ایک

دم ہما کے دل پر حملہ کردیا۔ اور اس کی بنائے استقامت کو ہلا ڈالا۔ اب اسکی نظر میں ماں کی تمام نصیحتیں درست اور معقول معلوم ہوتی تھیں۔ وہ خیال کرتی ہو کہ معشوق کی تمنا کے پورا کرنے میں دیر لگانا بیرحمی اور شقاوت ہے۔ حسن علی خاں کی اجازت اور اصرار۔ اس کی خواہش طبیعت اور میلان دل کے مطابق تھا۔ منوچہر سے ہر روز کی ملاقات نے اپنا طبعی اثر اس پر پیدا کیا۔ اور اس کا تمام وسواس و خلجان۔ اضطراب وجدان دور ہو گیا۔ رازدارانہ طریقے سے وہ اپنے دل سے کہتی تھی۔ کہیں حسن علی خاں اپنے فائدے کے لئے میرے ایثار و قربانی کو قبول کرلیتا تو میں کیا کرتی۔ بلاشبہ میری تمام عمر پچھتاوے میں کٹتی اور اس رنج میں کہ میں نے منوچہر کو ناامیدی اور حرماں میں مبتلا کیا۔ میں مرجاتی۔ اور جب میں ہر وقت رنجیدہ رہتی تو حسن علی خاں پر کیا گذرتی۔ درحقیقت میں اس کے ساتھ شادی کرکے اسے بھی بدبخت کردیتی۔ اس کی حساس روح کو ایک دائمی شکنجے میں مبتلا کردیتی۔ وہ کونسی قوت تھی جس سے میں نے اپنے پیارے منوچہر کو اپنے پاس سے ہٹایا۔ کیا میں حسن علی خاں کو اس سے زیادہ چاہتی ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتی۔ میری ہر ایک کے ساتھ محبت اک مخصوص قسم کی محبت ہے کہ جو ایک دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتی۔ حسن علی خاں کا مجھے پالنے اور مجھے تربیت کرنے کا حق مجھ پر ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اخلاق و صفات نے مجھے اس کا فریفتہ کردیا ہے۔ میں اور وہ ہم خیال ہیں۔ اور ہم خیالی کا ارتباط روحی میں بڑا دخل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے بہت بڑی قربانی کی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کو اپنے مال سے دستبردار ہونا زیادہ آسان ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ میرے عشق سے دستبردار ہو۔ مگر کیا اس کو مجھ پر عاشق ہونے کا حق حاصل ہے؟ اچھا کیا مجھ پر عاشق ہوا۔ میں نہیں چاہتی

اس کا عشق مجھ سے کم ہو۔ لیکن یہ بھی نہیں چاہتی کہ وہ میری وجہ سے رنج و مصیبت اٹھائے۔ میری کیسی بدبختی ہے کہ جس نے میرے ساتھ اتنی بھلائیاں کی ہیں۔ وہ میرے ہی ہاتھوں رنج و غم سہے۔ آہ کیا ستم ہے کہ میری خوشی ایک عزیز ترین ہستی کی ناخوشی پر نتیجہ پذیر ہو۔"

یہ سوچ کر وہ نڈھال ہو گئی۔ مگر عشق نے وجدان کو اپنی خدمت کے لئے بلا کر اس کے کان میں کہا:۔

حسن علی خاں دروغ گو نہیں ہے۔ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ تمہاری خوشی سے اسے خوشی ہوگی۔ وہ تمہیں اس سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ کہ وہ تمہیں اپنے اوپر قربان ہونے دے۔ تمہارا وصل منوچہر سے اس کو آرام دے گا۔ منوچہر اس کا داماد ہو جائے گا۔ بہنوئی ہو جائے گا۔ تم اس کی بہن اور بیٹی ہو جاؤ گی۔ اور تم دونوں اپنی تمام عمر اس کی خدمت گذاری میں صرف کرو گی حسن علی خاں خود مطلب اور نفس پرست نہیں۔ جب وہ دیکھ لے کہ تمہاری دوستی اس کے ساتھ ذرہ برابر بھی کم نہ ہوئی۔ تو وہ رنج نہ کرے گا۔ تم تینوں ایک محبت اور لذت بھری زندگی گذارو گے۔ بالغرض اگر چند روز اسے تھوڑا بہت رنج ہوا بھی۔ لیکن آخر میں وہ بھول جائے گا۔ روح انسانی مدت تک ایک رنج سہنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ سخت سے سخت رنج بھی۔ مرورِ زمانہ سے ہلکا پڑ جاتا ہے۔ اور بالآخر مٹ جاتا ہے۔ عشق ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے پابند نہیں ہوتا۔ مطمئن رہو۔ تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ دیکھو منوچہر کیسا حسین کیسا خوش خرام ہے۔ کیسا خوش لباس ہے۔ اس کی نکٹائی کس قدر عمدہ بندھی ہوئی تھی۔ کسی دوسرے میں یہ اخلاق اور یہ خوش وضعی ہے؟ عشق اور جوانی سے فائدہ اٹھاؤ۔ دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ہے جو تمہاری خوشی کا رکاوٹ ڈالے

رنج وغم اس کے نصیب میں ہو۔"

ہمانے خوشی سے سر سینے پر سے اٹھایا۔ اس کی نگاہ میں مسکراہٹ تھی۔ جو اس کے دل کی خوشی کی خبر دے رہی تھی۔ کوئی شک نہیں کہ یہ وجدان صاحب بھی عجیب ابن الوقت چیز ہیں۔ جدھر کسی کی میل طبعیت دیکھتے ہیں ادھر ہی جھک جاتے ہیں۔ اور چاپلوسی کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔

حسب معمول منوچہر تیسرے پہر کو ہما سے ملنے آیا۔ تو اسے بہت خوش پایا۔ اس سے اُسے بہت مسرت ہوئی۔ ادِہر اُدہر کی باتیں شروع ہوئیں۔ مگر وہ باتوں کو کاٹ رہا تھا۔ تاکہ اصل مطلب کے چھیڑنے کا موقع ملے۔ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح شروع کرے اور کیا کہے۔ آخر ایک لمحے کے سکوت سے فائدہ حاصل کر کے اس نے کہا۔

"ہما جان' ہماری زندگی کی تربیت کے متعلق تم نے کچھ سوچا؟"

ہما۔ (سر نیچا کر کے تھوڑے سے تامل کے بعد) ہاں بھائی جان کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے جس قدر جلد ممکن ہو۔ یہ کام سرانجام دیا جائے۔ ورنہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔"

خوشی سے منوچہر کے چہرے کا رنگ بھبوکا ہو گیا۔ ہما کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا۔

"خدا بھائی جان کی عمر دراز کرے۔ اس سے پہلے یہ خط انھوں نے کیوں نہ لکھا"

ہما۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں اور تم چند روز قزوین میں آکر گذاریں۔

منوچہر کے افق خیال پر ایک ابر سیاہ گذر گیا۔ مگر اس تیزی سے نکل گیا کہ اسکے آثار اس کے چہرے پر ظاہر نہ ہوئے۔ اس کی طبعیت محض اس خیال سے کہ حسن علی خاں موجود ہوگا مکدر ہو گئی۔ اور اس کے جذبۂ رقابت میں حرکت

پیدا ہوئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہما آئندہ کبھی حسن علی خاں کو دیکھے۔ عشق نہایت خود پسند ہوتا ہے۔ اپنے فائدے کے لئے تمام دنیا کا نقصان چاہتا ہے اور سختیاں اور بے ایمانیاں کرتا ہے۔ اور زندہ رہتا ہے۔ منوچہر نے خندہ پیشانی سے کہا:۔

اگر ہمارے پاس وقت ہو تو اس سے بہتر تجویز ہو ہی نہیں سکتی لیکن آج کل کاروبار تجارت بہت زیادہ ہے ضرور کسی دن چلیں گے۔ ابھی کوئی جلدی نہیں" اور ہما کو جواب کا موقع نہ دے کر کہنے لگا۔ "اتفاقاً آج میرے پاس روپیہ ہے۔ کچھ سامان خریدنا چاہئے"

یہ کہکر اس نے جیب سے نوٹوں کا ایک پلندہ نکال کر ہما کے سامنے میز پر ڈال دیا۔

ہما۔ (ہنسکر) روپیہ مجھے کیوں دیا جا رہا ہے۔ کیا تم مجھے خرید رہے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم دونوں شریک عمر اور رفیق زندگی بن کر رہیں۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان فرق نہ ہو۔ اور میرے اور تمہارے مال کا سوال نہ ہو۔ اس سے کیا فائدہ کہ اپنے سرمایہ کا ایک حصہ غیر ضروری اشیاء کے خریدنے میں ہم خرچ کر ڈالیں۔ اور روپیہ کو یوں برباد کریں۔

منوچہر۔ "لیکن رسم تو یہی ہے"

ہما۔ (مسکراکر) ہاں رسم تو یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھے بغیر انتخاب کریں اس وقت تم میرے صاحبان اختیار کے ساتھ معاملہ کرتے۔ کم اور زیادہ مانگتے تم کم دیتے اور اس طرح مجھے خرید لیتے۔ پھر اس روپیہ پر اور روپیہ زیادہ کر کے میرے خاندان کے لوگ وہ سامان اور اسباب خریدتے جو تمہارے گھر میں پہلے ہی سے موجود ہوتا۔ اور اسے ملا کر تمہارے گھر میں

بھر دیتے۔ جس سے وہ گھر اور پٹ جاتا جو پہلے ہی سے اسباب سے پٹا ہوا ہوتا۔ لیکن ہماری زندگی کی ابتدا دوسرے طریقے پر ہوئی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھ کر اور پہچان اور پسند کر کے انتخاب کیا ہے۔ اور ہم زندگی میں ایک دوسرے کے شریک بننا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارا نفع ایک ہے۔ اور ہمیں کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہئے۔ جس میں ضرر و زحمت ہو۔ جوڑے اور کپڑے تیار کرنے کے لئے میرے پاس کافی روپیہ ہے۔ بھائی جان نے اس مقصد کے لئے مجھے پانچسو تومان بھیج دئے ہیں۔ اور اپنا گھر بھی مجھے ہبہ کر دیا ہے۔ ان سے بہتر کوئی آدمی دنیا میں ہو سکتا ہے؟ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ وہ مجھے کس قدر چاہتے ہیں۔"

منوچہر نے بے اختیار اپنا منہ پھیر لیا تاکہ اس فقرے سے جو اس کے دل پر چوٹ لگی اس کے اثر کو ہما، اس کے چہرے میں نہ دیکھ سکے۔ رقیب کے خیال نے اس کے لوح دل کو تاریک کر دیا۔

انسان جس وقت آتشِ عشق سے بھنکتا ہوتا ہے۔ تو وہ یہ چاہتا ہے کہ معشوق سوائے اس کے کسی پر نظر نہ ڈالے۔ بالخصوص سوائے اس کے کسی دوسرے میں اسے کوئی خوبی اور صفت نظر نہ آئے۔ چہ جائے کہ معشوق کا ذہن رقیب کی طرف متوجہ ہو۔

تھوڑے سے سکوت کے بعد، منوچہر نے کہا:۔ "بالکل درست ہے حسن علی خاں نہایت اچھے آدمی ہیں۔ بہت بہتر، جیسا کہ تم چاہتی ہو ویسا ہی کیا جائے گا۔ اگر کوئی ہرج نہ ہو۔ تو جمعہ کے دن عقد ہو جائے گا۔ جنتری سے بھی اچھی ساعت دیکھ لی جائے گی۔ میں نے تم سے جیسا کل کہا تھا۔ میری والدہ اصفہان سے آگئی ہیں۔ آج سہ پہر کو تم سے ملنے آئیں گی۔ اُن کا

لباس پرانے فیشن کا ہے اور ان کا لہجہ اصفہانی ہے۔ مگر چونکہ منوچہر کی ماں ہے امید ہے کہ تم ان کی وضع قطع اور زبان و لہجہ کا خیال نہ کرو گی اور انہیں معذور سمجھو گی۔

(۲۷)

حسن علی خاں کو ہما کی طرف سے مژدہ

آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ میز پر ایک نیلگوں لفافہ پڑا ہوا تھا۔ جس پر حسن علی خاں نظر گاڑے ہوئے تھا۔ آخر اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ آہستہ کھولا۔ خط میں لکھا تھا۔

"میرے نگہبان! آپ نے تمام قوتوں کو میرے خلاف برانگیختہ کر کے مجھے مغلوب کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے پچھلے خط میں جو دھمکی مجھے دی تھی۔ اس سے میں سمجھی کہ آپ کی خواہش اور خوشی یہی ہے کہ میں یہ کام کروں۔ اسلئے مجبوراً میں نے تعمیل حکم کا ارادہ کیا۔ آئندہ جمعہ کو یعنی چار دن بعد رسم عقد بجا لائی جائے گی۔ مگر میں اس ضیافت میں مردہ دلی سے شریک ہو رہی ہوں۔ میں یہ سمجھتی تھی اور ہرگز تصور نہ کرتی تھی کہ جس رسم کی ہر نوجوان لڑکی کو شوق سے آرزو اور انتظار رہتا ہے۔ وہ اس ناگواری اور تلخی کے ساتھ مجھے پیش آئے گی۔ میں تقریباً اس کی معتقد ہو چلی ہوں کہ میں بد بخت ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ آپ مجھے نہیں چاہتے بہر حال آپ مختار ہیں۔ مگر میں جب تک زندہ ہوں۔ اپنی جان شیریں کی طرح آپ کو چاہوں گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے نہیں چاہتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں رنج و غم سے مر جاؤں گی۔ میری خوش بختی آپ کے ہاتھ میں ہے

اگر آپ میری خوشی چاہتے ہیں تو اپنے دل سے میری طرف سے ہر قسم کی کدورت اور آزردگی کو باہر نکال دیجئے۔ میں دیکھوں اور یقین کروں کہ آپ خوش و خرم ہیں۔ میری خوشی صرف اس پر مشروط ہے۔ کیا آپ اس سے مجھے محروم رکھینگے؟ میں ایسا خیال نہیں کرتی۔ مگر جب تک آپ عملاً ثابت کر کے نہ دکھائیں گے میری زندگی بدترین زندگی ہوگی۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرے افسردہ اور مردہ دل کو تسلی اور اطمینان دیتے۔

آپ کی کنیز ہما

باغ کی دیوار کی اس طرف سے بانسری کی آواز آ رہی تھی جسن علی خاں اس غرض سے کہ بانسری کی آواز کو بہتر سنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اور اس نے اپنے دل کو بانسری کی آواز سے ہمنوا کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ باغ میں ٹہلنے لگا پھولوں کی پتیوں کی خفیف جنبش سے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ سرگوشی کر کے جسن علی خاں کی بدبختی کا حال ایک دوسرے سے کہہ رہی ہیں۔ باغ میں جو نسیم چل رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت اس کے حال سے متاثر ہو کر کہہ رہی ہے۔ سچ ہے۔ انسان موجودات کی ہر چیز کو اپنے ہی فکر کے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ اشیا کی سفیدی و سیاہی ہمارے ہی خیالات کا سایہ ہیں۔ جس وقت بانسری خاموش ہو گئی۔ اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس نے آہ سرد بھر کر کہا:۔ "کیا اچھا ہوتا اگر میری جان اس بانسری کو نرم آواز کیساتھ پرواز کر جاتی"۔

کمرے میں واپس آ کر اس نے اپنا روزنامچہ اٹھایا اور لکھا:۔

"آہ موسیقی! تو مجھے یہ لاہوتی شکلیں کیوں دکھاتی ہیں۔ جبکہ میرا ہاتھ ان کے دامن تک، اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو نے میری روح کو کیا کیا جلوے دکھائے ہیں کیا راز ہائے صمدی ہیں۔ جو تو نے مجھ سے بیان کئے ہیں۔ میں [illegible] دنیا

میں نہیں دیکھتا۔

تو نے مجھے اپنے لطیف پروں پر بٹھا کے وہاں پہنچا دیا جہاں فرشتے رہتے ہیں۔ مجھے اس عالم میں پہنچا دیا جہاں آرزو اور حسرت کو دخل نہیں۔ جہاں من وما سوا انتیاز نہیں۔ جہاں ہجر و وصال کا نشان نہیں۔ جہاں سراسر اطمینان وقناعت ورضا بت ہے۔ یہ کیا دنیا ہے جہاں آنکھ اور کان کے لئے کوئی مانع۔ کوئی حد نہیں۔ راز عشق یہاں معلوم ہوتا ہے اور روح کا ہمہمہ یہاں سنائی دنیا ہے۔ ہاں میں نے پہچانا۔ میری پہلی منزل یہیں تھی۔ میری روح سرمدی گہوارے میں پلی ہے اور میرے بچپن کے ساتھ کھیلنے والے سفید پروں والے فرشتے تھے ہم اور وہ آسمان احقری کے میدان میں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے تھے۔ اور اپنے جیب و دامن پیستارے چن چن کر بھرتے تھے۔ میں پھر اپنے پرانے دوستوں سے مل رہا ہوں۔ میرے لوٹ آنے سے وہ کس قدر خوش ہیں۔ میرے گرد وہ جمع ہو گئے ہیں۔ اور میرے دل وجان کے زخمونکو دیکھ دیکھ کر رنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میری مسافرت کے حالات مجھ سے پوچھ رہے ہیں

میں ان سے کہہ رہا ہوں:۔ " میں کیا بتاؤں زندگی کیا ہے۔ ایک بے پایاں انتظار۔ ایک امید فردا۔ اور یاد گذشتہ۔ سراسر افسوس والم ہے۔ زمانہ گذشتہ وہ بچے ہیں۔ جنہیں دماغ نے غم وناکامی کی وادی میں دفن کر دیا ہے۔ اپنی گفتار وکردار گذشتہ سے اپنے تئیں بچاتے ہیں اور ان تاریک ووحشتناک مناظر سے بھاگتے ہیں۔ تاسف وکدورت کے تاروں سے ہمارے لوح دل پر صورتیں بنائی گئی ہیں۔

آج کا دن، آج کا دن، تجرد نا امیدی سے بھرا ہوا ہے۔ وہ تصویر جو قلم خیال نے کھینچی تھی وہ وہ نہ تھی۔ جواب ہم دیکھ رہے ہیں۔ شاید

مقصود جو ہمارے ذہن میں جلوہ پیرا تھا وہ دلکش تھا۔ جو شکل اسوقت ہمارے سامنے ہے وہ مکروہ ہے۔ تصویر کی دوربین کے ذریعہ سے ہم اس معشوق کو جو اپنی زیبائی و رعنائی کیساتھ خانۂ دل میں متمکن تھا۔ آج اسے دوسروں کی آغوش میں دیکھ رہے ہیں۔ اس پرندکی طرح جو جال میں پھنس گیا ہو۔ ہم اضطراب و ناراحتی کی جکڑ بندیوں میں اپنے تئیں پھنسا ہوا پاتے ہیں۔ اور چھٹکارا پانے کے لئے پھڑپھڑاتے ہیں۔ اور پھڑپھڑا کر اپنے تئیں اور زخمی کر لیتے ہیں۔ کل کا دن! گذشتہ کل اور آج کے ظلم سے ہمیں پناہ دیتا ہے۔ ہمارے درد و کرب کی دوا کل لاتا ہے۔ کل بخت و نصیب کے دیوتا کو اپنے چوڑے پروں پر لاکر ہمارے پاؤں پر ڈالتا ہے۔ کل حبس و محرومیت کی زنجیروں کو ہماری گردن ہماری گردنوں پر سے ہٹاتا ہے اور ہمیں آزادی و کامرانی کی اقلیم میں لیجاتا ہے
مگر ہزار افسوس! کل اپنا سیاہ اور شرمندہ منہ لیکر آیا۔ اس کے ہاتھ خالی ہیں۔ نہیں خالی نہیں۔ سختی و رنج سے بھرے ہوئے ہیں!

اس کل کا کب تک انتظار کیا جائے گا؟

فرشتوں نے پوچھا۔ ہمارے کھیل وہاں ہیں؟

میں نے کہا۔ ساری مصیبتوں کی برداشت کی طاقت ہمیں جس چیز سے حاصل ہوئی ہے وہ عشق و دوستی کا تصور ہے۔ ان دو آسمانی چیزوں کا عکس۔ جن سے تم یہاں کھیلا کرتے ہو۔ زمین پر بھی پڑتا ہے۔ اور ہم اس بچے کی طرح جو آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اسے پکڑنا چاہتا ہے۔ اس نور کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ تھک کر ہانپنے لگتے ہیں۔ خستہ و ناتواں ہو جاتے ہیں۔ مگر جب تک ذراسی بھی طاقت رہتی ہے۔ ہم اپنے تئیں اس نور کی طرف گھسٹتے ہوئے جاتے ہیں۔ اور اس پر جان فدا کر دیتے ہیں۔ اگر اس تک پہنچ گئے ہیں تو اُس

ببابے کی طرح جیسے پانی مل جائے بیتاب ہو کر اسے اپنی آغوش میں لیتے ہیں۔ لیکن ہائے حسرت و بدبختی۔ مجھے واہمہ و خیال کے سوا کچھ نہیں ملا۔

میرے بچپن کے ساتھ کھیلے ہوؤں کو میرا قصہ سن کے بہت تعجب اور رنج ہوا۔ انھوں نے اپنا سر نیچے کو جھکا دیا۔ اور جس طرح سنگ مرمر کے پہاڑ پر موتیوں کی بارش ہو رہی ہو۔ ان کے سفید سینوں پر ان کے آنسو گرنے لگے۔

آہ موسیقی! تو نے کیا کیا؟ مجھے اس بلندی پر پہنچا کر عشق و یگانگت کے مناظر میرے پیش نظر کئے۔ اس عالم بے آرزوئی میں پہنچ کر میں نے اسکی سیر کی اور میں مجرد و پاک ہو گیا۔ شراب بیخودی سے مست۔ اور فرشتوں کے ساتھ ہم پیالہ ہوا۔ ایک لمحہ کے لئے زمین کے دیووں نے جو میرا گلا گھونٹ رہے تھے۔ مجھے خلاصی ملی۔ دنیا کی وحشت انگیز صورت تھوڑی دیر کے لئے میری نظروں سے غائب ہو گئی تھی۔ آہ! کیا عالم خوش حالی تھا۔

ہاں تو نے برا کیا۔ کیوں مجھے پھر نیچے لا گرایا۔ کیا یہ تیرے امکان میں نہ تھا کہ مجھے اسی حالت میں رکھتی؟

(۲۸)

ہما کی بیماری

دوسرے روز کہ ابھی حسن علی خاں نے ہما کے خط کا جواب نہیں لکھا تھا۔ اس کے پاس طلعت خانم کی طرف سے خلیل نوکر کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پہنچا۔ جس میں تحریر تھا۔

امید ہے مزاج گرامی قرین صحت و عافیت ہوگا۔ کل سے ہما کی طبیعت ناساز ہے۔ اس کی حالت پریشان کن ہے۔ کل رات کہہ رہی تھی۔ میری یہ تمنا

ہے کہ بھائی جان کو دیکھے بغیر مجھے موت نہ آئے۔ بخار اترتا نہیں۔ میری التجا ہے کہ آپ جس قدر جلد ممکن ہو تشریف لائیے۔ تاکہ کچھ کیا جا سکے۔ زیادہ نیاز۔

طلعت

حسن علی فوراً طہران کو روانہ ہو گیا۔ ہما کو بستر پر پڑا پایا۔ اپنی روح کا عکس اس نے اس کے چہرے میں دیکھا۔ رنجیدہ و ناتوان خیال کی فضائے نامحدود میں اس کی آنکھیں مرغ آرزو کا تعاقب کر رہی تھیں۔ حسن علی خاں چونکہ خود داخل درد تھا۔ اس نے فوراً مرض کی تشخیص کر لی۔ طلعت خانم کا اصرار تھا کہ حسن علی اپنے ہاتھ سے ہما کو دوا پلائے اور کہتی تھی: "آپ کا آنا بیحد غنیمت ہوا۔"

حسن علی خاں نے دوا کی پیالی ہٹا کر کہا۔ جب تک مجھے معلوم نہ ہو کہ مرض کیا ہے میں طبیب کی ہدایات پر عمل نہ کروں گا۔ آپ اطمینان رکھئے اور انہیں مجھ پر چھوڑ دیئے۔ ہما نے محبت کی نگاہ سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

طلعت خانم۔ طبیب کا خیال ہے کہ وہ چند دن تک دیکھے گا تاکہ اصل مرض کو سمجھے۔ پہلے دن کونین دی تھی جس سے حالت اور خراب ہو گئی۔ اس کا خیال ہے کہ چیچک ہے۔ خدا نہ کرے۔ کہیں ایسا ہوا تو میں کیا کروں گی۔ للہ آپ ہی کچھ بتائیے۔ میری بدنصیب لڑکی کا کل نکاح ہونے کو تھا۔ تین دن ہوئے منوچہر کی ماں آئی تھی۔ اس کی نظر لگ گئی۔ ابھی وہ گئی بھی نہ تھی کہ ہما کا حال خراب ہونے لگا۔ اس کا رنگ اڑنے لگا۔ بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ پھر تیز بخار آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رونے لگی۔ جیسے کوئی بیہوش ہو۔ مجھے تعویز گنڈے جو یاد تھے سب کئے۔ ایک مجرب دعا کاغذ پر لکھ کے پانی میں گھول کر ہما نے اسے دی۔ مگر وہ پیتی ہی نہیں۔ اگر پی لے تو خدا نے چاہا فوراً اچھی ہو جائے۔ للہ آپ ہی کوئی ترکیب کیجئے۔

ہما اور حسن علی خاں کے ہونٹوں پر غم و شفقت سے بھرا ہوا ایک تبسم پیدا ہوا

حسن علی خاں:" میں نے ناشتہ نہیں کیا ہے۔ اگر آپ مجھے کچھ کھانے کو دیں تو آپ کو اتنا ثواب ملیگا۔ کہ خدا جلد آپ کی بیٹی کو صحت دے گا۔"

طلعت خانم جوں ہی ناشتہ کا انتظام کرنے کے لئے کمرے سے باہر گئی حسن علی خاں نے کہا۔

ہما جان! بتاؤ تم سے منوچہر کی ماں نے کیا کہا کہ تمہاری یہ حالت ہو گئی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری طبیعت کسی پریشانی کیوجہ سے بگڑی ہے۔ کیا کوئی تازہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔"

ہما کے زرد رخساروں پر سے آنسو کے قطرے ڈھلک کر تکئے پر گرے۔ اور اس نے جواب دیا" میں کیا بتاؤں۔ میری جو حالت ہے اس میں قصور آپکا ہے۔ آپ نے تعلیم کے زمانے میں مجھے نہ بتایا کہ انسان کس درجہ شریر و دھوکہ دینوالا ہو سکتا ہے۔ میں خیال کرتی تھی کہ ہر شخص آپ کی مانند ہے اور میں ہر شخص کے کہنے پر اعتبار کرتی تھی۔ نتیجہ وہ ہوا جو میرے سامنے آیا۔ آپ نے مجھے جنگ زندگی کے لئے کیوں نہ تیار کیا۔ آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ اچھے لوگ اسقدر دروغ گو بھی ہو سکتے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ اچھا آدمی تو جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔" اور اس طرح گویا حسن علی خاں سے روٹھ گئی ہے۔ اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

حسن علی خاں۔ (اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر اور اپنی طرف پھرا کر نرمی کیساتھ) جو تم کہتی ہو اسے میں بغیر دلیل کے قبول کرتا ہوں۔ بلیشک میرا ہی قصور ہے۔ اور جو سزا تم مقرر کرو وہ مجھے قبول ہے اب واقعہ کی تفصیل بیان کرو تاکہ مجھے معلوم ہو کہ میں کس حد تک قصوروار ہوں۔

تھا۔ (دھیمی آواز سے جو بار بار رنج و غصہ کی وجہ سے رک جاتی تھی) منوچہر کی ماں چند روز سے طہران میں آئی ہوئی ہے۔ تین دن قبل یہاں آئی تھی۔ اپنے بیٹے کے سامنے اس نے مجھے پیار کیا اور بہت اظہار محبت کیا۔ لیکن اس کی صورت سے ٹپک رہا تھا کہ وہ غمگین ہے۔ کبھی خاموش ہو جاتی تھی اور ایک طرف اپنی نظر گاڑ دیتی تھی۔ جب منوچہر تھوڑی دیر بعد چلا گیا۔ تو اس نے ایک بہانے سے اماں جان کو بھی کمرے سے باہر بھیج دیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کسی بات کا رنج اور فکر ہے۔ آپ مجھ سے بیان کیجئے شاید میں کچھ مدد کر سکوں"۔

پہلے تو انکار کرتی رہی۔ کہنے لگی مجھے کوئی رنج نہیں۔ مجھے اس سے زیادہ کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ یہ کار خیر جلد سرانجام ہو۔ میں تو بیاہ کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہوں۔ لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا کہ جھوٹ کہہ رہی ہے کیوں کہ اسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ میں نے پھر اصرار کیا۔ تو اس کے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگی۔ بیٹی تمہیں اپنی اماں اور اپنے منوچہر کی قسم دیتی ہوں کسی سے کہنا مت۔ کہیں منوچہر کو خبر ہو گئی تو میری زندگی اجیرن کر دیگا۔ میں نے وعدہ کیا اور قسم کھائی تو اسے اطمینان ہوا۔ میرے نزدیک اور آکر کہنے لگی۔ میری بہن کی لڑکی منوچہر کی بیوی ہے۔ اور اس سے دو بچے بھی ہیں۔ میری اس بدبخت بھانجی کے نہ ماں ہے نہ باپ۔ میں نے ہی اسے پالا اور بارہ برس کی تھی کہ منوچہر کے ساتھ بیاہ کر دیا۔ نہایت خوبصورت اور نیک طبیعت ہے۔ مگر آٹھ سال ہونے آئے کہ اس کو روتے ہی گذرتی ہے۔ اس آٹھ سال میں منوچہر دو برس ہوئے اصفہان آیا تھا۔ اور صرف دو مہینے رہا تھا۔ طہران کی عورتوں کو دیکھنے کے بعد بیچاری مہ لقا اس کی نظروں ہی میں نہیں سماتی۔ بیچاری شکل کی

نہایت اچھی۔ مگر تمہارے جیسے لباس اس کے پاس کہاں۔ دو دن سے میں منوچہر کی خوشامد کر رہی ہوں۔ اس کے پاؤں پڑ رہی ہوں۔ مگر سب بیکار۔ وہ کہتا ہے۔ لو میں طلاق نامہ لکھے دیتا ہوں۔ آہ! کیا اس بیچاری کی برسوں کی خدمت کا صلہ یہ دوں۔ کہ طلاق نامہ جا کر اس کے ہاتھ میں دیدوں۔ اور اگر یہ نکروں تو کیا کروں۔ خدا مجھے موت دے کہ اس مشکل سے مجھے نجات حاصل ہو منوچہر تمہیں اتنا چاہتا ہے کہ ماں کی عزت کرنا بھی بھول گیا ہے۔ میرے کہنے کی اسے ذرا پروا نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مجھے یہاں بلانے سے اسکا مقصد کیا ہے۔ تو میں ہرگز اصفہان سے نہ آتی۔ مگر تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ اوپر ایک خدا بھی ہے۔ وہ خدا اس کام سے ہرگز خوش نہ ہوگا۔ اگرچہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم معصوم لڑکی ہو۔ تمہاری ماں تمہارا بیاہ کر رہی ہے یہ کہہ کر وہ رو رہی تھی۔ میں مبہوت و حیران تھی۔ گویا میں خواب دیکھ رہی ہوں اس کے رونے سے میں ہوش میں آئی۔ اس پر میرا دل بہت کڑھا۔ اور میں نے بے اختیار ہو کر کہا۔ "اطمینان رکھو۔ میں منوچہر کی بیوی نہ بنونگی۔ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ مگر اس بیچاری کو یقین نہ آتا تھا۔ مجھ سے بار بار اپنے وعدے کی تکرار کرائی اس وقت سے میرا حال خراب ہے۔

حسن علی: "تم نے اس بارے میں منوچہر سے کوئی گفتگو کی ہے؟"

ہما: "میری بیماری کا سبب ایک یہ بھی ہے کہ میں اس سے اس معاملے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ اور میں نہیں جانتی کہ کس طرح اپنے ارادے کو اس پر ظاہر کروں۔ اکثر آتا ہے۔ اور جب آتا ہے میرا حال بد سے بدتر ہو جاتا ہے

حسن علی خاں: "میں مانتا ہوں کہ اس معاملے میں قصور میرا ہی ہے۔ مگر اس وجہ سے نہیں جو تم نے بیان کی۔ بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے لازم تھا کہ

منوچہر کی گذشتہ زندگی اور موجودہ حالات کی پوری پوری تحقیق کرتا۔ مجھے لازم تھا کہ اصفہان جا کر حالات کی جستجو کرتا کیونکہ اس کی ابتدائی زندگی وہیں گذری ہے۔ بیشک کوتاہی میری جانب سے ہوئی ہے۔ لیکن اگر میں یہ خبر بدلاتا تو تم ہمیشہ مجھ سے بدظن رہتیں۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ تم حقیقت سے خود ہی آگاہ ہوگئیں اگرچہ اب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حقیقت یہی ہے۔ ممکن ہے منوچہر کی ماں نے یہ تمام قصہ گڑھا ہو۔ اس لئے کہ وہ اپنی بھانجی کا نکاح جو بچپن سے اسکی نامزد ہو منوچہر سے کرنا چاہتی ہو۔ اور سینکڑوں وجہیں ہو سکتی ہیں

ہما کی پیشانی کو امید کی چمک نے روشن کر دیا۔ ایک خفیف مسکراہٹ اسکی آنکھوں میں ظاہر ہوئی۔ اس نے جلدی سے لحاف میں سے اپنا ہاتھ نکال کر کہا۔

"ہاں سچ ہے۔ یہ ممکن ہے۔ آپ نے ٹھیک کہا۔ آپ نے درست خیال کیا مگر اصل حال کیسے معلوم کیا جائے"؟

حسن علی خاں۔ "اصلیت معلوم کرنا مشکل نہیں ہے۔ تھوڑے دنوں میں سب حال معلوم ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ بات صحیح بھی نکلی تو یہ نہ ہو کہ تمہارا خیال منوچہر کی طرف سے بدل جائے۔ اور تمہاری زندگی کے پروگرام میں کوئی تغیر واقع ہو"

ہما کا چہرہ پھر بگڑ گیا۔ اس نے ایک آہ کھینچکر کہا "اگر یہ واقعہ صحیح نکلا تو منوچہر برا آدمی ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ وہ بیرحم ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دو عورتوں کو اور دو بیگناہ بچوں کو اپنی خاطر بدبخت کرے"

حسن علی خاں: "فرض کرو کہ منوچہر کی بیوی ایک ایسی عورت ہے۔ جو اسکے ساتھ زندگی بسر کرنیکی اہلیت نہیں رکھتی۔ اور غالباً واقعہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ ایک بارہ سال کی لڑکی میں یہ قابلیت نہیں کہ کسی مرد کے دل کو اپنے اوپر مائل کرلے اگر اس سے اولاد ہوئی تو تقاضائے فطرت تھا نہ کہ محبت۔ منوچہر کی تعلیم و تربیت

طہران میں ہوئی۔ اب تمہاری محبت سے تعلقات زن وشوہر کی دوسری دنیا اسکی نظروں کے سامنے آگئی۔ بیشک اب وہ ایک جاہل اصفہانی عورت کیساتھ زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اور تم بھی کوئی گناہ عائد نہیں ہوگا۔ تم اس بیچاری عورت کی بدبختی کا باعث نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تم نہ ہوتیں تو کوئی دوسری ہوگی۔ بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ منوچہر کا بھی کوئی قصور نہیں۔ بلکہ جو کچھ قصور ہے وہ ہمارے طریقہ ازدواج کا ہے۔ جسمیں ایکدوسرے کی میل و رغبت اور ہم مزاجی کا خیال نہیں رکھا جاتا بارہ برس کی بچی مال تجارت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے جو خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ حالانکہ دو شریک عمر انسانوں کیلئے عالم حیوانیت کے علاوہ دوسرے عالم کی بھی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہیکہ ہمارے ملک میں عورت و مرد کی زندگی ایکدوسرے سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ ایک آسمان کی باتیں کرتا ہے تو دوسرا ریسمان کی"۔

ہما نے انکی بات کی ہنسی اڑا کر کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ گویا کسی بچہ کو بہلا رہے ہیں۔ اور مجھے پھسلانا چاہتے ہیں یا میرا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ یہ دلائل آپنے اپنے لئے کیوں نہ پیش کئے۔ آپ کی بی بی سے بدتر کوئی اور بی بی نہیں ہوسکتی تھی لیکن آپ نے پھر بھی کیوں اس پر اتنی قربانیاں کیں۔ کیوں اسکے ہوتے دوسری بیوی نہ کی۔ میں جو کہتی ہوں کہ سارا قصور آپ کا ہے بالکل صحیح ہے۔ اگر آپ نے میری بات مان لی ہوتی تو یہ تمام دقتیں پیش نہ آتیں"۔ ہما رنج و غصہ سے لرز رہی تھی۔

حسن علی خاں۔ (مسکرا کے) "تمہارا نازک اور حساس دل جو کچھ کہتا ہے۔ مجھے قبول ہے"

ہما۔ (شرما کر) "معاف کیجئے۔ میں بخار میں مبتلا ہوکر نہ معلوم کیا کہہ رہی ہوں منوچہر کا غصہ آپ پر اتار رہی ہوں بیشک سارا قصور اسی کا ہے۔ اسمیں تحمل اور رواداری نہیں۔ خودغرض اور جھوٹا ہے۔ بدآدمی ہے بیرحم ہے"۔

حسن علی خاں۔ "ہما جان تم غلطی پر ہو۔ جھوٹ اور خودغرضی اور بیرحمی منوچہر نہیں کررہا، یہ سب عشق کررہا ہے۔ عشق ایک ایسا ظالم اور جبار حاکم ہے جو اپنے مقصد کو حاصل کرنیکے لئے کس

ظلم اور زیادتی سے نہیں بچتا اسکے مقابل میں ہم محض ایک آلہ ہیں وہ جو چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے۔ ہم وہی دیکھتے ہیں۔ وہی سنتے ہیں جسطرف ہم کو لیجاتا ہے ہم جاتے ہیں جو رنج وہ ہمیں دیتا ہے اس سے ہمیں آرام پہنچتا ہے۔ کبھی ہمارے ہاتھ میں تسبیح دیتا ہے اور کبھی خنجر۔ اور ہم اس قدر بیخود و بیہوش ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ہم سے خودکشی کرنیکے لئے کہے تو ہمیں اسمیں بھی عذر نہیں ہوتا۔ جو شخص ایسے ظالم حاکم کے ماتحت ہو اس پر کیا ذمہ داری ہے۔ آلہ جرم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا منوچہر مجرم نہیں۔ اگر ممکن ہوتا تو عشق کو سزا دیجاتی۔"

ہما کا دل حسن علی خاں کی مدافعت پر شکریہ ادا کر رہا تھا اور اسکا دل اپنی پوری شدت سے اسے حسن علی خاں کے دلائل کو قبول کرنیکے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ حسن علی خاں نے پھر کہا "تمہیں چاہئے کہ منوچہر کو معاف کرو۔ تم اپنا دل بغض و حقارت سے آلودہ نکرو اور ہمیشہ اسکی دلجوئی کرو۔"

اتنے میں دروازہ پر پاؤنکی آہٹ معلوم ہوئی۔ ہما میں ایک تشنجی کیفیت پیدا ہوئی منوچہر کمرے میں داخل ہوا اور سلام کر کے کھڑا ہو گیا نگاہیں ایکدوسرے سے ملیں۔ جس نے فضا کو پر معنی کر دیا۔

ایک دن آئیگا کہ وہ قوت مقناطیسی جو آنکھوں سے نکلتی ہے اسکو قید تحریر و تشریح میں لا سکینگے۔ اسوقت عشق و تمنا و دیگر احساسات کا مفصل حال معلوم ہو سکیگا۔ کیا سوالیاں ہونگی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منوچہر نے محسوس کیا کہ کوئی بلا اس پر نازل ہونیوالی ہے اسکے حرکات سے پریشانی و آشفتگی ظاہر تھی حسن علی خاں کی موجودگی نے کہ وہ ایک معمولی بات تھی اسکو پریشان و مضطرب کر دیا۔ اس نے ہما کے پلنگ کے پاس بیٹھ کر ہما کی مزاج پرسی کی۔ اسکے بعد سب خاموش ہو گئے۔ چند منٹ اسطرح گذرے کسی کو جرات نہوتی تھی کہ کوئی بات کہے آخر حسن علی نے اس خاموشی کو ختم کیا اور کہا میں ہرگز اس بیماری کی توقع نہ رکھتا تھا آپکی رائے میں اس کا کیا سبب ہے؟"

منوچہر کو اس جملہ سے کہ جس سے کسی اعتراض کی بو نہ آتی تھی آرام ملا۔ اور اس نے

کہا' میرا خیال ہیکہ یہ انٹرک (Enteric) ہوگا۔ اسلئے کہ یہ مرض آجکل بہت پھیلا ہوا ہے۔ مگر کوئی فکر کی بات نہیں۔ انشا اللہ جلد صحت ہوجائیگی بشرطیکہ ڈاکٹر کی دوا با قاعدہ پئیں ہیں اور طلعت خانم برابر کوشش کر رہے تھے شاید آپ کامیاب ہوں۔

خاموشی پھر طاری ہوگئی دو منٹ تک صرف ان آدمیوں کے سانس کے سوا اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا دفعتاً حسن علیخاں نے اپنی نظریں زمین پر گاڑکر آہستہ سے کہا۔ افسوس ہیکہ مجھے ایک بری خبر معلوم ہوی ہے۔ اصفہان میں آپ کے بیوی بچے موجود ہیں۔

منوچہر کے چہرہ کا رنگ اڑگیا۔ دو تین دفعہ اسنے اپنی کرسی پر جگہ بدلی اور کہا۔ کیا عرض کروں لیکن آپکا مطلب کیا ہے۔

حسن علی خاں "مطلب یہ ہے کہ مجھے معلوم ہو کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں" منوچہر تھوڑی دیر رکا اسکے بعد اسنے آہستہ زیر لب کہا "نہیں۔ صحیح نہیں ہے۔" ہما نے تیزی کیساتھ اپنا سر اونچا کرکے منوچہر کو دیکھا ابھی تک اسکے چہرہ پر خوشی کے کوئی آثار نہ تھے۔ اسکو دیکھکر منوچہر نے مضطربانہ اور پریشان حالت میں حسن علیخاں کو مخاطب کرکے کہا "ہاں صحیح ہے۔ میرے بیوی بچے ہیں۔ یہ خبر صحیح ہے۔ یہ جواب ان باتوں کا ہے جو میں آپکے خلاف اخباروں میں لکھتا تھا۔ آپ حق بجانب ہیں آخر آپ نے بھی بدلہ لے ہی لیا۔ مگر اگر آپ اجازت دیں تو میں عرض کروں کہ یہ آپ کی حرکت شریفانہ نہیں ہے۔ اسوجہ سے کہ آپ خود اپنے گھر میں مجھے معاف کرچکے ہیں۔ میں نے اپنی خطا کا اعتراف اور آپ سے معافی مانگی اور آپ نے مجھے معاف کیا۔ پھر یہ کیا کینہ جوئی ہے۔"

حسن علی خاں۔ تم جس حالت میں ہو اسی میں تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ اسکے معنی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ ہما کانپ رہی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ کچھ کہے مگر اسکی زبان بند تھی۔ آخر اس نے اسطرح آنکھیں بند کرلیں گویا وہ سو رہی ہے۔ منوچہر بے حرکت زمین پر آنکھیں گاڑے بیٹھا رہا۔ ہما کی طرف دیکھنے سے ڈرتا تھا چند منٹ کے بعد ہما نے آنکھیں کھول کر بہت آواز سے پوچھا۔ اخبارات میں یہ باتیں لکھنے والے تمہیں تھے۔

منوچہر نے اپنے پیشانی پر ہاتھ پھیر کر۔ کیا انہوں نے تم سے نہیں کہا" ہما نے بطریق نفی سر ہلاکر کہا۔ تم ابتک انکو نہیں پہچانے اور نہ پہچانوگے جیساکہ میں نے بھی تمکو نہ پہچانا۔ جو کام تم نے کیا ہے اس سے تو قتل بہتر ہے میں تم کو قاتل نہ سمجھتی تھی۔ بہرحال اس بات کو میں سہہ میں

چھوڑتی ہوں اور تم سے پوچھتی ہوں کہ جب تمہارے بیوی بچے تھے تو تم نے مجھسے کیوں نہ کہا۔ کیا تم مجھے نہیں جانتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میری نظروں میں جھوٹ سب سے بڑا گناہ ہے۔ میں تمہارے متعلق یہ گمان نہ کرتی تھی یہ کیا بے انصافی ہے کیوں میرے پاک عشق اور بیگناہ دل کو تم نے جرم دکھایا۔

آنسوؤں کی جھڑی نے اسے بات کرنیسے باز رکھا اور وہ خاموش ہوگئی۔

منوچہر۔ میں نے اگر بے شرافتی کی اور جھوٹ بولا اسکا سبب غیرتِ محبت تھا۔ تمہارے عشق نے عقل و ادراک کو مجھسے چھین لیا۔ یہ کہکر وہ پلنگ کی پٹیوں پر سر رکھ کر رونے لگا اور کہنے لگا۔ للہ مجھے معاف کرو میں گناہ گار نہیں ہوں۔ گناہگار عشق ہے اس نے مجھسے یہ پست اور نیچے کام کرائے جو تلافی تم کہو وہ کرنیکو حاضر ہوں للہ مجھے معاف کرو۔ میں حسن علیخاں کے پاؤں چوموں گا۔ جو کچھ میرے پاس ہے فقیروں کو دیدونگا۔ مجھے معاف کرو۔

منوچہر لحاف پر سر رکھکر روتا رہا۔ چند منٹ اس حال میں گزرے اسکے بعد ہما نے ہاتھ باہر نکالکر آہستہ سے منوچہر کی پیٹھ پر رکھا اور دونوں نے سر اٹھا کر ایکدوسرے کو دیکھا۔ ہما نے کہا میں ایک شرط سے معاف کر سکتی ہوں

منوچہر۔ تم جو حکم دوگی اسکے کرنیکے لئے میں حاضر ہوں تمہاری جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے حکم کی تعمیل میں سرمو سرتابی نہ کروں گا۔

ہما۔ (آہ بھر کر) میری شرط یہی ہے کہ تم اپنی بیوی بچوں کو یہاں لاؤ اور اسکے ساتھ انسانیت اور محبت کا برتاؤ کرو

منوچہر۔ (متوحش ہوکر) اور تم؟

ہما۔ یقین مانو کہ میں ایسے جرم کی مرتکب نہیں ہوسکتی کہ اپنے ہاتھوں سے چند افراد کی بدبختی کا باعث بنوں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک بیگناہ بچے کو بے باپ کے کردینا سب سے بڑا ظلم ہے۔ جب یہ بچے دیکھیں گے کہ انکی ماں کی جگہ کسی اور نے لی ہے تو ان پر کیا گذریگی۔ انکے زخمی دل پر کون مرہم رکھیگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میں انکی ماں کی جگہ لے لوں۔ میں انکے ساتھ کتنی ہی بھلائی اور محبت کیساتھ پیش آؤں پھر بھی وہ مجھے تقصیرکار سمجھیں گے اور تم سے بھی نفرت کرینگے جس مہربانی و شفقت انہیں باقی نہ رہیگا اور وہ بڑھ کر سخت دل اور شقی القلب انسان بن جائینگے۔ اس بیچاری عورت نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ بچہ اور شوہر اور گھر اور زندگی سے محروم کردیجائے صرف اسوجہ سے کہ تم اسے پسند نہیں کرتے تمہیں اپنی خوشی اسقدر مدنظر ہے کہ ایک جماعت کو اپنی خوشی کیلئے بدبخت کردینے کیلئے تیار ہو۔ کیا یہ مردانگی یہ انسانیت ہے جس شخص سے ایسا جرم سرزد ہوا ہو۔ اسکا ضمیر کسی وقت آسودہ و مطمئن رہ سکتا ہے۔

میں نے تم سے جیسا بارہا ذکر کیا ہے میری اب یہی خواہش ہے کہ اپنی تمام عمر بدبخت ایرانی عورتوں کی تربیت و تعلیم و رفاہِ عام میں صرف کروں۔ میں یہ شادی کر کے بداخلاقی و بےرحمی کا سبق نہ دونگی۔ اس زندگی کی تجویز کو پورا کرنے میں میری زندگی بے مزہ ہوگی عشق میں مر جانا میرے لئے اس سے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ میں جان بوجھکر ایک بیگناہ عورت اور دو بیگناہ بچوں کو بدبخت کروں۔ بے ادراک اور شہوتی مردوں ہی سے ایسا کام ہو سکتا ہے تم کہ روشن دماغ اور ذی فہم ہو کیوں اپنے نفس پر غلبہ حاصل نہیں کرتے اور کیوں ان گناہ آلود لذتوں کے خیال سے درگذر نہیں کرتے جنکے بعد صد ہا افسوس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یقین جانو کہ ایکدن تم اس کام سے پشیمان ہوگے اسوقت رنج اور افسوس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ میں اپنے عشق کو شرافت پر قربان کرتی ہوں انسانیت و وجدان پر نثار کرتی ہوں۔ تم کو مجھ سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

منوچہر (ٹھنڈا سانس بھر کر) میں تم سے نیچا ہوں۔ میں عشق پر ہر چیز کو فدا کردونگا تم اپنے ارادہ سے باز آؤ۔

ہما۔ باوجود اسکے کہ تم مجھے جانتے ہو اور میری طبیعت سے واقف ہو۔ پھر بھی تمہیں اس معاملہ میں اصرار ہے۔ مجھے اسکی توقع نہ تھی۔ تمہیں میرے ارادہ سے پہلے ہی سے واقف ہونا چاہئے تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ میں بہت رنج سہونگی۔ میں جانتی ہوں کہ جب تمہیں میری صورت بھی یاد نہ رہیگی۔ تمہارا چہرہ میری نظروں کے سامنے ہوگا۔ یعنی اس پہلے منوچہر کا اس فرشتے کا چہرہ جس نے انسانی صورت اختیار کرلی تھی۔ نہ کہ اخبار میں مضامین لکھنے والے منوچہر کا۔ میں اپنی اماں جان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اب ناممکن ہے کہ میں تمہارے ساتھ زندگی بسر کرسکوں۔ ناممکن ہے کہ میں ایک جماعت کی بدبختی پر رضامند ہو جاؤں۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے مجھے بدبخت کردیا۔ ناشائستہ حرکت کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ دیکھو اپنے ہاتھ سے تم نے ایسے جس سے محبت کرتے ہو بدبخت کردیا اور اپنے تئیں پریشان۔

منوچہر لیکن اگر حقیقت تمکو مجھسے محبت تھی تو تم اسقدر جلد ان باتوں سے بدل نہ جاتیں عشق ان باتوں سے ٹھنڈا نہیں ہوجاتا۔ میں نے اگر اصل حالات تم سے بیان نہ کئے۔ شدت عشق و علاقہ کیوجہ سے بیان نہ کئے۔ اور اگر حسن جلنجاں کیساتھ برائی کی۔ وہ بھی عشق کے ہی حکم سے میرا ذاتی کوئی قصور نہیں تم سوچو تو کہ میں تمہاری خاطر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے اپنی شرافت کو بھی خیرباد کہہ دی کیا اسکا معاوضہ مجھے یہی ملیگا کہ مجھے تم نکال باہر کروگی۔ میرے لئے کونسی امید اور کیا تسلی باقی رہی۔ میں نے عشق .... چیز کو قربان کردیا مگر آخرکار اسی ہستی نے جس سے میری تمام امیدیں وابستہ تھیں۔ مجھے مردود و مطرود .... ایک خیال موہوم پر مجھے کیوں رنج و غم میں مبتلا کرتی ہو۔ کیا تم خیال کرتی ہو کہ تمہارے اس انکار سے میری بیوی

کو فائدہ اور راحت پہنچیگی۔ مجھے وہ پسند نہیں۔ میں نے کبھی اسکے ساتھ محبت نہیں کی۔ میں جبراً اسکے ساتھ بیاہ دیا گیا اور میں اس سے بھاگ کر طہران آیا۔ وہ جاہل محض ہے۔ کاش کچھ سمجھ رکھتی۔ وہ زندگی کا مقصد یہی سمجھتی ہے کہ اپنے گھر کی چھت سے ہمسایہ کے گھر میں جو مجلس ہو رہی ہو اسے سنے اور بغیر سمجھے ہوئے رونا اور ماتم کرنا شروع کردے۔ میں ایسی عورت کیساتھ زندگی بسر کر سکتا ہوں۔

اگر وہ بدبخت ہوتی۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم دونوں بدبخت ہوں۔ اس جیسی سیکڑوں بھی تمہارے ایک روئیں کے برابر قیمت نہیں رکھتی۔ میں اسکے بچوں کو اس سے چھینونگا وہ اپنی ماں کے پاس رہینگے۔ اطمینان رکھو

ہما نے سر کو جنبش دیکر کہا۔ یہ فرض کر کے بھی کہ تم نے حسن علی کے مقابلہ میں وہ ناقابل عفو جرم نہیں کیا کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری ان باتوں پر ایسا بڑا جرم کرنے کیلئے تیار ہو جاتی۔ کسی کی روح کو ایذا پہنچاتی کیا میرا خوش رہنا ممکن ہے جبکہ مجھے یہ علم ہوا کہ میری وجہ سے ایک دوسرے تڑپ رہے ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اس عورت پر جسکا خاوند دوسری عورت کو لائے کیا گذرتی ہے۔ تمہیں اس درد کا احساس نہیں۔ اس سنگدلی کی سوزش کو وہی سمجھ سکتا ہے جو بیگناہ ہو اور جلاد اسے ذبح کر رہا ہو اور اسے فریاد کرنیکی بھی اجازت نہو۔ یا یہ کہ وہ ایرانی عورت ہو۔ اگر تم مردوں کیساتھ عورتیں بھی ایسا ہی معاملہ کریں تو تمہارے احساسات کی کیا کیفیت ہو تم مرد لوگ سیکڑوں خیالوں میں مشغول رہتے ہو کہ ان میں سے ایک محبت بھی ہے لیکن عورت کو سوائے شوہر کے خیال کے اور کوئی مشغولیت نہیں۔ ایک دن تمہیں اپنی ہوا وہوس کی آگ بجھانے کا خیال ہوتا ہے اور ایک دوسری عورت کو اپنے دام میں پھانس لیتے ہو اور اس پہلی بیچاری کی سوزش اور تڑپ پر ہنستے ہو یا ہنسی کرتے ہو۔ کیا عورت انسان نہیں ہے؟ کیا وہ احساس نہیں رکھتی؟ دل نہیں رکھتی؟ فکر نہیں رکھتی؟ تم تعلیمیافتہ نوجوان ہو کر کہتے ہو۔ مجھے اپنی بیوی سے محبت نہیں اسے چھوڑدونگا یہ بات قدرتی ہے لیکن اگر عورت کو تم سے محبت نہو تو تم یہی حق اسے دینے کیلئے بھی تیار ہو؟ تم اسے اجازت دیتے کہ وہ جا کر کسی دوسرے سے اپنا دل خوش کرتی؟ تم مرد لوگ ان بیرحمیوں سے خیال کرتے ہو کہ اپنے لئے لذت وخوشی کا سامان مہیا کرتے ہو۔ مگر تمہیں معلوم نہیں کہ ان نفس پرستیوں سے کیسی بدبختی اور بدنصیبی اپنے لئے مول لیتے ہو اور ان بدکاریوں سے سوسائٹی میں کس فساد اخلاق کے باعث ہوتے ہو۔ عورت کو خریدتے ہو اور بیچتے ہو اور اسکے حسن شخصیت اور انسیت کو محو کرتے ہو اور ایک نئی جنس دنیا میں پیدا کرتے ہو جو حیوان و انسان کے مابین ہے۔ یہی جنس تمہاری مائیں ہوتی ہیں اور وہ تمہیں پالتی ہیں اور اپنی تربیت کا پہلا سبق تم ان سے حاصل کرتے ہو۔ کیا تم توقع کرتے ہو کہ ہم اس سے بہتر ہوں جیسا کہ ہم ہیں۔

کیا تمہیں امید ہے کہ یہ عورتیں زندگی میں تمہاری شریک ہو سکتی ہیں اور ان میں اسکی قابلیت ہے کہ بار زندگی کے اٹھانے میں تمہاری مدد کریں یا مختیوں میں تمہیں تسلی دیں جس قسم کی مخلوق کہ تم تیار کرتے ہو وہ سوائے اسکے کہ تمہارے کندھوں پر ایک بوجھ ہوں اور کچھ نہیں ہو سکتیں۔

یہ اس ابتدائی تربیت کا اثر ہے۔ اس تربیت کا جو تم نے ماں کی آغوش میں پائی کہ باوجود اسکے کہ تم نے کالج میں تعلیم پائی اور اصول اخلاق سے واقف ہو پھر بھی تمہارے خیالات اس قسم کے ہیں اپنی بزدلی اور جھوٹ کی تائید میں دلیلیں پیش کرتے ہو اور اپنے خیال میں اپنی برأت کرتے ہو۔

منوچہر کے چہرہ کا رنگ سرخ ہو گیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا: "میں چونکہ جھوٹا اور مجرم ہوں اب میں جاتا ہوں" اور یہ کہہ کے جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابھی باہر نہیں پہنچا تھا کہ ہما نے بلند آواز سے بلایا: "منوچہر آؤ۔ مجھے دو ایک باتیں اور کہنی ہیں" منوچہر لوٹا۔ دیکھا کہ ہما کے آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اس کو دیکھکر اسکو یقین ہوا کہ ہما کو اس سے محبت ہے اور اسکے خیالات میں ایک تغیر کلی واقع ہو گیا۔ ان کی نظر میں ہما بہت اونچی نظر آئی اور اسے معلوم ہوا کہ تربیت کے زیر اثر اور استعداد ذاتی سے عورت بھی ایک مضبوط اخلاقی اصول پر قائم رہ سکتی ہے اور اپنے تئیں اس پر فدا کر سکتی ہے اور اس نے سمجھا کہ اس معاملہ میں ہما کا قدم اس سے ثابت تر اور مستقیم ہے کیوں کہ وہ بھی ان اصول کو قبول کئے ہوئے ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اپنے ضعف طبیعت کی وجہ سے ان اصول کو عشق پر فدا کر رہا ہے اس پر ثابت ہو گیا کہ عورت کی قوت دماغی مرد سے کم نہیں۔ بلکہ صفات انصاف و مروت عورت میں مرد سے زیادہ ہیں۔ اگر عورت کسی عقیدہ میں راسخ ہے تو اس پر وہ مضبوطی سے قائم رہ سکتی ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ عورت اپنی خواہشات پر زیادہ قابو رکھتی ہے دراں حالیکہ مرد ان کا مغلوب اور اسیر رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مرد ہمیشہ نیازمند اور عورت بے نیاز۔ مرد سائل اور عورت بخشنے والی رہتی ہے۔

ہما نے کہا: "منوچہر کیا ممکن ہے کہ تم میری ایک خواہش قبول کرو؟" منوچہر تھوڑی دیر سوچ کر۔" اس مرتبہ تم جو کہو گی میں قبول کروں گا۔ اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ تم میری خیر طلب ہو"

ہما۔" میری خواہش یہی ہے کہ تم اچھے بن جاؤ۔ یہ خیال کہ تم برے ہو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ تم اپنے بال بچوں کو طہران سے لے آؤ۔ اور انکی تعلیم میں کوشش کرو۔ بالخصوص اپنی بیچاری بیوی کو ایک مبتدی شاگرد تصور کر کے اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرو۔ ایرانی عورتوں کی ملائم اور اثر پذیر طبعیت سے میرا عقیدہ ہے کہ وہ کسی عمر کی ہوں انہیں تعلیم دیجا سکتی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میری خاطر سے ایک بیچاری کو خوش بخت کرو۔ اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ خود تم بھی خوش بخت ہو جاؤ گے"

ہما اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ رنج نے اس کے حلق کو بند کر دیا۔ آنسو اس کے رخساروں سے ڈھلک رہے تھے۔

منوچہر پلنگ کی پٹی سے لگا ہوا اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر چوم رہا تھا اور رو رہا تھا۔ چند منٹ کے بعد اس نے آہستہ سے ہما کا ہاتھ لحاف پر چھوڑ کر رکھ دیا۔ اور اٹھ کر دروازے کی طرف یہ کہتا ہوا روانہ ہوا۔

"اچھا جاتا ہوں، تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا"

ہما روتے ہوئے کہہ رہی تھی "آہ منوچہر" لیکن وہ جا چکا تھا۔

منوچہر کے جانے کے چند منٹ بعد حسن علی خاں کمرے میں داخل ہوا ہما کو دیکھا کہ جسم ٹھنڈا ہے۔ رنگ اڑا ہوا ہے اور آنکھیں بند ہیں۔ وہ بے اختیار ہو کر چلایا۔ اور طلعت خانم کو آواز دی۔ کوئی آدھ گھنٹے کی مالش و معالجے کے بعد ہما نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ جوں ہی اسے ہوش آیا اور اسکے

خیالات دماغ میں پھر آئے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو پھر جاری ہو گئے۔
طلعت خانم بھی رو رہی تھی۔ حسن علی خاں بھی رو رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں مختلف احساسات و خیالات کا گذر ہو رہا تھا۔ جو اسے مضطرب کئے ہوئے تھے۔ مگر حسن کو وہ قابو میں کئے ہوئے تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ منوچہر اور ہما کی گفتگو کا کیا نتیجہ ہوا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں صلح نہ ہو گئی ہو۔ طلعت خانم نے روتے ہوئے کئی دفعہ ہما سے پوچھا "منوچہر کو کیوں جانے دیا"
ہما نے جواب نہ دیا۔ بلکہ طلعت خانم کے سوالات سے اس کے رونے میں اور اضافہ ہو گیا۔ آخر حسن علی خاں نے آنکھ کے اشارے سے طلعت خانم سے کہا کہ اس بارے میں ہما سے کچھ نہ پوچھیے۔ ہما نے اس اشارے کو سمجھ کر کہا "ہاں اماں جان اس کا ذکر نہ کیجئے۔ وہ گیا اور پھر نہیں آئے گا" ایسا معلوم ہوتا تھا۔ اس فقرہ نے اس کے تمام اعضا کو گویا تحلیل کر دیا۔ کیونکہ یہ کہتے ہی ہما پر ضعف طاری ہوا اور اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔
طلعت خانم گھبرا گئی اور چلا چلا کے کہنے لگی "کیوں نہ آئیگا۔ کیا یہ ممکن ہے ہم تو اس ہفتے میں بیاہ کریں گے اس روٹھ بگاڑ کے کوئی معنی نہیں"
اب حسن علی خاں کے بھی آنسو بہنے لگے۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا اور نہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ آنسو خوشی کے ہیں یا رحم کے۔
ہما جواب نہ دیتی تھی۔ اور طلعت خانم کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ بار بار حسن علی خاں سے ملتجیانہ طریقہ سے کہتی تھی "للہ آپ ہی بتائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ واقعہ کیا ہے؟" حسن علی خاں نے متوحش طریقہ سے زیر لب کچھ کہا۔ جسے طلعت خانم نہ سمجھی۔ اس نے پھر سوال کیا۔ حسن علی خاں اب خاموش تھا اور جواب نہ دیتا تھا۔

ہما نے یہ دیکھ کر کہ حسن علی مشکل میں ہے اور نہیں جانتا کیا جواب دے اسے اس مشکل سے نجات دینے کے لئے طلعت خانم سے کہا۔

"اماں جان منوچہر کے بیوی بچے ہیں اور اس نے مجھ کو اس کی خبر تک نہ دی ایسی حالت میں کس طرح ممکن ہے . . . . . . "

طلعت خانم کو ایسا معلوم ہوا گویا ایک بڑا بوجھ اس کے اوپر سے ہٹا لیا گیا۔ اس نے آرام کا سانس لیکر کہا :۔

"یہ کونسی بڑی بات ہے۔ اس نے بیوی کو طلاق دیدی ہوگی۔ یا دیدے گا۔ وہ تو تمہارے لئے اپنی جان تک قربان کر دے گا۔ مرد کئی بیویاں کر سکتے ہیں۔ جن میں سے چہیتی تو ایک ہی ہوتی ہے۔ باقی روٹی کھاتی ہیں۔ مگر مجھے یہ تو بتاؤ کہ کون مہربان تم کو یہ خبر دے گیا۔ ہاں اب سمجھی۔ جس دن منوچہر کی ماں آئی تھی۔ اسی دن سے تمہاری حالت دگرگوں ہے۔ وہ بڑھیا ہی یہ خبر دے گئی ہے۔ اچھی ماں ہے جو اپنے بیٹے کے ساتھ یہ کر رہی ہے۔" منوچہر کو مبارکباد دینی چاہئے کہ ایسی مہربان ماں اسے ملی ہے۔"

ہما۔ (مضطربانہ) "نہیں اس نے نہیں کہا۔" اور یہ کہکر حسن علی خاں پر اضطرارا نگاہ ڈالی۔ حسن علی خاں نے اپنی نظریں آہستہ آہستہ زمین سے اٹھا کر طلعت خانم سے کہا۔

"اس خبر کو میں لایا ہوں۔ اس خبر کے لانے کے لئے اگر کوئی قصوروار ہے تو وہ میں ہوں۔"

طلعت خانم حیرت زدہ رہگئی۔ اور چشم زدن میں تمام وہ خباثت و بدطینتی کے صفات جو منوچہر حسن علی خاں سے منسوب کرتا تھا۔ اس کے ذہن و یاد سے باہر نکل کے اس کی نظر و دل کے سامنے آگئے اور اس کے دل نے

ہونا۔" قاضی بنکر حسن علی خاں کے جرم کا فتویٰ دیدیا۔ اگر کسی معاملے میں بیٹے کا پاؤں ہو تو ماں سے زیادہ جانبدار کوئی قاضی نہیں ہو سکتا۔

طلعت خانم۔ (کانپتی ہوئی آواز سے) "میں خیال کرتی ہوں اسکی اطلاع شادی سے پہلے دینی لازم نہ تھی۔ بہرحال آپ بھی اس میں کچھ عیب سمجھتے ہوں گے کہ منوچہر کے ایک بیوی ہے۔ لہٰذا آپ ہی ہما کو سمجھائیے کہ ان بچوں کے سے خیالات کو چھوڑے اور اپنی زندگی رنج و غم سے خراب نہ کرے"

حسن علی خاں دیر تک خاموش رہنے کے بعد چاہتا تھا کہ کچھ کہے۔ مگر ہما نے روکا اور کہا۔" اماں جان آپ کیوں انھیں اذیت پہنچا رہی ہیں۔ وہ اپنے اور میرے اصول اخلاقی کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکینگے"

طلعت خانم۔ (بے اختیار ہو اور جلکر) "یہی اصول اخلاقی ہیں کہ آدمی بلاوجہ رنج و غم میں مبتلا رہے۔ اور خود اپنی خوش بختی پر لات مارے۔ خود بدبخت ہو اور اپنی ماں کو رنج سے ہلاک کر دے۔ صاحب اخلاق یہ نہیں کرتے۔ رکھو اپنے اصول کو"

حسن علی خاں۔" آئیے میں آپ کو سمجھاؤں۔ بات کیا ہے۔ کیا آپ اس بات پر راضی ہو جائیں گی کہ ہما کے ساتھ شادی کرنے کے بعد منوچہر کسی دوسری عورت سے شادی کرلے؟ بس اسی طرح ہما بھی اس بات پر راضی نہیں ہوتی کہ وہ کسی بیچاری عورت کو بدبخت کرے"

طلعت خانم۔ (تمسخرانہ ہنسی کیساتھ) "یہ سب رہنے دیجئے۔ منوچہر ہما پر بیوی نہ لائے گا۔ وہ کیوں ایک ایسی عورت کی خاطر جس میں شاید ہزار عیب ہوں اپنی زندگی خراب کرے۔ آپ سے مجھے اس صلاح کی توقع نہ تھی"

حسن علی خاں کی جانب طلعت خانم کا طرز عمل یکایک ایسا متغیر ہوا

اور اس کی گفتگو کا ڈھنگ ایسا بدلا کہ حسن علی خاں اور ہما دونوں کو نہایت تعجب ہوا اور ہما نے کہا: ''اماں جان آپ کو معلوم ہے کہ میں بچہ نہیں میں اب اپنی بھی رائے رکھتی ہوں۔ اور نیک و بد کو سمجھتی ہوں۔ جو میں اپنے لئے مناسب سمجھوں گی وہی کروں گی۔''

طلعت خانم۔ (کانپتی ہوئی آواز سے) ''اصلیت تو یہی ہے کہ تم بچہ ہو۔ اور بچپن کے خیالات کی وجہ سے اپنے تئیں بدبخت کرنا چاہتی ہو۔ غالباً اسلئے کہ تمہارے بھائی جان بھی تمہارے ہم عقیدہ ہوگئے ہیں۔ نہ معلوم کیوں۔ شاید پہلے ہی سے وہ دل میں اس شادی کے خلاف تھے۔

حسن علی (اپنی جگہ سے ایک دم اٹھ کر جلدی سے) ''میں پہلے سے اس کے خلاف کب تھا؟ آپ نے میری کس بات سے یہ استنباط کیا۔''

طلعت خانم۔ اگر آپ پہلے سے خلاف نہ تھے۔ تو آپ اس موقع پر منوچہر کے بیوی رکھنے کی خبر لاکر نہ سناتے۔'' حسن علی خاں اس پر سر نیچا کر کے خاموش ہو رہا۔

ہما نے اس خیال سے کہ ان جلی کٹی باتوں کو ختم کرے کہا۔

''اماں جان۔ اس بارے میں آپ زیادہ نہ کہیے۔ ممکن ہے میری رائے بدل جائے اور میں راضی ہو جاؤں۔''

حسن علی خاں کا اس فقرے سے دل بیٹھ گیا۔

(۲۹)

منوچہر کا گھر

پہلے دن، منوچہر اس ناگہانی چوٹ کی وجہ سے سراسیمہ تھا۔ اور اپنے خیالات جمع نہ کر سکتا تھا۔ کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ کھانا نہ کھاتا تھا۔ جب اضطراب اوّلی

رفع ہوا تو اس نے اپنی حالت و وضعیت پر غور کیا۔ وہ ناقابل فراموش لمحے جبکہ عشق نے طلوع کیا تھا اس کے ذہن میں آئے۔ وہ مضبوط عہد و پیمان جن کے نسبت کبھی وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ان میں کمزوری پیدا ہو گی یا وہ ٹوٹ جائیں گے! وہ خوش بختی و خوش زندگانی کی داغ بیل جو دونوں ڈال رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی خواہش اور ارادوں پر تسلیم و رضائے محض! وہ گہری اور محبت بھری اور معنی خیز نگاہیں! کیا کبھی خیال ہو سکتا تھا کہ یہ آگ اک دن ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ دو ہستیوں کے ذرے جو اس آگ سے تحلیل ہو کر ایک دوسرے میں مخلوط ہو گئے تھے۔ ایک دن جدا ہو جائیں گے۔

خوشی کے ان ایام کی یاد اس کے جسم و جان کو مہلک درد و تکلیف وضعف میں مبتلا کر رہی تھی۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ خودکشی کر لیتا۔ مگر ناکامیٔ عشق۔ کہ موت اس کی مرغوب دوا ہے۔ ہر قسم کی قوت انسان سے سلب کر لیتی ہے۔ قوت ارادی معطل ہو جاتی ہے۔ وہ ہر وقت ایک خیال کے عالم میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کی حالت اس آدمی کی سی ہوتی ہے جو خواب میں کسی چیز سے خوف کھاتا ہے۔ مگر نہ بھاگ سکتا ہے نہ فریاد کر سکتا ہے۔ ہما میں جو تغیر واقع ہوا اس کے سمجھنے سے وہ قاصر تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ کوئی حادثہ۔ کوئی واقعہ ہما کے عشق میں خلل انداز نہ ہوگا۔ وہ اپنے دل میں کہتا تھا: "عشق موانعات کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اپنے سوا کسی چیز کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ وصل محبوب کے ہر وسیلے کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ عاشق جو دوسروں کے سمجھانے بجھانے سے بدل جائے یا خارجی معاملات کے ماتحت عشق کا دامن چھوڑ دے، عاشق نہیں ہے۔ ہما نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ جتنا

ظاہر کرتی تھی آتنی اس کو مجھ سے محبت نہ تھی۔ وہ اظہار مہر اقت و براستی سب بنا وٹی تھا۔ وہ لطف و مہربانی سب مصنوعی تھا۔ ورنہ اس سے یہ ممکن تھا کہ مجھے ایسا رنج پہنچائے۔ اسے معلوم ہے کہ میں کس درد میں مبتلا ہوں۔ اور وہ آرام سے

ان خیالات نے آہستہ آہستہ منوچہر کو عشق کے دوسرے مرحلے میں پہنچانا شروع کیا۔ یعنی عشق اب سینے میں تبدیل ہو رہا تھا لیکن یہ تبدیلی ابھی پورے طور پر واقع نہ ہوئی تھی۔ اب عشق غالب تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کوئی چھوٹی سی دلیل بھی ملے، تو ہما کو بری الذمہ کر کے سارا قصور کسی اور کے سر تھوپ دے۔ باوجود اس کے کہ حسن علی خاں اور اس کے درمیان میں جو واقعات ہوئے تھے اس سے وہ شرمندہ تھا۔ پھر بھی وہ حسن علی خاں کو مورد الزام قرار دیتا تھا۔ اور اسے مستحق حملہ سمجھتا تھا لیکن وہ ابھی متردد تھا۔ کسی خیال پر مستحکم نہیں ہو سکتا تھا کہ طلعت خانم کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی اس پر ایک رقت طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ وہ ادھر اُدھر دیکھتا تھا۔ تاکہ طلعت خانم اسکے حال سے واقف نہ ہو جائے۔ آخر ایک غمگین مسکراہٹ اور آواز سے اس نے طلعت کو سلام کر کے اور مزاج پوچھ کے کہا۔

"آپ نے دیکھا۔ ہما خانم نے میرے ساتھ کیا کیا؟"

طلعت (ایک آہ بھر کر) خدا کی قسم ہما تمہیں اتنا چاہتی ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ خود رنج کی وجہ سے بیمار رہے۔ نہ اس کے بھائی کا برا نہ کرے۔ یہ عجیب غریب خیالات سب اسی نے ہما کے دماغ میں پیدا کر دئے ہیں۔ اسی نے یہ خبر ہما کو لا کر دی اور اب وہی نہیں چاہتا کہ"

منوچہر کے مبہم خیالات کو ایک معین و ثابت شکل اختیار کر لینے

کے لئے ان الفاظ سے زیادہ کی ضرورت نہ تھی۔ حسن علی خاں کی نسبت اس کی بدگمانی اب یقین میں تبدیل ہوگئی۔ کینے کے جذبہ نے بغیر تردد و بغیر خجالت کے اپنا منہ دکھایا۔ اپنی جگہ سے جلدی سے اٹھ کر اس نے کہا۔ "قسم ہے خدا کی میں اس آدمی سے انتقام لئے بغیر نہ رہوں گا۔"

طلعت خانم۔ (گھبرا کر) "نہیں یہ مناسب نہیں۔ ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو۔ جو کچھ بھی ہو۔ تمہاری بیوی کا بھائی ہے۔ بلکہ اس کے باپ کی جگہ ہے۔"

منوچہر۔ (آہ بھر کر) ہما اگر میری بیوی بن جائے تو مجھے دنیا کی برائی یا بھلائی سے غرض نہ رہے۔"

وہ سچ کہتا تھا۔ عاشق کا ہاتھ جبتک دامنِ معشوق تک نہیں پہنچتا وہ خیال کرتا ہے کہ سوائے اس کے دنیا میں اسے کوئی اور آرزو نہیں۔

طلعت خانم۔ ہم کو سوچ کر اس مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا کرنا چاہیئے مثلاً یہ کرو کہ ہما سے کہو تمہارے کوئی بیوی نہیں۔ مدت ہوئی تم نے اسے طلاق دیدی اور فوراً طلاق نامہ لکھ کے اپنی بیوی کے پاس بھیجدو۔ ہما کے لئے تم مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ کر سکتے ہو۔ اور بات بھی تو یہی ہے کہ مناسب نہیں کہ ہما تمہاری بیوی بنے اور اس پر بھی تمہاری ایک دوسری بیوی ہو۔

منوچہر کا دل چاہتا تھا کہ وہ یقین کرے کہ یہ شرط ہما نے لگائی ہے۔ خوشی اس کے چہرے سے ٹپکنے لگی۔ اس کے رخساروں پہ رنگ آگیا۔ اور اس نے جلدی سے کہا۔

"میں خود یہی ارادہ کر رہا تھا۔ مگر ہما خانم نے مجھے روک دیا اور مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اپنی بیوی کو نہ چھوڑدوں۔"

طلعت خانم۔ (ہنس کر) ظاہر ہے کہ یہ اس نے حسد و رنج کی وجہ سے کہا۔

کیا تم نہیں سمجھتے کہ وہ کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم میری خاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔" منوچہر کی خوشی اب خارج از بیان تھی۔ خاص کر اس لیے کہ اس افسردگی اور غم کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ اور چوں کہ طلعت خانم نے جو کچھ کہا تھا وہ عین اس کی دلی آرزو کے مطابق تھا۔ اس نے اسے ایک حقیقت مسلم کی طرح قبول کر لیا۔ اور نہایت بشاشت کے ساتھ جلدی سے کہا۔

"میں ابھی ملّا کے پاس جاتا ہوں اور اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں۔ اس کی طرف سے آپ اطمینان رکھئے۔ باقی کام آپ کے سپرد کرتا ہوں۔

طلعت خانم۔ جلدی کرو میں جا کے یہ خوشخبری ہما کو سناتی ہوں اور انشاء اللہ اسی ہفتہ میں کار خیر سرانجام ہو جائے گا۔

(۳۰)

قزوین کو روانگی

ہما حسن علی خاں سے کہہ رہی تھی "میں نہیں جانتی کہ میں اپنی بے سمجھ ماں کو کس طرح سمجھاؤں اور اس کے ساتھ کیا کروں۔ آج میرے لئے خوشخبری لائیں کہ منوچہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی! وہ میرے خیالات کو سمجھ ہی نہیں سکتیں۔ انسانوں کی قوت مدرکہ میں کیسا اختلاف اور تفاوت ہے۔ اور کیوں ہے؟ کیا آپ کی رائے میں تربیت و تعلیم اس زبردست فاصلے کا باعث ہے۔ یا کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دن آئے گا جب تعلیم ان اختلافات کو مٹا دے گی؟۔

حسن علی خاں۔ "جب طرح انسانوں کی شکلوں میں باہم اختلاف ہے۔ ہمارے دماغ بھی اسی طرح ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ لیکن ایک زمانہ

آئے گا جب دنیا میں تعلیم و تربیت یکساں ہوگی۔ اور افراد بشر من حیث ہم ایک دوسرے سے نزدیک تر ہو جائیں گے۔ مگر تمہاری جان کی قسم آج مجھے ان مسائل پر غور کرنے کی ہمت نہیں۔ میں کل قزوین جا رہا ہوں۔ اور مجبور ہوں کہ روح رنجور اور حال ناخوش میں تمہیں چھوڑ جاؤں۔

ہما۔ اگر آپ کو مجھ سے ہمدردی ہے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلئے۔ یہاں ممکن ہے میں مر جاؤں اور آخری وقت آپ کو نہ دیکھ سکوں۔

حسن علی خاں سوچ میں پڑ گیا۔ کہ اتنے میں طلعت خانم کمرے میں داخل ہوئی۔ حسن علی خاں نے سوچنا ختم کر کے کہا: "اسباب وغیرہ باندھ لیجئے۔ کل ہم سب قزوین چلیں گے۔

طلعت خانم۔ (اس طرح گویا وہ نیند سے جاگ رہی ہے۔ اپنی آنکھیں خوب کھول کے) کیا کہا آپ نے؟ ہم قزوین کیوں جائیں۔ اس بدبخت لڑکی کا یہاں بیاہ ہے۔

حسن علی خاں۔ بہرحال اس وقت تو وہ بیمار ہے اور قزوین جانا بیاہ کے منافی تو نہیں۔ طلعت خانم کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا اور وہ حسن علی خاں سے لڑنے پر آمادہ تھی۔ لیکن ہما نے ایک تیز نظر سے اسے منع کیا اور کہا "اماں جان آپ نہیں چلتیں تو میں جاتی ہوں۔ میرے کپڑے وغیرہ درست کر دیجئے"۔ طلعت خانم نے دیکھا کہ مخالفت یا اصرار سے کچھ حاصل نہ ہوگا فوراً کمرے سے باہر نکل کے منوچہر کے ہاں گئی اور اسے سب حال سنایا اور کہا کہ کوئی ترکیب سوچ کر اسے روکنا چاہیئے۔

اس زمانہ میں منوچہر شیخ حسین کی مدد و معاونت کا بھروسا ہوا تھا اور اس سے مشورہ اور صلاح لیا کرتا تھا۔ اس وقت شیخ بھی اس کے

ہاں موجود تھا۔ طلعت خانم کے آنے پر وہ پیچھے کے کمرے میں چھپ گیا تھا۔
منوچہر نے بہت کچھ سوچا۔ مگر اسے کوئی ترکیب نہ سوجھی۔ تو وہ طلعت خانم سے یہ کہکر "آپ ذرا تشریف رکھئے مجھے بیاس لگ رہی ہے۔ ایک گلاس پانی پی آؤں۔ میرا حلق خشک ہو رہا ہے" شیخ حسین کے کمرے کی طرف گیا۔

شیخ حسین نے منوچہر کے چہرے کی وحشت و اضطراب کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ اسے کوئی نہایت پریشان کن خبر ملی ہے۔ جب واقعہ کی تفصیل اسے معلوم ہوئی تو وہ دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے بعد اس طرح کہ گویا اسے ترکیب سوجھ گئی۔ اس نے منوچہر کے کندھے پر ہنستے ہوئے ہاتھ رکھ کر کہا۔

"لو تمہارا کام ٹھیک ہوگیا۔ آؤ ہم بھی قزوین چلیں"

منوچہر۔ (عاجزانہ طریقے سے) للہ جلد بتاؤ۔ کیا ترکیب ہے اور کیا سوچا ہے۔ میں بھی تو سمجھوں"

شیخ حسین نے اپنی عینک اٹھا کر عبا کے دامن سے اپنی پیشانی اور چہرے کا پسینہ پونچھا اور کہا "کیا تم بھول گئے کہ روس کی فوج قزوین میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ بیچارہ خود اپنے پاؤں جہنم کو جا رہا ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے روسیوں سے رابطہ پیدا کر لیا ہے۔ تم اس بڑھیا کو تو یہاں سے روانہ کردو تاکہ میں تم سے اطمینان سے باہر چلکر باتیں کروں اس کمرے میں تو میں گھٹ گیا۔

منوچہر نے طلعت خانم کے پاس آکر کہا "میں نے بہت سوچا۔ فی الحال مجھے کوئی ترکیب نظر نہیں آتی کہ میں کیوں کر انہیں قزوین جانے سے روکوں۔ آپ بھی تشریف لے جائیں اور دیکھیں میں کیا کرتا ہوں۔ ہما چاہے یا نہ چاہے میری بیوی ہو کر رہے گی۔ میں نے اس کا تہیہ کر لیا ہے۔

طلعت خانم۔ "انشاء اللہ" یہ کہہ کے کمرے سے باہر جاتی ہوئی اس طرح گویا اپنے دل سے باتیں کر رہی ہے۔ یہ کہتی ہوئی نکلی۔ "نتیجہ کیا ہوگا۔ میں تمنا کاتتی ہوں۔ حسن علی اسے پھر روئی بنا کر رکھ دیتا ہے۔"

منوچہر شیخ سے پوچھ رہا ہے۔ "آپ نے کیا نقشہ قائم کیا ہے؟ کیا سوچا ہے؟"

شیخ نے تھوڑے سے سکوت اور پھر ایک لمبی تمہید کے بعد کہا۔ "آخر تمہاری تمنا وصل معشوق ہی تو ہے؟ بہت خوب۔ بس اسکا سرانجام میرے اوپر چھوڑ دو۔ میں قزوین جا رہا ہوں۔ تین مہینے کا خرچ مجھے دو تین مہینے کے بعد یا انشاء اللہ قبل تین مہینے کے تم اس لڑکی کے شوہر ہو جاؤ گے اس وقت میں تم سے اپنا پروگرام بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بھید جب ایک سے دوسرے کے پاس پہنچا۔ بھید نہیں رہتا۔ مشہور ہو جاتا ہے۔"

منوچہر نے ناسمجھ بچے کی طرح جو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہر شرط منظور کر لیتا ہے۔ شیخ کی تمام شرطیں منظور کر لیں۔

(۳۱)

قزوین میں روسی فوج

شیخ حسین قزوین میں پہنچتے ہی روس کے قونصل خانہ میں گیا اور چند منٹ تک تاجر باشی مشہدی قربان سے محرمانہ باتیں کر کے اس کے ساتھ قونصل کے پاس گیا۔ اور کہا۔ میں شہنشاہ کی ایک خدمت کرنے حاضر ہوا ہوں۔ امید ہے میری خدمت کی قدر کی جائے گی۔

قونصل۔ اور کس طرح تمہاری قدر کی جائے۔ حکومت شہنشاہی کی خدمت

کے لیے تمہیں ماہانہ تیس تومان دئیے جاتے ہیں۔ اور کیا چاہتے ہو؟

شیخ (مسکرا کر) انگریزی سفارت خانہ میں تین درجہ کے مخبر ہوتے ہیں سب سے نیچے درجے کے مخبر کی تنخواہ بارہ پونڈ ہوتی ہے۔ ہاں اگر اس مخبر کو ایرانی حکومت کے کسی محکمہ میں نوکری مل گئی تو اس کی تنخواہ آتنی کم کر دی جاتی ہے جتنی اسے وہاں سے مل رہی ہے۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ آپ مجھے بہت دیتے ہیں۔

قونصل۔ انگریزوں کے پاس ایران میں کوئی قوت نہیں۔ اس لیے مجبوراً انہیں روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہاں ہماری فوج ہے۔ ہم جو چاہتے ہیں نیزے کی نوک سے انہیں کرا لیتے ہیں۔ ہم کو مخبر اور پرچہ نویس کی ضرورت نہیں۔ اور جتنا ہم خرچ کرتے ہیں وہ محض انگریزوں کی وجہ سے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اب تک ہم نیزے کی نوک سے قلم کو توڑ چکے ہوتے۔ اور تم جیسے آدمیوں کی ہمیں مطلق ضرورت ہی نہ رہتی۔

شیخ حسین۔ "آپ نئے رئیس مالیہ کو پہچانتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے وہ کیسا آدمی ہے؟"

قونصل۔ ابھی میں اس سے نہیں ملا۔ مگر سنا ہے اچھا آدمی ہے۔ لیکن کہتے ہیں وطن پرست ہے۔

ہوا کرے وطن پرست۔ اگر ہمارے کاموں میں دخل انداز نہ ہو تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔"

شیخ۔ مجھے جو اطلاع ملی ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ کاش وہ صرف وطن پرست ہی ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ

وہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور یہاں بھی اس کی کوشش ہے کہ

ایک انجمن سیاسی قایم کرے ۔ میں بھی اپنے تئیں اس کے حلقے میں داخل کر کے اس کی حرکات کی نگرانی کروں گا ۔

قونصل۔ اگر حالات یہ ہیں تو بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی ۔ میں فوراً جا کر کمانڈر انچیف سے عرض کرتا ہوں ۔ بہر حال میں تمہاری دوسری رپورٹ کا منتظر رہوں گا ۔

(۳۲)

حسن علی خاں کا گھر

شیخ حسین نے، حسن علی خاں سے دوستی پیدا کر لی ہے ۔ اور اس کے سامنے اسے خوش کرنے کو ایران کی بدبختی کا ماتم کیا کرتا ہے ۔ اور روسی فوج کے مظالم کا ہر دفعہ اس سے ایک نیا قصہ بیان کرتا ہے ۔ اپنے تئیں خادم وطن و محب ملت ظاہر کرتا ہے ۔ غرض کہ ہر طریقے سے اس نے حسن علی خاں کی محبت حاصل کر لی ہے ۔ اور اس کے دل میں گھر کر لیا ہے ۔ اکثر راتوں کو ہما اور حسن علی خاں شوق سے اسے اپنے گھر میں قبول کرتے ہیں ۔ اور وہ عموماً رات کا کھانا انہیں کے ساتھ کھاتا ہے ۔ صرف اس کی کثافت اور کھانا کھانے کے طریقے سے ذرا تنگ ہوتے ہیں ۔

شیخ حسین نے ایک تجویز پیش کی کہ ایک سیاسی انجمن روسیوں کے خلاف قایم کی جائے ۔ لیکن حسن علی خاں نے کہا میں سرکاری نوکر، میں اس میں شرکت نہیں کر سکتا ۔ اور اس طرح اس تجویز کو رد کر دیا ۔

اس طرح دو مہینے گذر گئے ۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ اپنے مقصد اور ارادے کو بھول گیا ہے اور اور خیالات میں منہمک ہے ۔ ہر روز بے صبری سے

دن کاٹتا تھا کہ شام ہو تو حسن علی خاں کے گھر جائے۔ اور اگر حسن علی کو سرکاری کاموں میں مشغول پاتا تو ہما کے ساتھ سیاسی و وطنی مسائل پر بہت جوش وخروش سے گفتگو کرتا۔ حسن علی خاں اس سے بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ اپنے ملک کے حالات پر بحث کرنا اور ان کے متعلق سوچنے اور رنج کرنے سے ہما مصروف رہتی ہے۔ اور اسطرح اس کا رنج عشق کم ہوتا ہے۔

تیسرا مہینہ بھی اسی طرح کٹ گیا۔ منوچہر کے ہر خط میں اس کی بے صبری پہلے سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس کا لہجہ زیادہ شدید ہوتا ہے۔ شیخ سے تقاضا کرتا تھا کہ وہ کیا چال چل رہا ہے۔ کچھ تو اسے بتائیے۔ اس نے کئی دفعہ لکھا کہ "میں قزوین آرہا ہوں" لیکن شیخ نے یہ دلیل وبراہین اسے اس ارادے سے روکا ادھر اس وجہ سے کہ تین مہینے ہو گئے اور اس نے کوئی کام کر کے نہیں دکھایا اس کی قدر روسیوں میں بھی گھٹ رہی تھی۔

ان تمام باتوں نے اسے اپنی وضعیت حقیقی سے آگاہ کیا۔ اسکے لئے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ حسن علی کو کسی زحمت میں مبتلا کردے لیکن یک امر مانع تھا۔ تاہم وہ امر مانع' مانع وجدانی نہ تھا۔ اسے اس کا خوف تھا کہ یہ تین مہینے کی پر لطف زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور ہما کی ملاقات وصحبت سے محروم ہو جائے گا۔ دو ایک دن وہ ایک کشمکش دروغی میں مبتلا رہا۔ آخر بہت سوچ بچار کے بعد اس نے ایک ترکیب کی بنا ڈالی اور اپنے خیال میں ایک نقشہ تیار کیا۔ جو ہمہ جہت مکمل اور ہر قسم کی خوبی سے آراستہ تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی بھی پوری کرے گا اور لطف سے بھی محروم نہ رہے گا۔ شیخ حسین نے چند مرتبہ مشہدی جبار باد کوبہ ای کی ایران دوستی وجذبات وطن پرستانہ کا ذکر حسن علی خاں سے کیا تھا۔ اور کہا تھا۔ یہ قفقازی بیچارے باوجود اس کے کہ مدت سے

روسی اقتدار و جبروت کے ماتحت ہیں۔ ابھی تک جذبۂ ایرانیت کو نہیں بھولے ہیں اب تک وہ اپنے تئیں ایران سے ہی منسلک سمجھتے ہیں۔ جب موقع ملتا ہے۔ ایران اور ایرانیوں کے ساتھ اظہار محبت میں کوتاہی نہیں کرتے۔ روس نے ایران کو جو اس وقت دبا رکھا ہے اس سے ان کی روح ہی مٹادی ہے۔ اور وہ دل میں ہر طرح سے چاہتے ہیں کہ روسیوں کو ناکامیابی ہو۔

آخر ایک دن وہ مشہدی جبار کو حسن علی خاں کے ہاں لے آیا۔ ہر قسم کا ذکر مذکور رہا۔ شیخ حسین نے اہل ایران کی بدبختی اور روسیوں کی زیادتی و مظالم کا ذکر چھیڑا۔ حسن علی خاں زیادہ تر خاموش رہا۔ جبار کبھی کبھی شیخ حسین کی طرف اسطرح دیکھتا تھا گویا کہہ رہا ہے کہ یہ بیچارہ تو کچھ بولتا ہی نہیں ہے۔

ایک مرتبہ شیخ نے کہا:۔

"آقا حسن علی خاں باوجود اس کے کہ مشہدی جبار کو سیاسیات ایران پر پورا عبور ہے۔ وہ ایک مسئلہ میں آپ کے ہم خیال نہیں۔ وہ مرحوم صنیع الدولہ کو برا آدمی سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ صنیع الدولہ کے قتل میں روسیوں کا ہاتھ مطلق نہ تھا۔"

مشہدی جبار نے ایک متبسم نگاہ شیخ حسین پر ڈالی اور زیرلب آہستہ سے کہا "ہاں وہ حرامزادہ تھا۔"

حسن علی خاں، صنیع الدولہ کا نام سنتے ہی قابو سے باہر ہوگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ شدت جوش سے اس کی کرسی ہلنے لگی۔ اور اس نے کہا۔

اس میں قصور مشہدی جبار کا نہیں ہے۔ قصور ہمارے افراد ملت کی نادانی اور جہالت کا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے حالات سے ناواقف ہیں۔ ان کی کوئی یادگار قائم نہیں کرتے۔ ان کے مجسمے مدرسوں اور گذرگاہوں

قائم نہیں کرتے۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ ہمارے ہاں بھی بڑے آدمی گذرے ہیں تاکہ ہم اپنے اسلاف کو پہچانیں اور خدمت وطن اور مقامات بلند پر پہنچنے کا شوق دل میں پیدا ہو۔ بیچارے مشہدی جبار کو کیا خبر اس نے کسی روسی اخبار میں پڑھ لیا ہوگا۔

"صنیع الدولہ وزیر مالیہ ایران اپنے دو نوکروں کے ہاتھ سے جو عرصہ سے تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے تنگ آگئے تھے قتل کر دیا گیا۔ ایرانی پبلک اس واقعہ سے خوش ہے۔" مشہدی جبار کو اس معاملہ میں اس سے زیادہ اطلاع نہیں۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ یہ شخص علاوہ اس بلند مقام کے جو تاریخ ایران میں اس نے اپنے لئے حاصل کیا۔ اپنے ذاتی اخلاق اور فردی رفتار کی وجہ سے انسان کی شکل میں ایک فرشتہ تھا۔ پستیٔ نفس اس میں نہ تھی۔ دوسروں کا بہی خواہ۔ حسن خلق۔ عفو و اغماض جو حقیقی معنوں میں وطن پرستی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اور جس وقت کہ بزرگان و اشراف ملت اپنے لئے روپیہ جمع کرنے۔ رعیت پر ظلم کرنے اور وطن فروشی میں مصروف تھے۔ وہ ملک میں ریل نکالنے کے نقشے تیار کرا رہا تھا۔ اصلاحات محکمہ جات سلطنت کی تجویزیں سوچ رہا تھا۔ کارخانے قائم کر رہا تھا۔"

مشہدی جبار۔ "ہاں کارخانہ خوب چیز ہے۔ میرا بھی بادکوبہ میں سوڈا واٹر کا ایک کارخانہ ہے۔ کارخانہ سے خوب نفع ہوتا ہے۔

حسن علی خاں اپنے ہی خیالات میں غرق تھا۔ وہ مشہدی جبار کی نکتہ سنجی پر متوجہ نہ ہوا۔ حسن علی خاں کہہ رہا تھا۔

"مرحوم صنیع الدولہ اپنے زمانے کے عالموں فاضلوں اور وطن پرستوں کا

محور تھا۔ اس کی مجلس میں علم و سیاست ہی کا ذکر رہتا تھا۔ نفع پرستی اور فساد سے وہ اس قدر دور رہتا تھا کہ اس کے زمانہ کی حکومت مستبدہ کو بھی اس پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔

مشہدی جبار نے ایک لمبی انگڑائی لیکر کہا: "شیخ ایک سگار تو مجھے عنایت کیجئے۔

حسن علی خاں نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور کہا: "افسوس روسیوں نے ایسے عالی جناب انسان کو کیوں مار ڈالا۔ وہ کیوں ایسی بے انصافی کے مرتکب ہوئے۔ ان کے پاس ہزاروں اہل علم اور وطن پرست ہیں۔ ہمارے ایک کو بھی انہوں نے زیادہ سمجھا۔ وہ خود جانتا تھا کہ روسی اسے مار ڈالینگے اس کے آخری وقت میں میں اس کے پاس تھا۔ پانچ گولیاں اس کے بدن کے اندر تھیں۔ اس نے اپنے تمام سفرا و نمایندگان دول خارجہ کو جو مزاج پرسی کے لئے آئے تھے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ مگر نمایندۂ روس کو نہیں آنے دیا۔

اس نے مسکرا کر کہا۔ آخر روسیوں نے میری جان ہی لیکر چھوڑی میں اسی کا منتظر تھا۔ پانچ گولیوں کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ہی کافی تھی۔

مشہدی جبار۔ یقیناً اس نے ایسی بد حرکتیں کی ہونگی جسکی سزا اسکو دی گئی"

حسن علی خاں: "تم سے یہ سنکر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ کیا جو میں کہہ رہا تھا آپ نے نہیں سنا۔ صنیع الدولہ جو کچھ کرتا تھا بہبودی وطن و ترقی ملک کیلئے کرتا تھا۔ اسے روسیوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ نہ ان سے کوئی ضد۔ وہ روسی جنہوں نے اسے قتل کیا۔ اس وقت بادکوبہ میں عیش کر رہے ہیں۔

مشہدی جبار۔ "اور کیا کریں؟"

حسن علی خاں۔ (غصہ سے بے قابو ہوکر) انھیں پھانسی پر لٹکانا چاہئے اور

دنیا کو بتانا چاہیئے کہ جرم کی بانی مبانی یعنی حکومت روس کس قسم کی حکومت ہے افریقہ کے وحشی بھی اس گوری قوم سے جسے دعویٰ تہذیب و تمدن ہے۔ زیادہ جوانمرد ہیں۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ وہ ہم سے زیادہ قوی ہیں۔ اور بزور شمشیر اپنے ارادوں کو ہم سے پورا کرتے ہیں۔ جب صورت حالات یہ ہے تو پھر انھوں نے ضیغم الدولہ کو کھلم کھلا کیوں قتل نہ کیا۔ رذالت اخلاق و سیاست وحشیانہ کا اظہار کیا اور اسے دھوکے اور سازش کا شکار کیا۔ بعد ازاں اسکے قاتلوں کو حکومت ایران سے جبراً لے کر آزاد چھوڑ دیا اور پھر رسمی طور پر مقتول کے ورثاء و اہل خاندان سے تعزیت کی۔ یہ ہے اہل یورپ کا ظاہر ساز تمدن یہ ہے مغربی سیاست کہ وحشی روسیوں کو اپنے حلقے میں لیکر انہیں بھی متمدن شمار کرتے ہیں۔ غالباً وہ بھی روسیوں سے کچھ بہتر نہ ہوں گے۔ بس فرق اتنا ہے کہ وہ اپنے مظالم اور جرائم کو ذرا اچھے لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔

مشہدی جبار۔ (بگڑ کر) "مجھ کو سخت افسوس ہے کہ آپ حکومت شہنشاہی کے خلاف ایسی باتیں کہتے ہیں۔ اگر جرنیل صاحب کو خبر ہو جائے۔ تو آپ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائیں"۔

حسن علی خاں نے چند سکنڈ حیران و مبہوت ہو کر اسکی طرف دیکھا اور کہا۔ "شیخ حسین نے آپ کو اور ہی قسم کا آدمی کہہ کر مجھسے ملایا تھا"۔

مشہدی جبار۔ "شیخ حسین نے آپ کو جو چاہا کہا"۔ اور یہ کہہ کر وہ بغیر خدا حافظ کہے کمرے سے اٹھ کر چلا گیا۔

چند منٹ کے سکوت کے بعد شیخ نے کہا "برا ہوا۔ مجھے خبر نہ تھی۔ یہ ایسا برا آدمی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ جا کر مخبری کرے گا۔ میں فوراً جاؤں اور کوشش کروں کہ وہ خاموش رہے"۔

حسن علی خاں نے اس کا جواب نہ دیا۔ شیخ جلدی سے اٹھ کر روانہ ہو گیا۔

(۳۴)

قونصل خانہ میں پیشی

ہما اور حسن علی خاں بیٹھے اس واقعہ کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ حسن علی خاں نے رسیور اٹھا کر کہا "ہلو۔ کون ہو کہاں سے بول رہے ہو . . . . کہدو قونصل روس مجھے طلب نہیں کر سکتا۔ اگر اسے مجھ سے کچھ کام ہے تو وہ مجھے خط لکھے یا خود ملنے آئے۔ میں دولت ایران کا عہدہ دار ہوں . . . . . بس کہہ دیا اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ روسی فوج کا کمانڈر انچیف بھی مجھے طلب نہیں کر سکتا۔ بالخصوص جب کہ میں باضابطہ طور پر اس کا یہاں ہونا ہی تسلیم نہیں کرتا . . . . بس یہی کہدو۔"

جس وقت اس نے رسیور اپنی جگہ رکھدیا اسکے چہرہ کا رنگ متغیر تھا۔

ہما۔ (گھبرا کر) روسیوں کو تم سے کیا کام ہے۔

حسن علی۔ یقیناً یہ اس قفقازی سے باتوں کا نتیجہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں مجھے جان کر بھڑکایا گیا تھا پہلے سے یہ کام ترتیب دیا گیا تھا۔ سادہ لوح شیخ حسین کو محض آلہ بنا لیا گیا۔

ہما کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اور اس نے کہا۔ "ہمیں وقت ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ اور فوراً یہاں سے طہران چلا جانا چاہیے۔ یقیناً کوئی خطرہ پیش آنیوالا ہے۔"

حسن علی خاں۔ (ہنسکر) کچھ پروا نہیں۔ میں اپنے سرکاری مقام اور ماموریت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اور بغیر اجازت کے جا بھی کیسے سکتا ہوں۔ میں نا

ڈرپوک نہیں۔ اور جان کو عزت سے زیادہ نہیں چاہتا۔

ہما۔ "میری خاطر"۔ . . . . . .

حسن علی۔ (ایک غمگین مسکراہٹ کے ساتھ) بے شرافت اور ڈرپوک بھائی زندہ بھی رہا تو تمہارے کس کام کا میں تمہیں جانتا ہوں۔ علاوہ ازیں یہ بھی کس کو معلوم ہے کہ خطرہ در پیش ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ روسی ایسے وحشی وبے سیاست ہوں گے۔ کہ حکومت کے ایک عہدے دار سے الجھیں۔ میں نے ان کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ روسیوں کے بارے میں جو میرے خیالات ہیں۔ وہ صرف میرے ہی خیالات نہیں۔ تمام اہل ایران میرے ہم خیال و ہم فکر ہیں انہیں چاہیے کہ تمام ایرانیوں کو قتل کر ڈالیں۔"

تھوڑا وقت خاموشی میں گذرا۔ پھر حسن علی خاں نے اس غرض سے کہ ہما کا یہ فکر دور ہو کہا۔ "ہما جان ابتک منوچہر سے رنجیدہ ہو"؟

ہما۔ (سوچ کر) "کاش میں اپنا دل چیر کر آپ کے سامنے رکھ دیتی تاکہ آپ میرے خیالات سے واقف ہوتے۔"

حسن علی خاں اپنے خیالات میں ڈوب گیا۔ پھر ٹھنڈا سانس بھر کر کہنے لگا۔ "اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میرے مرجانے سے تمہیں آرام پہنچے گا۔ تو میں ابتک سو دفعہ مرچکا ہوتا۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ شاید میری موت سے تم اور بدبخت ہو جاؤ۔"

حسن علی خاں کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور اس نے مسکرا کر کہا۔ اگر روسی جنرل مجھے اس حال میں دیکھے تو خیال کرے کہ میں اس سے ڈر کر اس حال میں ہوں" یہ کہہ کر اس نے جیب سے رومال نکالا اور اپنی آنکھوں کو خشک کیا۔

ہما اس کا جواب دینا چاہتی تھی کہ خلیل نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔
"ایک روسی افسر اور دو نفر سپاہی آئے ہیں اور حضور سے ملنا چاہتے ہیں"
ہما کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اور اس نے کمرے کا دروازہ بلا ارادہ بند کر دیا۔

حسن علی خاں حیران تھا کہ کیا کرے۔ دو منٹ بھی نہ گذرے ہونگے کہ صحن میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک روسی اور دو قزاق (کاسک) زور سے کمرے کے دروازے کو ٹھونک رہے تھے۔ اور زور زور سے کچھ کہہ رہے تھے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ گالیاں دے رہے ہیں اور ڈانٹ رہے ہیں۔

حسن علی خاں نے دروازہ کھولنا چاہا۔ مگر ہما نے روکا۔ اور چلانا شروع کیا۔ "تم کس کی اجازت سے صحن میں داخل ہوئے"

روسی دروازے پر اور زور سے ہاتھ مارنے لگے اور زیادہ شدت سے چلانے لگے۔ آخر حسن علی خاں نے اپنے تئیں ہما سے چھڑا کے دروازہ کھولا روسی افسر چاہتا تھا کہ جبراً بلا اجازت کمرے میں گھس آئے۔ حسن علی خاں نے اسی زور سے اس کے سینہ پر گھونسا مارا کہ اگر اس کے پیچھے سپاہی کھڑے ہوے نہ ہوتے تو وہ زمین پر گر جاتا۔ افسر سنبھل کر حسن علی خاں سے لپٹ گیا۔ سپاہی اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس نے حکم دیا۔
"علیحدہ ایک طرف کھڑے رہو"

افسر میانہ قد، مگر مضبوط اور موٹا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حسن علی خاں کی کمر میں ہاتھ ڈال کے زمین پر دے پٹخے۔ مگر حسن علی خاں کی غیر معمولی قوت [illegible]

اس کی گردن پر ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ وہ ٹکر کھا کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا اب روسی افسر نے پوری قوت سے ایک زخمی شیر کی طرح حسن علی خاں پہ حملہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

ہما بے تابانہ ہر طرف دوڑتی تھی۔ سپاہیوں سے التجا کرتی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ کیا کہے۔ کیا کرے۔ فریاد کر رہی تھی۔ شور مچا رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں افسر زور سے زمین پر گرا۔ اور اٹھ نہ سکا۔ اس پر سپاہیوں نے سنگینوں سے حسن علی خاں پر حملہ کر دیا۔ اس نے ایک سے تو اپنے تئیں بچا لیا۔ لیکن دوسرے کی سنگین اس کے بازو میں گھس گئی جس سے خون جاری ہو گیا۔ مگر ہما کی دردانگیز چیخ نے اسے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ اپنی طرف متوجہ ہو۔ اس نے دیکھا کہ دوسرے سپاہی کی سنگین نے ہما کے کپڑوں کو پھاڑ دیا ہے۔ اور اس کی ٹانگیں نظر آنے لگیں ہیں۔ بجلی کی طرح وہ سپاہی کی طرف لپکا اور سنگین سے اپنے تئیں بچا کر اس کی بندوق کو پکڑ لیا سپاہی زور سے زمین پر گرا۔ اور اس کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ گئی۔ اب حسن علی خاں کو معلوم ہوا کہ خلیل نے سپاہی پر پیچھے سے حملہ کیا اور اسے زمین پر گرا دیا ہے۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر اس نے بندوق کو زمین سے اٹھا کر دوسرے سپاہی پر حملہ کیا۔ حسن علی خاں نے مدرسہ دارالفنون میں سنگین کی خوب مشق کی تھی اس وقت کی مہارت وچابکدستی اس کے کام آگئی۔ اور اس نے کوئی آدھے منٹ میں سپاہی کو زخمی کر کے تسلیم ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اتنے میں نوکر اور راہ رو لوگ جمع ہو گئے تھے جن کو دیکھ کر سپاہیوں نے مقابلے کا خیال چھوڑ دیا۔ حسن علی خاں نے بندوقیں نوکروں کے سپرد کیں اور خود افسر کے پاس جا کر اسے زمین سے اٹھانے کی

کو بہت سی کی۔ افسر نے اٹھنا چاہا مگر درد سے چلانے لگا۔ چند آدمیوں نے آ کر اسے اٹھایا تو معلوم ہوا کہ اس کے پہلو میں سنگین کی نوک گھس گئی ہے۔ اور اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا ہے۔ اسے اٹھا کر حسن علی خاں کے کمرے میں لے گئے اور پلنگ پر لٹا دیا۔

جس وقت ڈاکٹر آیا تو اس نے اول حسن علی خاں کے زخم کا معائنہ کرنا چاہا۔ مگر حسن علی خاں نے اسے قبول نہ کیا۔ اس نے اسے روسی افسر کے زخموں کے دیکھنے کا حکم دیا۔ پھر سپاہیوں کے زخموں کو دکھوایا سب سے آخر میں اپنے زخموں کو۔ پھر یہ زخم دھوئے اور باندھے گئے۔

حسن علی خاں نے مطابق قاعدہ اس واقعہ کی مفصل اطلاع بذریعہ تار طہران روانہ کی اور رپورٹ تحریری افسران اذارت کو بھیجی۔

ایک سپاہی اٹھ کر اپنے افسروں کو اطلاع دینے کے لئے جانا چاہتا تھا۔ مگر روسی افسر نے منع کر دیا اور کہا "میرے ساتھ چلنا" اس نے حسن علی خاں سے معذرت چاہی اور کہا "معاف کیجئے گا۔ میں وحشیانہ طریقے سے آپ کے گھر میں گھس آیا۔ مگر اس میں میرا قصور نہیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر آپ نے خوب مدافعت کی۔ میں بہادر آدمی سے محبت کرتا ہوں۔ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس معاملہ کو ایک اچھی ترکیب سے سلجھا دوں گا۔

اس واقعہ کی خبر اس تیزی سے جیسے کسی نے بارود میں آگ لگا دی ہو۔ ادارہ مالیہ سے قونصلخانہ روس میں اور وہاں سے روسی فوج کے اڈجوٹنٹ جنرل کے پاس پہنچی۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر ایک روسی افسر اور پچاس سپاہی حسن علی خاں کے مکان کے باغ میں آ موجود ہوئے

اور مکان کے تمام دروازوں کو گھیر لیا۔ ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ دونوں افسروں نے چند منٹ آپس میں باتیں کیں۔ زخمی افسر کے حرکات اور طرز گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حسن علی خاں کو بری الذمہ قرار دینا چاہتا تھا۔ لیکن دوسرے افسر کے غصہ کا پارہ کم نہ ہوتا تھا۔ وہ بار بار زمین پر پاؤں مارتا تھا۔ اس نے سپاہیوں سے بھی کچھ پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے حسن علی خاں اور حاجی نوکر اور ہما کو بتایا۔ افسر نے حکم دیا۔ "انہیں لے چلو۔" حسن علی خاں ابتک خاموش تھا۔ یہ حکم سنتے ہی وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اور چلا کر کہنے لگا۔ "جب تک میں قتل نہ کیا جاؤں۔ اس بیگناہ لڑکی کو تم یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ اس کا کیا قصور ہے۔ تم مہذب یورپ والے خیال کرتے ہو کہ تمہارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ ہم سے اچھا ہے۔ لیکن ہم اسطرح کسی خیالی جرم پر کسی عورت کو نہ قید خانے میں ڈالتے ہیں نہ مارتے ہیں۔ یہ ایران ہے۔ روس نہیں ہے۔ ہم ایرانی ہیں۔ کس حق سے تم ہمارے گھر میں داخل ہوئے اور کس حق سے ہماری لڑکی کو قید خانہ لے جا رہے ہو۔ کیا تم انسان نہیں ہو کیوں وحشی جانوروں کی سی رفتار کر رہے ہو۔"

ہما۔ (گڑگڑا کے) "بھائی جان! للّٰہ مجھے اپنے ساتھ چلنے دیجئے۔"

وہ افسر جو نیا آیا تھا۔ حسن علی خاں کے اس شور و شغب سے غصہ میں آگیا اور اس کے منہ پر اس نے اس زور سے گھونسہ مارا کہ حسن علی خاں کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ حسن علی خاں مدافعت کرنا چاہتا تھا۔ مگر بازو زخمی ہونے اور زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے اس میں طاقت نہ رہی تھی۔

زخمی افسر بے اختیار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور دوسرے افسر سے کچھ دیر تک سختی کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ اس کی آواز کی سختی اور ہاتھوں کی حرکتوں سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ وہ دوسرے افسر کو زجر و توبیخ کر رہا ہے۔ آخر وہ بیحال ہو کر گر پڑا۔

نیا آیا ہوا افسر آخر کار اس پر راضی ہو گیا کہ ہما کو چھوڑ دے اور اس معاملہ میں اپنے افسر بالا دست کا حکم حاصل کرے۔ حسن علی خاں اور زخمی افسر کو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔

ہما نے رو رو کر دوسرے افسر سے التجا کی کہ اسے حسن علی خاں سے جدا نہ کرے۔ مگر حسن علی خاں نے آہستہ سے اس سے کہا "ہما جان! میں اسقدر عجز و بیچارگی کے اظہار کا تم سے متوقع نہ تھا"

ہما: "یہ جلاد آپ کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ آپ کے زخمی چہرے کو دیکھ کر انہیں شرم نہیں آتی۔

اتفاقاً شیخ حسین، اس وقت پہنچ گیا۔ جب یہ لوگ گھر سے نکل رہے تھے حسن علی خاں نے اس سے کہا: "میں نے ہما کو تمہارے سپرد کیا۔

شیخ حسین نے تمام واقعہ کی تفصیل نہایت تعجب و حسرت سے سنی اور اپنے ماتھے پر ہاتھ بار بار کے اپنے ملک و ملت کی بدبختی پر اظہار رنج و افسوس کیا چند مرتبہ عینک اٹھا کر اپنی آنکھوں کو اپنے عبا کے دامن سے پونچھا اور حسن علی خاں اس آدمی صورت فرشتے کے خون آلود چہرے کے تصور سے وہ اس قدر متاثر معلوم ہوتا تھا یا بن رہا تھا اور اس کی طبیعت میں ایسا ہیجان تھا کہ وہ ہما سے کہتا تھا کیا کروں۔ اگر آپ کے تنہا رہ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں ابھی جا کر پستول سے ان روسیوں کو جہنم واصل کر دیتا۔ مگر اب ایک دوسری ہستی کی نگہبانی میرے سپرد ہے۔ آپ کی محافظت میرے اوپر سب سے مقدم ہے۔

طلعت خانم شیخ کا بار بار شکریہ ادا کر رہی تھی۔ ہما نے کہا۔ ہمیں فوراً کام کرنا چاہئے۔ آپ بتائیے کہ کیا کر سکتے ہیں؟"

شیخ۔ (مسکرا کر) میں بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ آپ ہراساں نہ ہوجئے مجھ

اطمینان رکھئے انشاءاللہ دو ایک دن میں آقا حسن علی کو رہائی دلوا دوں گا۔ بشرطیکہ آپ میرے کہنے پر عمل کریں (پھر تھوڑا سا سوچ کر) ہما خانم آپ چلئے میرے گھر آپ کی اماں جان یہیں رہیں گی تاکہ گھر خالی نہ رہے۔"

طلعت۔ "(نہایت پریشان ہو کر) آقا شیخ حسین یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی بچی سے علیحدہ نہیں رہ سکتی۔"

شیخ حسین۔ (ابروؤں کو تان کے اور ایک طرف کو نگاہ کر کے) دیکھئے پہلی ہی خرابی یہ ہے کیا یہ وعدہ نہیں ہوا تھا کہ میں جو کچھ کہوں گا اس کی تعمیل کی جائیگی میں جانتا ہوں کہ ہما خانم کا اس گھر میں رہنا مخدوش ہے۔ یقیناً وہ پھر آئینگے اور انہیں لے جانا چاہیں گے۔ اس وقت کیا ہوگا۔ . . . آپ طلعت خانم اس وقت روسی فوج کے سیلاب کو روک سکیں گی؟"

طلعت خانم۔ (روکر) یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اپنی بیٹی کو تنہا آپ کے گھر جانے دوں۔

شیخ جواب دینا چاہتا تھا کہ ہما نے پیش دستی کر کے کہا۔ "میرا آپ کے گھر تنہا جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا آپ میرے باپ کی جگہ ہیں۔ مگر میں یہاں سے حرکت نہ کروں گی۔ میری یہی آرزو ہے کہ وہ آکر مجھے بھی لے جائیں حیف ہے کہ بھائی جان بیچارے تو قید خانہ میں پڑے ہوں اور میں آزاد۔"

طلعت۔ (متوحش ہو کر) "آقا شیخ حسین آپ کا فرمانا صحیح ہے۔ میں اور ہما دونوں آپ کے گھر چلیں گے۔"

شیخ۔ (غمگین طور پر سر ہلا کر) میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں ایک مصلحت ہے۔ مجھے خوف ہے کہ میری بات نہ ماننے کا نتیجہ خراب نکلے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہما خانم کو تنہا میرے گھر آنا چاہیے۔ اور آپ کو یہاں رہنا چاہیے۔ اگر اچانک

وہ ہما خانم کو لینے آئے تو آپ کو لے جائیں گے اور یقیناً آپ اس فداکاری کے لئے تیار ہوں گی۔ ایسی صورت میں جلد آپ کو اور آقا کو رہائی دلواؤں گا۔ ہر حالت میں آپ کا بمقابلہ ایک جوان لڑکی کے روسیوں کے قید خانہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔

طلعت خانم۔ (آہ بھر کر) بیشک ان حالات میں میں یہاں رہوں اور ہما کو آپ کے سپرد کر دیتی ہوں۔

ہما۔ (ایک محزوں تبسم کے ساتھ) امید ہے کہ آپ اس سے زیادہ میرے دل کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں گے۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ ان شرائط کے ماتحت مجھے زندگی میں کوئی لذت ہو گی۔ جب میری ماں کو جیل خانے لے گئے اور بھائی کو اسیر کر لیا۔ پھر میرے زندہ رہنے سے کیا فائدہ ہے۔ آپ اطمینان رکھئے میں اپنی ماں سے جدا نہ ہوں گی۔ آپ اگر ہم پر مہربان ہیں۔ اگر آپ حسن علی خاں کے دوست ہیں۔ تو آپ حسن علی خاں کو چھڑانے کی کوشش کیجئے۔ آپ کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے۔ آپ کے وطن کا یہی تقاضا ہے۔ افسوس ہے کہ جب تک ایک مرد بھی ہمارا زندہ ہے۔ اجانب ہمارے گھروں میں آکر ہمارے ننگ و ناموس پر ہاتھ ڈالیں۔

جائیے کوشش کیجئے۔ ماریئے اور مر جائیے۔ اس زندگی سے تو مر جانا بہتر ہے

شیخ حسن نے ایک تعجب کی نظر ہما پر ڈالی۔ اور کرسی پر دو تین دفعہ کسمسا کر کہا۔ ہاں میں اپنے تئیں جانتا ہوں یہ قومی خون جو مجھ میں ہے میری ٹوپی آخر کار معہ تمہارے ان کافروں کے ہاتھ میں دے کر رہے گا۔ بس کافروں کو مارا نہیں کہ بہشت میں داخل ہوا۔ پھر نہ سوال و جواب ہے۔ نہ حساب و کتاب۔ لیکن میں ایک مرتبہ تم سے پھر کہتا ہوں۔ تمہیں میرے گھر

آنا چاہیئے۔ اس گھر میں نہ رہنا چاہیئے۔ کاش تمہیں معلوم ہو کہ مجھے تم سے کس قدر تعلق ہے۔

ہما نے اس فقرہ کا جواب نہ دیا۔ مگر یہ کہا۔" میری آرزو یہی ہے کہ آپ فوراً اٹھ کر جائیں اور کوشش شروع کر دیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح سے بھائی جان کو دیکھوں۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو میرا خط ہی ان تک پہنچ جائے۔ معلوم تو کیجئے کہ کھانا اور لباس ان کو بھیجا جا سکتا ہے یا نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ اس وقت کیسی تکلیف میں ہوں گے۔

شیخ نے سوچا تو۔ دیکھا کہ اصرار سے فائدہ نہ ہوگا۔ اپنے ہیجان وغضب کو چھپا کر کہنے لگا۔" میں ابھی جاتا ہوں۔ اور کوشش کرتا ہوں۔ ہرچہ بادا باد۔ اپنی جان کی بازی لگائے دیتا ہوں۔ لیکن ہما خانم یاد رکھئے کہ یہ محض آپ کی خاطر کر رہا ہوں۔ اور طلعت خانم آپ کی۔ بہرحال مجھے یقین نہیں کہ آپ کی ملاقات ان سے ممکن ہو سکے۔ ہاں آپ کو کوئی پیغام دینا ہو تو کہئے۔ میں زبانی ان سے کہدونگا۔ قیدی سے خط وکتابت کی اجازت نہیں۔

ہما۔ (تھوڑے سے فکر کے بعد) آپ بھائی جان سے کہئے گا۔ کہ میری زندگی آپکے وجود عزیز سے وابستہ ہے۔ اگر خدانکردہ آپ کو کوئی گزند پہنچا تو مجھے بھی مردہ سمجھئے۔"

شیخ۔ (مسکرا کر) بہتر" میں آپ کی اس رنگین عبارت کو حسن علیخاں سے بیان کر دوں گا۔ کہ بیچارہ یہ دو تین دن تو اس خیال سے خوش خوش کاٹے۔ ممکن ہوا تو آج رات تک ہی اس کا جواب لا دوں گا۔" (شیخ اٹھ کر چلدیا)



(۳۴)

منوچہر خاں شیخ حسین کے گھر میں

شیخ نے کہا۔ "اس میں میرا قصور نہیں۔ میں نے عدد رجہ کراہیت کیساتھ اس کام کو شروع کیا۔ خدا جانتا ہے کہ اس سے میرے احساسات ملی بجد مجروح ہوئے۔ اور مجھے خود بجد شرمندگی ہے۔ اب تم کہو کہ تمہاری پشیمانی کا کیا باعث ہے اور تمہارے خیالات میں کیوں تغیر واقع ہوا۔"

منوچہر۔ "میں نے جب حسن علی خاں کی گرفتاری کی خبر وجد وسرور کے ساتھ اپنی والدہ کو سنائی تو میری ماں نے جو حقیقتاً مذہب پر اعتقاد رکھتی ہے۔ نہ کہ مثل تمہارے اور میرے ہے۔ (شیخ حسن سے کہا بس کر کہا۔ اپنی بات کہو) میری ماں نے رونا شروع کیا۔ اور کہا جو کچھ ہوا اب میں سچ کہنا چاہتی ہوں۔ میں ایک بےگناہ کو مصیبت میں پھنسانے پر راضی نہیں ہو سکتی۔ میں نے ہما کو اطلاع دی تھی کہ تیرے بیوی بچے ہیں۔ اس نے میری خاطر اپنے اوپر تہمت اوڑھ لی میں تیار ہوں۔ حسن علی خاں کو چھوڑ دیں اور روسی جلاد مجھے پکڑ لیجائیں۔ میں کل خدا کو کیا جواب دوں گی۔ قیامت کے دن حسن علی خاں سے کیسے نظر ملا سکوں گی۔ شیخ حسین میں تم سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ سن کر میرا کیا حال ہوا۔ میں فوراً یہاں کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں تمہارے قدم لیتا ہوں۔ للہ جو تیغ تم نے مارنے کے لئے اٹھایا ہے اسے گرا دو۔"

شیخ۔ (قہقہہ لگا کر) بالکل دیوانے ہو گئے ہو۔ دو مہینے تک میں نے دوڑ دھوپ کی مصیبتیں اٹھائیں اور معاملہ کو اس حد تک پہنچایا۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں فوراً جا کر اسے چھڑا لاؤں۔ بہرحال اب کوشش بے فائدہ ہے۔

دو ایک دن میں اس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اور پھر میں آرام سے رہونگا۔
رہوں گا نہیں۔ رہیں گے۔
منوچہر۔" میں اب وہ آدمی نہیں جو تھا۔ عشق و کینہ اب مجھ میں نہیں رہا۔
اب صرف تلافی گناہ کی مجھ میں آرزو ہے۔ میں اس غرض سے کہ اپنے وجدان کو پشیمانی و ندامت کے بھاری بوجھ سے نجات دوں۔ اپنی جان کی قربانی کرنے کیلئے حاضر ہوں۔ اف تمہیں معلوم نہیں کہ۔ میں کس رنج و عذاب میں مبتلا ہوں۔ کاش بیچارے حسن علی خاں کے عوض مجھے پکڑ لے جاتے۔ اور تمام عمر مجھے قید بامشقت میں رکھتے۔ میں کیسا پست و حقیر آدمی ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ مجھ میں اتنی شقاوت و گناہگاری کی قابلیت ہے۔

شیخ زیر لب مسکرایا۔ منوچہر نے ایک حقارت آمیز نظر اس پر ڈال کر کہا
تم میری باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ تم بھی اس میں حق بجانب ہو۔ کیونکہ اس قسم کے احساسات تمہاری سمجھ سے بالاتر ہیں۔
شیخ نے قہقہہ مار کر کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں۔ اب دوسرا جال پھیلانا چاہتے ہو۔ چاہتے ہو کہ کسی ترکیب سے حسن علی خاں کو رہائی دلوا کر ہما کی محبت کو پھر حاصل کرو۔ خیال برا نہیں۔ لیکن صاف کیوں نہیں کہتے۔ مجھے تو اپنا رازداں و محرم سمجھتے تھے۔

منوچہر نے آہ بھر کر کہا۔" میں تم سے کس طرح کہوں۔ اپنا درد دل تمہیں کس طریق سے سمجھاؤں۔ بہت اچھا جو تم سمجھ رہے ہو وہی بات ہے فرض کرو یوں ہی ہے۔ اچھا تو اٹھو۔ اور حسن علی خاں کو دو دن میں آزاد کراؤ۔ جو چاہو گے۔ وہ تمہیں دونگا۔ جلدی کرنا چاہئے۔ فوراً روانہ ہو جاؤ میں بھی ہما خانم کے پاس جاکر اس کے پاؤں پہ سر رکھ دوں گا۔ اور اپنے قصوروں

کی معافی چاہونگا۔ اپنی شرافت کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ تم پر ذرا سا بھی الزام نہ لگاؤں گا۔ اور سچ بھی یہی ہے۔ تمہارا کیا قصور تھا۔ تم تو میرے ہاتھ پاؤں تھے جو کچھ کہا میں نے۔ تم نے کیا۔ میں تمہارا ذکر بالکل نکروں گا۔ اور انہیں مطلق معلوم نہوگا۔ کہ ان کاموں میں تمہارا کچھ بھی دخل تھا۔

شیخ نے ہنسکر کہا۔ "خوب' برادر' تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سیدھا جاکر حسن علی خاں کا ہاتھ پکڑ اسے قید خانہ سے باہر نکال لاؤں گا۔ آج وہاں ذکر تھا کہ کل یا پرسوں اسے سائبریا بھیجدیا جائے گا۔" یہ سنتے ہی منوچہر کا رنگ زرد پڑگیا اور اس نے کہا۔

"آقا شیخ حسن' میں آپ کو آپ ہی کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ سب کام کر سکتے ہیں۔ اگر حسن علی خاں کو رہا کرادو تو میں ہزار تومان پیش کروں گا۔"

شیخ حسن۔ (تھوڑی دیر سوچکر) "ہزار تومان اس وقت لاکر دو تو دو دن میں میں اسے رہائی دلواسکتا ہوں۔"

منوچہر نے ملامت کی نظر ڈال کر کہا۔ "تمہیں میرے قول کا اعتبار نہیں؟ تم جانتے ہو کہ ہزار تومان میری جیب میں تو رکھے ہوئے نہیں۔"

شیخ۔ سرخط لکھدو۔

منوچہر نے فوراً سرخط لکھدیا کہ پانچ دن میں آقا شیخ حسن کو ہزار تومان ادا کروں گا۔

منوچہر۔ (سرخط شیخ کے ہاتھ میں دیکر) "دیکھو مجھے تمہارے اوپر کیسا بھروسہ ہے کہ جو وعدہ کیا ہے وہ کروگے۔

شیخ (سرخط جیب میں رکھ کے) تم نے مجھ سے کب دھوکا دیکھا ہے کہ اب اس کا خیال کرتے ہو۔ میری بات ایک ہوا کرتی ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں

اور اس کی رہائی کی کوشش کرتا ہوں۔ ہرچہ باداباد۔ سروجان فدائے دوستاں۔ لیکن تم جبتک میں مژدہ خلاصی نہ لاؤں! خانم سے ملنے نہ جانا۔ یہ خوشخبری لے کر جانا اس میں بہت زیادہ لطف ہے۔

منوچہر (خوشی سے وجد میں آکر) سچ کہتے ہو۔ تمہاری اس رائے کا شکریہ۔ کل کہ انشاء اللہ رہائی کا مژدہ لاؤ گے۔ میں اس مژدے کو ضرور لیکر جاؤنگا۔

(۳۵)

ہما سے ملاقات

شیخ بظاہر غمگین و پریشان حسن علی خاں کے گھر پہنچا اور کہنے لگا۔ آج میں نے ایک عجیب راز معلوم کیا۔ آپ اندازہ کیجیے کہ میں اس کام میں کس قدر منہمک ہوں اور اپنے تمام حواس و قوتوں کو اس میں صرف کر رہا ہوں کہ اس بھید تک پہنچ سکا۔

ہما اور اس کی ماں نے مضطربانہ طریقہ سے کہا "بتائیے کیا ہوا؟"

شیخ۔ (تھوڑے سے تامل کے بعد) سچ ہے کہ انسان ان تعلیم یافتہ نوجوانوں پر بالکل اعتبار نہیں کرسکتا۔ ہر وقت ان کی زبان پر ہے۔ وجدان۔ شرافت۔ انسانیت۔ مگر افسوس۔ نہایت افسوس ہے.......

ہما و طلعت (یک زبان ہوکر) "کہئے کیا ہوا؟"

شیخ نے ایک رنجیدہ نگاہ ان پر ڈالی اور کہا "منوچہر اپنے زمانے میں بہت تعلیم یافتہ اور تہذیب مغربی کا نمونہ ہیں۔ انہیں نے حسن علی خاں کو اسی نے گرفتار کرایا ہے۔ اور مہر انگیز کی خبریں اسی نے پہنچائی ہیں۔ مشہدی جبار و عمرو زید تو صرف بہانہ ہیں۔ مگر میں ابتک نہ سمجھا کہ اسے حسن علی خاں سے اس قدر عداوت کیوں ہے بے شرافتی کی انتہا ہوگئی کہ اپنی ذاتی غرض کیلئے ایک شخص کو روسیوں کے ظلم کا آماجگاہ

بتا دیا گیا۔ اس کی ساری کوشش یہی ہے کہ حسن علی خاں اس کے راستہ میں نہ رہے۔
(اور گھبرا کر ہما پر نظر ڈالکے) خانم! آپ کے چہرہ کا رنگ کیوں اڑ گیا۔ آپ رنج نہ کیجئے
میں اس بے ناموس شخص کو قتل کا حکم بھی ہو تو پہلے حسن علی خاں کا انتقام اس سے
لے لوں گا۔ ہما حیران تھی کہ انسان کس قدر شریر ہو سکتا ہے۔

طلعت خانم۔ (نہایت اضطراب کیساتھ) خدا نکرے کہ ایسا ہو۔ منوچہر ہما کا منگیتر
ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ وہ ایسا کام نہیں کر سکتا۔ ممکن نہیں۔ بہرحال آپ حسن علیخاں
کی رہائی کی کوشش کیجئے۔ منوچہر سے کوئی غرض نہ رکھئے۔

شیخ حسن۔ (ڈاڑھی اور مونچھوں پر چند بار ہاتھ پھیر کر) معاملہ ذرا پیچیدہ ہو گیا
ہے۔ آپ خرما بھی چاہتی ہیں اور ثواب بھی۔ آپ، کہئے ہما خانم۔ آپ کس کو زیادہ
عزیز رکھتی ہیں۔ اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ہما نے کپکپاتی ہوئی آواز اور اڑے ہوئے رنگ کیساتھ کہا۔

اگر حسن علی خاں کو رہائی دینے کے لئے لازم ہو تو منوچہر کو ہزار بار اس پر قربان
کر دوں گی۔ لیکن میں ایسی بے شرافتی کا گمان بھی اس کی نسبت نہیں کر سکتی۔ کیسا
انسان اس درجہ شقی القلب ہو سکتا ہے۔ میں اس کا تصور بھی کرنا نہیں چاہتی۔
شیخ نے مسکرا کر کہا "میں سمجھ گیا . . . . . " لیکن اپنے فقرے کو اس نے پورا نہ کیا۔
کیونکہ ہما رومال اپنے چہرے پر رکھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔
شیخ نے خیال کیا۔ بیچاری دونوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔

(۳۶)

حسن علی خاں قید خانے میں

ایک روز کپتان پولوف۔ یہ وہی روسی افسر ہے۔ جو حسن علی خاں سے لپٹ کر

لڑا تھا۔ اور جب حسن علی خاں نے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اور اس کا دانت ٹوٹ گیا تھا حسن علی خاں سے ملنے آیا۔ پوپوف ایک صاحب معلومات و علم دوست افسر ہے یورپ کی سیر کر چکا ہے۔ اور مشرق کو بھی خوب پہچانتا ہے۔ مدت تک منچوریا و منگولیا میں رہ چکا ہے۔ آجکل زبان فارسی کی تحصیل میں مشغول ہے اور ایرانیوں کے مذہب و تاریخ و اخلاق کا مطالعہ کر رہا ہے۔ حسن علی خاں کو اپنی طبیعت کے موافق پا کر خوش ہے کہ اسے ایک ایرانی عالم کی صحبت نصیب ہوئی۔ جس سے وہ مختلف مسائل پر ایک مشرقی عالم کا نقطۂ نظر معلوم کر سکتا ہے۔ اور دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کیا روشنی ڈالتا ہے۔ حسن علی خاں سے بہت ارادت رکھتا ہے۔ ہر روز اسکی ارادت میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ دونوں ہر مسئلہ پر لمبے لمبے مباحثے کرتے ہیں۔ ایک روز روسی فوج کے ایران میں داخلہ کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ پوپوف نے حسن علی خاں کے اعتراض کے جواب میں کہا "آپ عقل سلیم و ذہن روشن رکھتے ہیں۔ آپ اس بات پر کیوں تعجب کرتے ہیں یا آپ کو اس کا کیوں گلہ ہے کہ ہم روسی بغیر آپ کی اجازت کے اور قوت کے زور پر آپ کے گھر میں گھس کر اجرائے حکم کرتے ہیں۔

Might is right

فطرت کا قانون کہ قوی کا غلبہ ضعیف پر ہوتا ہے کہیں اور کسی حالت میں بدلتا نہیں۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں وہ ایک خاص شکل میں ظاہر ہوتا ہے ہم آپ سے زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ اور قوت کے زور پر آپ پر حکم چلاتے ہیں اگر آپ ہم سے زیادہ قوی ہوتے تو ہم آپ کے مغلوب ہوتے۔ آج آپ کا ایک سپاہی ماسکو میں حکمرانی کرتا ہوتا۔ آپ اگر خواہشمند ہیں کہ مغلوب نہ ہوں تو قوت حاصل کیجئے۔ یہ صحیح ہے کہ ہماری تعداد پندرہ کروڑ سے زیادہ ہے۔ اور آپ ایک کروڑ سے زیادہ نہیں۔ لیکن یہ مغلوبیت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بہت سی

حکومتیں جو آپ سے چھوٹی ہیں مثلاً بلجیم۔ ہالینڈ۔ ڈنمارک۔ سوئیزرلینڈ وغیرہ وغیرہ
اپنے وطن پرستی اور قابلیت انتظام کی بدولت اپنی خودمختاری کی محافظت کر رہی ہیں
ایک زمانہ میں آپ قوت و تعداد میں ہم سے زیادہ تھے۔ لیکن ڈیڑھ سو سال سے ہم
نے تمدن مغرب کو اختیار کیا اور اپنے مسلک و آداب کو بدلا۔ لمبی قباؤں اور لمبی
داڑھیوں کو کوتاہ کیا۔ تمام خرافات کو علیحدہ کیا۔ جدید زندگی جو علم و عقل سے
زیادہ نزدیک ہے قبول کیا۔ اور پھر دائرۂ عمل میں قدم رکھا۔ اور اس طرح اپنے
ملک و مملکت کو وسیع اور آباد کیا۔ ہم روز اس کوشش میں ہیں کہ تمدن مغرب
کے اصول و خواص کو معلوم کر کے ان پر کاربند ہوں۔ ہم اپنے لئے اسے باعث
فخر سمجھتے ہیں کہ دول متمدنہ میں ہمارا شمار ہو۔ مگر آپ ...... ابتک ان خرافات
اور موہومات میں مبتلا ہیں۔ جس میں پندرہ سو برس پہلے مبتلا تھے۔ آپ تمدن جدید
کی معنوی اور مادی خوبیوں سے بیخبر ہیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ تمدن غلط تمدن ہے
میں جانتا ہوں کہ آپ کا یہ خیال نہیں۔ مگر میں اکثر اہل مشرق سے یہی سنتا ہوں۔
وہ کہتے کہ اگر یہ تمدن صحیح تمدن ہے تو پھر یہ تمام فساد اور لڑائیاں کس لئے
ہیں۔ یہ خیال بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ تمدن صحیح تمدن ہے۔ اس تمدن نے
انسان کی سخت مزاجی اور بدبختی میں کمی کر دی ہے۔ لیکن ابھی تک اسے فرشتے
کے درجہ تک نہیں پہنچایا۔

ہم تمدن سے جو توقع رکھتے ہیں۔ شاید وہ آسمانی فرشتوں کے پاس
ملے۔ لیکن مجھے یقین ہے اور خوب دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن علم اس درجہ تک
پہنچ جائے گا کہ دنیا سے رنج و زحمت نابود ہو جائے گا۔ کیونکہ انسانی راحت
و خوشی کی کنجی علم ہے۔ جس قدر علم زیادہ ہوتا جائے گا۔ اور وہ مشقت سے
ہم بچ سکیں گے۔ بہرحال اس وقت بحث ملت ایران سے تھی۔ میں کہہ رہا تھا کہ

آپ لوگ ابھی تک تنگنا ئے تعصب میں قید ہیں۔ جو آپ کو پیچھے کی طرف لیجا رہا ہے آپ مثل اس چکور کے ہیں۔ جس نے اپنا سر برف میں چھپا رکھا ہے۔ اور خطرے پر نظر ڈالنا نہیں چاہتی۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے درد کا علاج تنہا یہی ہے کہ آپ بلا شرط تمدن عرب کو قبول کرلیں۔ یہ تمدن برا ہے یا بھلا۔ آپ کی زندگی اب اسی تمدن پر منحصر ہے۔ ابتک آپ کی سوسائٹی میں عورت شریک نہیں۔ اسے غلام کی طرح بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ عدالتاً آپ کے یہاں یہ عالم ہے کہ مالکیت کا لفظ ایک موہوم لفظ ہے۔ جو شرمندۂ معنی نہیں (کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز اسی کی ملکیت ہے) آپ کی ناقص زبان میں علوم داخل نہیں ہوسے ہیں۔ فنون مادی سے آپ بے بہرہ و بے اطلاع ہیں۔ اور آج کل کی مہذب قوموں کی روزانہ زندگی کا ان فنون پر دارومدار ہے۔ آپ کا رسم الخط اس وقت تک غیر ترقی یافتہ ہے۔ اس کے پڑھنے کے لئے اک عمر درکار ہے اور کسی لفظ کو جبتک کہ اس کے معنی پہلے سے نہ سمجھے ہوسے ہوں۔ صحیح نہیں پڑھا جا سکتا۔ آپ کا لباس۔ سر پوش و تن پوش۔ دوسری قوم کا ہے۔ پھر بھی آپ وہ لباس جو مطابق حفظ الصحت ہے نہیں قبول کرتے اہل یورپ کے کوٹ اور پتلون کو تو لے گیا۔ مگر ان کی ٹوپی جو اس جلتے تپتے آفتاب میں بہت ضروری ہے نہیں قبول کرتے۔ ہر چیز کو آپ مذہب سے جا ملاتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ آپ کے کل اعمال و افکار مذہب کے مطابق ہوں۔ حالانکہ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو حالت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں ایسی کھنڈر پرستش گاہیں نہ ملیں گی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے تمام ملک میں ایک آباد و صاف مسجد نہ ملیگی اگر آپ اپنے مذہب پر بھی عامل ہوتے تو آج دول متمدن و قومی میں

آپ کا شمار ہوتا۔ دنیا میں کسی مقام پر اس قدر مذہب کا ہر وقت وظیفہ نہیں پڑھا جاتا اور پھر نہ اس قدر مذہب کے خلاف عمل کیا جاتا ہے۔ پاکیزگی، حفظانِ صحت تحصیلِ علم، فراہمی اسباب، مداہنت۔ یہ سب مذہب کے اولین احکامات ہیں آپ کے شہر کھنڈر ہیں۔ جن میں گھوڑے کے ڈھیر ہیں۔ آپ کا کھانا اور پانی کثیف و آلودہ ہے۔ پڑھے لکھے لوگ آپ کے ملک میں گنتی کے ہیں۔ عالم و مخترع کا تو ذکر ہی کیا کہ یہ تو شاید سارے ملک میں ایک بھی نہ ہوگا۔ دشمن سے مداہنت کے معنیٰ آپ نے یہ قرار دے رکھے ہیں کہ ہر وقت آپس میں ہی جنگ و مناقشہ رہے۔ ہر طبقہ دوسرے کو محو کرنے کی کوشش میں ہے۔ آپ کے افراد کے وسائل زندگی و معاش پر انسان کو رونا آتا ہے بیٹھے ہوئے لوگوں کی جبراً لوٹ کھسوٹ کی جاتی ہے۔ اور اس طرح ہر روز ملک میں فقر و فلاکت کا اضافہ ہو رہا ہے۔ یورپ کے نیچے درجے کے لوگ بھی آپ کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی نسبت زیادہ شاندار اور زیادہ پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ملک یکسر ایک بڑا کنگال گھر ہے۔

حسن علی خاں۔ "آپ کے خیال میں اصلاح ملک کیلئے کیا کرنا چاہیئے۔؟"

پولوف۔ دیکھئے تامل کے بعد) اب وقت گذر گیا۔ اب ملک کی آبادی و ترقی آپ کے ہاتھوں ممکن نہیں۔ انگلستان کہ اپنے ہی اغراض کی وجہ سے بقائے ایران کا محافظ تھا۔ ان واقعات کی بنا پر جو حال میں یورپ میں ظہور پذیر ہوئے۔ اب تقسیم ایران کے درپے ہے۔ اور روس کی دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔ ۱۹۰۷ء کے معاہدے کی رو سے ایران کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو ہندوستان سے ہم سرحد ہے۔ باقی ایران پر روس کا حق تملک یا حق نگرانی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ افواج روس جلد خلیج فارس تک پہنچ جائیں گی۔

اس لئے کہ منطقہ بیطرف جو روس اور سمندر کے درمیان قرار دیا گیا ہے۔ اسمیں مسلسل لڑائی کے آخر میں (کہ یقیناً ہم اس میں جیتیں گے) برطرف کر دیا جائے گا۔ اسوقت آپ دیکھیں گے کہ دس برس کی مدت میں ایران آباد اور مال و ثروت سے مالا مال ہو جائے گا۔

حسن علی خاں۔ (ٹھنڈا سانس بھر کر۔ اس طرح گویا وہ خود اپنے سے باتیں کر رہا ہے) ہاں سچ ہے ایران آباد اور مالدار ہو جائے گا۔ مگر روس کے ہاتھوں تنگ آ کر

پولوف۔ "آپ ہی انصاف سے فیصلہ کیجئے اور اپنے ملی احساسات کو ایکطرف رکھئے۔ آیا یہ بہتر ہے کہ ایک ذی ہوش اور متمدن روسی حکمران آبادی ملک و آسائش اہالی کا باعث ہو یا یہ کہ ایک جاہل و خود پرست و حیلہ باز ایرانی حاکم اس طرح حکومت کرے کہ ملک کو تباہ و برباد اور افراد ملک کو بدبخت و ہلاک کر کے اپنے لئے تھوڑا سا مال و متاع و جاہ و حشم فراہم کر لے۔ اور ہمیشہ اپنی بے شرم و بے شفقت آنکھوں سے اپنے ہم وطنوں کی مصیبت کو دیکھا کرے؟۔ بادکوبا کا جو پہلے جزو ایران تھا۔ قم۔ اصفہان یا طہران سے مقابلہ کیجئے۔ وہ طہران جو آپ کا پایہ تخت تھا۔ اور جو آپ ہی لوگوں کے بقول، تمام ملک کو اجاڑ کے اور رعیت پر ظلم کر کے آباد کیا گیا ہے۔ اور اسے رونق دی گئی ہے۔ آپ ہی دیکھئے کہ وسائل زندگانی و آسائش کہ انسان و حیوان میں مابہ الامتیاز یہی چیزیں ہیں۔ کس شہر میں زیادہ ہیں۔ کس شہر کے لوگ زیادہ خوشحال، زیادہ خوش قسمت ہیں۔ بادکوبہ ہماری سلطنت کا ایک چھوٹا اور حقیر شہر ہے۔ وہ آپ کے دارالسلطنت سے ہزار درجہ بہتر اور خوبصورت ہے۔ آپ کے شہر کی کچی دیواریں اور مٹی سے بھری سڑکیں۔ آپ کے غیر منظم کاواک پل اور گھاٹ، ایام جہالت کی یاد دلاتے ہیں۔ وہ رقیق اور گندی کثافت جو آپ کی کھلی نہروں میں بہتی ہے اور

جسے آپ پانی کہکر پیتے ہیں۔ بیسویں صدی کے انسان کے لئے باعث شرم ہے۔
ایران کی ستم رسیدہ اور فلاکت زدہ رعیت کے لئے ایک ایسی حکومت کی ضرورت ہے جو یہ سمجھے کہ خود اس کی حشمت وشان کے لئے رعیت کی آسائش وامن و پابندی قواعد حفظ الصحت ضروری ہیں۔ جتنی ملک کی آبادی اور دولت بڑھے گی اتنی ہی حکومت کی قوت اور شان میں اضافہ ہوگا۔ افراد کیلئے حاکم، روسی ہو یا ایرانی دونوں ایک ہیں۔

حسن علی خاں کی روح اس صاحب وجدان مجرم کی طرح، جو اپنے جرائم کی تفصیل کسی دوسرے کے زبان سے سن رہا ہو۔ ضیق وشکنجہ میں مبتلا تھی۔ ایسے ہر سکنڈ ایک گھنٹہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا بھاگ جائے اس کا دماغ چکر کھا رہا تھا۔ مگر پولوف کی زبان سے جس وقت یہ نکلا "افراد کے لئے حاکم روسی ہو یا ایرانی دونوں یکساں ہیں" وہ عجز وانکسار کے عالم سے ایک دم باہر نکل آیا اور اپنی جگہ پر مضبوط بیٹھکر کہنے لگا۔

"آپ کی تمام باتوں پر میں خاموش رہا۔ میں نے آپ کو حق بجانب سمجھا اس لئے کہ آپ صرف ظواہر کو دیکھتے ہیں۔ میں نے آپ کو معذور سمجھا۔ اس وجہ سے کہ آپ کو خبر نہیں کہ ہماری خرابی کا باعث اور ہماری ترقی میں مانع "کسی حد تک ہمارا ہمسایہ قومی رہا ہے۔ لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ افراد ملت کے لئے حاکم ایرانی ہو یا روسی یکساں ہے۔ آپ سخت غلطی کرتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے کہ آپ کسی بچہ سے کہیں کہ اپنی ماں کو چھوڑکر کسی دوسری عورت کے پاس جو اس سے زیادہ خوبصورت اور شاید زیادہ مہربان ہو چلا جائے۔ کیا آپ یقین کرتے ہیں کہ بچہ اس پر راضی ہو جائے گا۔ یا یہ کہ آپ گھر کے مالک سے کہیں کہ اس کے ٹوٹے ہوئے گھر کو کوئی عالیشان محل بنا دے گا۔ بشرطیکہ وہ صاحب خانہ اس محل میں خادم اور محکوم

ہو کر رہے۔ کیا آپ خیال فرماتے ہیں کہ کوئی ان تجویزوں کو قبول کریگا۔ انسان پر حکمرانی جذبات کی ہے نہ کہ عقل و منطق کی۔ اور جسے ہم عقل و منطق قرار دیتے ہیں وہ بھی جذبات و احساسات سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یہ احساسات ہی ہیں جو آپ کو باوجود اس کے کہ آپ ایک وسیع مملکت کے مالک ہیں۔ اور جابجا دست درازی کرنے کے لئے مائل کرتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ایران و ہندوستان بلکہ یہاں تک کہ ایک دن انگلستان، جرمنی، امریکہ اور تمام اقطاع عالم میں آپ ہی کا دور دورہ ہو۔ کیوں؟ فرض کیجئے کہ آپ کی یہ خواہش پوری بھی ہو جائے تو بھی اس سے اہالی روس کی آسائش میں کیا اضافہ ہوگا۔ کیا انگلستان کے باشندے جس نے دنیا کے ہر ایک بڑے حصہ کو اپنے زیر نگیں کر لیا ہے اس چھوٹی سی حقیر سلطنت سوئزرلینڈ کے باشندوں سے زیادہ آرام سے ہیں۔ اور زیادہ خوش بخت ہیں؟

کیا روس [illegible] یا روس والوں کے [illegible] مسائل معاش نہیں ہیں؟ اگر ہزار سال تک اس کی آبادی و ترقی میں کوشش کی جائے پھر بھی مزید ترقی کی گنجائش پائیگا۔ ہمارے ویران ملک اور بدبخت ملت سے آپ کیا چاہتے ہیں؟ ہم آپس میں لڑتے ہیں۔ ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اپنی جہالت سے ایک دوسرے کو آزار و اذیت پہنچاتے ہیں۔ فقر و قناعت میں زندگی کاٹتے ہیں۔ سب کچھ ہے مگر آپ سے تو خواہشمند نہیں کہ ہماری دلسوزی کریں۔ اور ہماری مدد فرمائیں آپ اپنے کاموں میں لگے رہئے ہمارے کاموں میں مداخلت نہ کیجئے۔ ہماری رقت انگیز حالت آپ کے لئے محرک نہیں ہوئی۔ حرص و جنون تفوق ان تمام حرکات کا باعث ہیں۔ یعنی احساسات نہ کہ عقل و منطق۔ جب یہ تحقیق ہو گیا کہ احساسات انسان سے سب کچھ کراتے ہیں۔ تو ماننا پڑیگا کہ احساسات و جذبات سے ہی

حب قوم و وطن انسان کی سرشت میں پیدا کر دیا ہے۔ انسان فطرتاً اپنی قوم اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے دوستوں کو غیروں کے مقابلہ میں عزیز رکھتا ہے۔ یہ جذبہ فطری بڑھ کر ملت دوستی اور وطن پرستی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بطور مستثنیٰ اپنے تئیں اسی احساس و جذبہ کے اثر سے آزاد کرے اور اسے اپنے دل میں مردہ کر دے۔ ایسے شخص کا وجود سوسائٹی کے لئے مضر ہے۔ اس سے ڈرنا چاہئے۔ وہ کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اس کے قول و عمل پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے کہ وہ احساسات سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے لطف پر ہر چیز اور ہر ہستی کو قربان کر دیتا ہے۔ ایسا شخص جس نے اپنے اصلی نفع کے پہچاننے میں کوتاہ نظری اختیار کی اور غلط راہ چلا۔ غیر ہر دلعزیز اور بدبخت ہوتا ہے۔ سوسائٹی اس سے محبت کرتی ہے اور اسکی مدح کرتی ہے جو خود اوروں سے محبت کرتا ہے وہ ذی عقل و ذی ہوش حضرات بھی جو فطریات کی چاردیواری سے باہر نکل کر آب حیات یا چشمۂ راحت کی تلاش میں فکر و جستجو کے بے پایاں صحرا میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ بھی اگر صحیح عقل و صحیح ہوش سے بہرہ مند ہیں۔ آخر اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اصلی خوشی اور راحت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ فرمانِ فطرت کی تعمیل کیجائے۔ یہ لوگ اس سرگردانی کے بعد پھر فطرت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو تردد و شک کی تاریکی میں بھٹکتے پھرتے ہیں سوسائٹی کے لئے سب سے زیادہ مضر ہیں اور خود بھی سب سے زیادہ بدبخت ہیں۔ معاف کیجئے میں موضوع بحث سے باہر ہو گیا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ حسِ قومیت ہم کو حکم دیتا ہے کہ ہم اجانب کے غلبہ کو گو وہ ہمارے لئے مفید ہی کیوں نہ ہو قبول نہ کریں اور اپنی پوری قوت سے اسے رد کرنے کی کوشش کریں۔ بیٹا جو شفقت اپنے باپ سے قبول کر لیتا ہے۔ کسی دوسرے سے دیکھے تو اسے منظور

نہیں کرسکتا۔ آزادی کی رغبت حیات انسانی کی بنیاد ہے۔ اس آزادی کو چھوڑ کر انسان دوسرے کے خواہش وارادے کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ جب کہ حکم وارادہ دوست کی طرف سے ہو۔ غیر اور اجنبی کا حکم ہماری روح کو مجروح کرتا ہے، اور ہماری خوشی کے جذبہ کو کہ ہماری زندگی اس پر قائم ہے درہم برہم کر دیتا ہے ہمارے گھر میں اگر کسی باہر والے کا تسلط ہو جائے تو زندگی کا لطف جو آزادی کے تصور سے حاصل ہوتا ہے جاتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں ہم ہمیشہ آپ کو اپنا دشمن ہی سمجھیں گے۔ گو آپ کی حکومت مادی نقطہ نظر سے ہمارے لئے مفید ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کا اصلی مقصد آسائش و رفاہ اہل ایران نہیں۔ ورنہ آپ بغیر قہر و غلبہ کے ہماری ہر قسم کی مدد کر سکتے تھے۔ اور ہم کو اس برے حال سے جس کے باعث زیادہ تر آپ ہی ہیں ہمیں نجات دے سکتے تھے۔"

پولوف مسکرایا اس پر حسین علی خان نے کہا۔ معاف کیجئے گا۔ میں نے ایک فضول بات کہی۔ کسی انسان سے بغیر مدعا و غرض و احسان کے خدمت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور روسی بھی انسان ہی ہیں۔

پولوف کی نظر زمین پر اپنے بید کے آخری حصہ پر گڑی ہوئی تھی۔ چند سکنڈ خاموشی میں گذرے۔ آخر اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر کہا:۔

میں آپ کے خیالات کی تصدیق کرتا ہوں۔ مگر میری آرزو ہے کہ آپ یقین کریں کہ اگرچہ افراد حکومت حرص و طمع سے کرتے ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایسے لوگ بھی ہیں جو بھلائی سے بھلائی کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میں انہیں میں سے ہوں۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ ایک جوان مرد اور صاحب عقل فرد، ایران پر امر و نہی کا مالک ہو۔ ایران کو ترقی دینے اور آباد کرنے کے لئے ایک شخص سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ تمدن کے تمام مظاہرات و موسسات

دس سال کے اندر مہیا کی جا سکتی ہیں خود غرض و بدخواہ اشخاص اسکے خلاف جو دلائل چاہیں پیش کریں۔ ورنہ حقیقت میں راہ ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ آج زیادہ دیر ہوگئی انشاء اللہ کل اس بارے میں مفصل بحث رہیگی۔ کہ کس طرح نہایت آسانی سے ایران میں تمام خوانین تمدن ایک مرتبہ جاری کئے جا سکتے ہیں۔ رہا آپ کے متعلق سو انشاءاللہ دو دن کے اندر آپ رہا کردیئے جائیں گے۔ دیر اس وجہ سے ہوئی کہ جنرل صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے لئے اب تک وقت مقرر نہ کر سکے کل انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ دو تین دن میں اس معاملہ کا فیصلہ کر کے آپ کی رہائی کا حکم دیں گے۔

حسن علی۔ میں آپ کا حد درجہ ممنون احسان ہوں۔ شاید آپ نہ ہوتے تو میرا کام تمام ہو گیا ہوتا۔

شیخ حسین کی کارروائیاں

شیخ حسین سخت تردد میں مبتلا تھا نہیں جانتا تھا کیا کرے کیا نہ کرے۔ دماغ میں خیالات درہم برہم تھے اور وہ یکسوئی سے سوچ نہ سکتا تھا۔ ابتدا میں حرص و طمع نے اسکے باقی ماندہ جذبات کو دبا دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ حسین علی خاں کو کوشش کر کے آزاد کرا دے۔ اور اسطرح ہزار تومان حاصل کرے لیکن نفسانی خواہشوں نے اسے انگلی دکھائی۔ اور اس ارادے سے باز رکھا۔ وہ کسی قیمت پر ہما سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے خیال کیا: "اگر حسن علی خاں چھوٹ گیا تو ہما میرے ہاتھ سے بالکل نکل جائیگی۔ اور اگر اسے رہائی نہ دلوائی تو ہزار تومان کس طرح وصول کرونگا۔ پھر منوچہر بھی تو معمولی رقیب نہیں۔ حسن علی خاں کو محو کرنے کی تو میں نے وہ ترکیبیں کی ہیں کہ اس کا چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ قونصل خانے کے میر منشی نے مجھ سے حتمی وعدہ کیا ہے۔ کہ اسے سیبیریا بھجوا دیا جائیگا۔ لیکن منوچہر کا کیا کیا جائے۔ وہ ہر حال میں رہتا ہے

شیخ حسین کی پیشانی دو تین دن تک انہیں متناقض خیالات اور اس تذبذب و تردد کی وجہ سے سکڑی ہوئی تھی۔ اور اسکے چہرے سے پریشانی و اضطراب نمایاں تھا
چوتھے روز صبح ہی شیخ جلد جلد روسی قونصل خانہ کی طرف جا رہا تھا۔ چہرہ پر خوشی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ اپنے دل سے کہہ رہا تھا۔
"آخر ترکیب سوجھ ہی گئی۔ آج یا کل اس لڑکی کا مالک میں ہونگا۔ اُف! کس بلا کی حسین ہے۔ میں خیال نہ کرسکتا تھا کہ عورت میں اسقدر دلکشی ہوسکتی تھی۔ انشاء اللہ اسے اپنے بغل میں ایسا بھینچونگا کہ باید و شاید۔ اور اپنی اس داڑھی اور عبا پہ منسونگا۔ شاباش شیخ حسین تو بھی کیسا چالباز اور ترکیبیا ہے۔ اس منوچہر اور اس حسن علی خاں کی وہ گت بناؤں کہ وہ بھی یاد رکھیں اور انشاء اللہ ہزار لوٹمان بھی کہیں نہیں گئے۔ واللہ عجب مزا ہوگا۔ خدا جب سامان کرتا ہے تو یوں کرتا ہے۔ لوگ تکلیفیں اٹھا کر لقمہ تیار کریں اور کسی کے منہ میں رکھ دیں۔ شکر ہے الٰہی تیرا۔ معلوم ہوتا ہے تو اس بندۂ رو سیاہ کو بھولا نہیں۔ بقول حسن علی خاں کے جھنگس۔ اچھا رقیب تو دفع ہوئے۔ اب لونڈیا کو کس طرح جال میں پھنسانا چاہئے یہ مشکل کام ہے۔ وہ ایسی تو ہے نہیں کہ میں کہوں بیٹھو وہ لیٹ جائے۔ کس کمبخت نے ایسی حسین لڑکی کو ایسا صحت مند پالا ہے۔ مگر شیخ حسین ڈرو مت تم نے اتنا مشکل کام جب اس درجہ تک کامیابی کے ساتھ پورا کر دیا۔ تو باقی کیا رہگیا۔ اس کی کچھ پروا نہیں یعنی کیا تم دو عورتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے؟ ایسا ہے تو ڈوب مرو۔
شیخ ان خیالات میں قونصل خانہ تک پہنچا اور خبر دی کہ نہایت ضروری کام ہے۔ قونصل نے فوراً اسے بلا لیا۔
شیخ نے نہایت دھیمی آواز سے کہا۔ ایک شخص منوچہر نام چند دن ہی قزوین میں آیا ہوا ہے۔ یہ بھی اس جمعیت انقلاب میں شامل ہے جس کا میں ذکر کرچکا ہوں

اور جس سے آپ واقف ہیں۔ وہ برابر حسن علی خاں کی رہائی کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ لوگوں میں ہیجان پیدا کر کے ایک شورش برپا کر دے۔ جہانتک مجھے معلوم ہوا ہے۔ یہ آدمی بہت خطرناک و چالاک ہے۔ ہر روز علماء و تجار اور لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اور عساکر روس کے خلاف اسپیچیں دیتا ہے۔ اب آپ مجھے دیکھئے کہ میں نے کیا کیا اور مجھے شاباشی دیجئے۔ میں نے اس سے شناسائی پیدا کی۔ اور اس سے اظہار ہمدردی کیا۔ اور اس کے دل میں گھس گیا۔ اب وہ مجھے اپنا دست راست تصور کرتا ہے۔ آخر ہم نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ طلبا کے مدارس کو میں آمادۂ اختلال کروں۔ طلبہ کے سر اٹھانے پر اہل بازار و اہالی شہر بھی اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس کام کے لئے اس نے ہزار تومان مجھے دئے ہیں۔ یہ دیکھئے دستاویز۔ اس دستاویز کی رو سے پندرہویں روز یعنی کل وہ مجھے ہزار تومان نقد دیگا۔ تاکہ میں یہ کام شروع کردوں۔ ظاہر ہے کہ یہ روپیہ جمعیت مرکزی طہران کے پاس سے آئیگا۔

قونصل ۔ بہت خوب! اس آدمی کا پتہ کیا ہے میں ابھی اسے گرفتار کراتا ہوں۔

شیخ ۔ درست ہے لیکن اس صورت میں مجھے ہزار تومان کا نقصان ہو جائیگا مجھے طلباء کو بھڑکانے دیجئے ہوتا کیا ہے۔ ایک بار ڈھ میں تو سب لوگ بھاگ جائیں گے۔ یقیناً آپ میرے نقصان پر راضی نہ ہوں گے۔

قونصل (چیں بجبیں ہو کر) نہیں یہ نہیں ہو سکتا وہ دستاویز مجھے دو۔ میں اس کا روپیہ تمہیں دیدوں گا۔ شیخ کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے دستاویز قونصل کے ہاتھ میں دے کر ہزار تومان کے نوٹ اس سے وصول کئے۔ اور منوچہر کا پتہ اسے دیا اور کہا۔

بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔ بہرحال اسے قزوین

میں رہنے دینا نہ چاہئیے۔ مناسب تو یہی ہے کہ وہ باد کوبہ بھجدیا جائے۔ اور ہاں حسن علی خاں کو بھی جلد رہا نہ کیا جائے۔ کیونکہ شہر کی حالت منقلب ہے۔ وہ چھوٹا تو آرام سے تھوڑا ہی بیٹھے گا۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ وہ بے خوف آدمی ہے۔ اور اس رہائی سے اس کا دل اور بڑھ جائے گا۔

قونصل ۔ اطمینان رکھو۔ دو دن میں وہ دونوں سیبیریا بھجدیئے جائینگے۔ اب زیادہ پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں۔

شیخ ۔ جرم ثابت ہونے پر پوچھ گچھ کرنے اور بیان لینے کی کونسی ضرورت ہے اس رات کو منوچہر جیل خانے میں تھا۔

۳۸
شیخ کی حسن علی خاں سے ملاقات

حسن علی خاں نے کہا " شیخ آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ تشریف لائے آج پچیس روز ہوئے ہیں اپنے عزیزوں سے جدا ہوں۔ ان کی مجھے کچھ خبر نہیں۔ آپ سے بھی ملنے کو دل چاہتا تھا۔ بتائیے تو آپ مجھ تک، کیسے پہنچ سکے۔

شیخ (سانس بھر کر) اگر میں نہ آتا تو خدانخواستہ آپ سیبیریا بھجدیئے گئے ہوتے میں نے اس عرصہ میں جو دوڑ دھوپ کی ہے اور جو زحمتیں برداشت کی ہیں ان کو آپ سے عرض کرنا نہیں چاہتا۔ خودستائی ہوگی۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

حسن علی ۔ بیشک مجھے یقین ہے اور میں آپ کا ممنون ہوں۔ مجھے یقین تھا آپ میری رہائی کے لئے کوشش کریں گے۔ لیکن آپ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ بہرصورت میں آپ کا صدردجہ شکر گذار ہوں۔ فرمائیے میری عزیزہ ہما کا کیا حال ہے۔

یہ کہکر اس نے رومال جو معلوم ہوتا تھا۔ مدت سے بدلا نہیں۔ آنکھوں پر رکھ لیا۔

شیخ ۔ دو روز قبل ان کی حالت نہایت ردی تھی۔ میں نے بہت تسلی دی مگر

کارگر نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک نوجوان جس کا نام منوچہر خاں ہے، آیا مجھے معلوم ہوا ہے وہ اس کا منگیتر ہے۔ مجھے پہلے اس کا علم نہ تھا۔

حسن علی خاں کا رنگ سفید پڑ گیا۔ اس کے اعصاب سست پڑ گئے۔ شیخ حسن علی خاں کی اس حالت کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنے الفاظ کو بڑھا کے کہا۔

ہاں مجھے علم نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ خانم کو ان سے بے حد محبت ہے۔ جس روز سے کہ منوچہر آئے ہیں۔ ان کی حالت بہت بہتر ہو گئی ہے۔ دونوں ہنسی خوشی میں دن کاٹتے ہیں۔ (اپنی آواز نیچی کر کے) مگر جہاں تک میں نے سنا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کی گرفتاری کا باعث یہی نوجوان ہوا ہے۔ اس کا یہ طرز عمل نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن جوانی اور خواہشات نفسی انسان کی عقل و انصاف کی آنکھ کو اندھا کر دیتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیوں اس خباثت کا مرتکب ہوا۔ اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔ شاید آپ کو معلوم ہو۔ میں نے یہ تمام حال خانم سے بھی کہا۔ لیکن نوجوان لڑکی اپنے حسین نوجوان منگیتر کو ملزم قرار دینے کے لئے تیار نہیں۔ بے شک وہ آپ کی طرف سے رنجیدہ و ملول ہیں۔ لیکن جوانی۔۔۔ عشق۔ دوستی۔ بہر حال کیا کیا جا سکتا ہے۔ معاف کر دینا چاہئے۔ چشم پوشی کرنی چاہئے۔

معلوم ہوتا تھا کہ حسن علی خاں کے تمام قوائے حساس۔ ہیجان میں آ گئے ہیں۔ اور اس کی روح متاذی و متنفر ہے۔

اس لمحہ سے زیادہ سخت کوئی لمحہ نہیں ہوتا۔ جب کہ عاشق

بے وفا معشوق کے رشتۂ محبت کو قطع کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کوشش میں اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے اور زخمی ہوتا ہے یہ وہ درد ہے جس کا کوئی نام نہیں۔ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا وہ مسرت کے ایام کی یاد۔ وہ پیاری صورت دل میں آ کے سفارش کرتی ہے۔ کہتی ہے ایسا نہ کرو۔ ان تمام باتوں سے چشم پوشی کرو۔ ان سب کو دل سے محو کر دو۔ معشوق کی بے وفائی۔ معشوق کا رقیب سے ملنا۔ ہر قسم کے ظلم سے زیادہ ناقابلِ عمل ہے۔ یہ وہ شکنجہ ہے جسے زمانہ کا ماہر جلاد شاہکار شکنجہ کہتا ہے۔ دفعتاً ان خیالات سے پریشان ہو کر حسن علی خاں نے یہ سوچا۔

قصور میرا ہی ہے۔ عشق کا جو اقتضا تھا۔ اسکے مطابق میں نے رفتار نہ کی۔ ہما نے مجھ میں خود پسندی اور اپنی آرزو کے حصول کے وہ آثار دیکھے کہ اپنے میلانِ قلب کو صاف صاف مجھ سے نہ کہہ سکی۔ اسے ہمت نہ ہوئی کہ وہ مجھ سے کہے۔ میں منوچہر کو چاہتی ہوں۔ جاؤ اور میری خوشی اور میری آرزو کے پورا کرنے کا سامان کرو۔

سچا عاشق تو وہی ہے جس پر معشوق کو ایسا اطمینان ہو کہ وہ اپنے دل کی کوئی بات اس سے نہ چھپائے۔ بلکہ عاشق سے اپنے دل کی آرزوؤں کے بر آنے میں مدد حاصل کرے۔ عاشق کو اپنی ہر خواہش و آرزو سے بے نیاز و منزہ ہونا چاہئے۔ اس کو صرف معشوق کی خدمت و تعمیل حکم میں لطف

آنا چاہئے۔ سچا عشق یہی ہے۔ یعنی وہ حالت کہ عاشق رنج و زحمت سے بالاتر ہو اور خدمت ہی اس کے لئے سراسر نشاط ہو۔ ہما جان مجھے معاف کرو۔ میں نے نادانی یا خود پرستی کی وجہ سے تمہیں رنج پہنچایا تم اپنی آرزو۔ اپنے قلب نازنیں میں چھپاتے رہیں۔ اور سوائے اپنے تم نے کسی کو اپنا دوست و مشفق نہ سمجھا۔ جس سے یہ راز کہو۔ آہ افسوس میرے اوپر۔

حسن علی خاں مدت تک انہیں خیالات میں مستغرق رہا۔

آخر شیخ نے کہا:۔

معاف کیجئے میں اب مرخص ہوتا ہوں۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ یہاں رہنے کی اجازت نہیں (اور اپنا منہ اس کے نزدیک لاکر) مجھے معلوم ہوا ہے۔ روسی ہما خانم کو بھی بلاکر تفتیش کریں گے۔ اور ایران کا بیان لیں گے۔ زیادہ فکر کی بات نہیں۔ مگر یہ اچھا نہ ہوگا کہ ہما خانم حراست میں لے لی جائیں۔ اگر آپ کی صلاح ہو تو میں انہیں اور طلعت خانم کو اپنے گھر لے جاؤں۔ میں آپ کی خاطر ہر قسم کی قربانی کو حاضر ہوں۔ اگرچہ اس میں میری جان ہی کا خطرہ کیوں نہو۔

حسن علی خاں۔ ضرور آپ ضرور لے جائیے۔ آپ، جو مناسب سمجھئے کیجئے۔

شیخ (سوچکر) بہتر۔ مگر آپ دو کلمے اجازت کے انہیں لکھ دیں۔ کاغذ و قلم موجود ہے۔

حسن علی خاں نے لکھا۔ ہمارے عزیز من۔ آقا شیخ حسین میرا جانشین اور تمہارے باپ کی جگہ ہے۔ جو وہ کہے اس پر عمل کرو۔ اگر مناسب

سمجھو تو ان کے گھر چلی جاؤ۔ تاکہ خطرہ سے محفوظ رہو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں معلوم ہو کہ جو تمہاری خواہش ہو۔ وہی میری آرزو ہے۔ تمہاری آرزو عین میری خوشی ہے۔

اگر میں نے پھر تمہارے پیارے چہرے کو دیکھا۔ تو اس سے اچھا کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر زندگی کا بوجھ میرے گناہوں سے ہٹا بھی دیا گیا تو بھی میری روح ہمیشہ ہمیشہ تمہارے ہی گرد منڈلایا کرے گی۔

تمہارا حسن

شیخ حسین یہ خط نہایت اہتمام سے لے کر اور حسن علی خاں کو بدترین حالت میں چھوڑ کر باہر آیا۔

(۳۹)

وزارت خارجہ ایران کا خط سفارت روس (طہران) کے نام

جناب .... وزیر مختار دولت بہیہ دولت شاہنشاہی۔ کل ممالک روس۔

قزوین کی تلگرافی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آقائے حسن علی خاں رئیس مالیۂ قزوین کو روسی فوج نے گرفتار کر لیا ہے۔ غالباً کسی غلط فہمی کی بناء پر یہ گرفتاری عمل میں آئی ہے اور یقین ہے کہ آں دوست معظم کی خدمت میں اس مکتوب

کے پہنچنے تک مثالاً الیہ آزاد کر دیے گئے ہوں گے۔ اور ان کی دلجوئی کی گئی ہوگی۔

ہر حال میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آں جناب کو مطلع کر دوں کہ ایک دوست و ہمجوار حکومت کے عمال کی طرف سے ایسے طرز عمل کی ہرگز توقع نہ کی جاتی تھی۔ خاص کر اس وجہ سے کہ اس سے اہالی ملک میں انتشار پیدا ہوا۔ اور حکومت کے حلقہ میں بھی اس کا اثر اچھا نہیں ہوا آخر میں میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر جناب کی خدمت میں اپنے احساسات مودت و محبت کی تجدید کرتا ہوں۔

اس ڈسپیچ (سرکاری خط) کے بعد پانچ یاد دہانیاں بھیجی گئیں۔ اور جواب کا مطالبہ کیا گیا۔ بیسویں دن سفارت سے یہ جواب آیا۔

"جناب .... وزیر امور خارجہ دولت علیہ ایران۔ مکتوب نمبری .... مورخہ .... متعلق گرفتاری امین مالیہ قزوین موصول ہوا۔ باعث تعجب ہے کہ دولت علیہ ایران اپنے افسران کے انتخاب کے وقت ضروری تحقیق و تدقیق نہیں .... کرتی۔ اور ایسے شریر اور انقلاب پسند اشخاص کو عہدوں پر مقرر کر کے جن کے تقرر سے دونوں سلطنتوں کے روابط و مناسبات میں بدمزگی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ملک کے ان قطعات میں روانہ کر دیتی ہے جہاں دولت شاہنشاہی کے عمال و عساکر

قیام پذیر ہیں۔ اس مخلص کی رائے میں اس شخص کی گرفتاری دونوں حکومتوں کے بقائے روابط دوستی کے لئے ضروری تھی۔ دولت علیہ ایران کو خوش ہونا چاہیئے کہ عمال شاہنشاہی نے بعجلت تمام اور فرصت کو ہاتھ سے جانے دینے کے بغیر کارروائی لازمہ کی۔ اور اس طرح ان مشکلات کو رونما ہونے سے روکا۔ جو چاروناچار مضرت کا باعث ہوتیں۔

(دستخط) سفیر سفارت دولت بہیہ شاہنشاہی ممالک محروسہ روس۔

چند دنوں کے بعد [illegible] یادداشت سفارت خانہ روس کی طرف سے اس مضمو[illegible] موصول ہوئی۔

جناب . . . . . . [illegible] رجہ دولت علیہ ایران۔

برائے سد باب مشکل[illegible] تحفظ مراتب دوستی روداد درمیان دولتین' عمال سلطنت شاہنشاہی نے حال ہی میں ایک شخص مسمٰی بہ منوچہر کو جو قزوین میں انقلاب برپا کرنیکی کوشش کر رہا ہے گرفتار کر لیا ہے۔ یہ شخص از روئے دستاویز موجودہ' وابستگان سفارت دولت شاہنشاہی میں سے ایک شخص کا مبلغ ایک ہزار تومان کے لئے مدیون ہے۔ مبلغ مذکور دائن کو ادا کر دیا گیا ہے۔ اور بینک روس کو ہدایت کر دی گئی ہے۔ کہ سلطنت شاہنشاہی کا جو مطالبہ دولت ایران پر ہے اس رقم کا اس پر اضافہ کر دیا جائے اس کے مقابل میں دولت ایران مجاز ومختار ہے کہ شخص

مدیون سے رقم مذکورہ وصول کرے۔

(دستخط) وزیر مختار دولت شاہنشاہی ممالک محروسہ روس

(۴۰)

روسی جنرل کی حضوری میں

کپتان پولوف خوش خوش جیل خانہ میں آیا۔ اسکا رنگ سرخ ہے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ اس نے آتے ہی حسن علی خاں سے کہا۔ میں آپ کی رہائی کی خوشخبری لایا ہوں لیکن جب اس کی نظر اس کے چہرے پر روشنی میں پڑی تو اس کی خوشی رنج و افسوس سے مبدل ہوگئی۔ پولوف نے دیکھا کہ اس کا دوست ایک جسد نیم مردہ سے زیادہ نہیں۔ آنکھیں اندر گھس گئی ہیں۔ روشنی کم ہوگئی ہے چہرے کی ہڈیاں ابھر آئی ہیں۔ رنگ زرد پڑ گیا ہے۔ اس نے کہا۔ میں نے کل صبح آپ کو دیکھا تھا۔ ایک ہی رات میں آپ کا کیا حال ہو گیا۔ بیمار ہو گئے؟ ڈاکٹر کو بلاؤں۔؟

حسن علی خاں۔ (مسکراکر) آپ کی مزاج پرسی اور دلجوئی کا ممنون ہوں۔ کسالت جسمی تو کوئی نہیں۔ مگر میری روح نہایت افسردہ ہے۔

پولوف۔ بس ایک گھنٹہ میں آپ کی تمام تکلیفیں دور ہوجائیں گی۔ اٹھئے جنرل صاحب سے ملاقات کے لئے چلئے۔ آپ کی رہائی کا حکم دینے سے پہلے وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

حسن علی خاں اپنی جگہ سے نہ اٹھتا تھا۔ پولوف قریب تھا کہ اس کی بغل میں ہاتھ ڈال کے اُسے اٹھائے۔ کہ اُسنے منع کیا۔ اور کہا۔ "میں خود اٹھتا ہوں۔" حسن علی خاں اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ "اس نیک آدمی نے اپنے خیال میں میری خدمت کی ہے۔ میری آزادی کا انتظام کیا ہے۔ اسے خبر نہیں۔ کہ میری آرزو یہی ہے۔ کہ اسہ جیل خانے میں مرجاؤں۔ اور دنیا کی شکل نہ دیکھوں۔

آخر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور پولوف کے ہمراہ روسی جنرل کی حضور میں پہنچا۔ حسن علی خاں بغیر اجازت کے کرسی پر بیٹھ گیا۔

جنرل نے سخت لہجہ سے فرانسیسی زبان میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ بیحد کمزور ہو گئے ہیں۔ بغیر اجازت کے بیٹھ گئے۔ خیر آپ کو معذور سمجھتا ہوں۔"

حسن علی خاں کے زرد رخسارے سرخ ہو گئے۔ اور اس نے جواب دینا چاہا۔ مگر پولوف نے ایک ملتمسانہ نگاہ سے اسے منع کیا۔

جنرل۔ آپ دولت شاہنشاہی کے خلاف کیوں رفتار کرتے ہیں؟

حسن علی خاں۔ "آپ کی محکمہ اطلاعات کی بدنظمی پر مجھے تعجب ہے۔ میں نے کبھی اور کسی جگہ آپ کی حکومت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا۔"

جنرل مجھے معلوم ہے کہ قتل صنیع الدولہ کے معاملے میں

آپ دولت شاہنشاہی پر ظلم و وحشت گیری کا الزام لگاتے ہیں۔

حسن علی خاں۔ یہ صحیح ہے۔ اب میرا عقیدہ یہی ہے۔ جو لوگ اس بزرگوار وطن دوست شخص کے قتل کا باعث ہوئے وہ ظالم و وحشی ہیں۔

جنرل ہیجان کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور حسن علی خاں کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ مگر حسن علی خاں متوجہ نہ ہوا۔ ... جنرل نے ایک پر غیض و غضب نظر ڈال کر اس سے کہا۔

چونکہ آپ مجھے بیمار معلوم ہوتے ہیں اس لئے میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ اس کے بعد کسی موقع پر اور کسی حالت میں دولت شاہنشاہی کے منافع کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں گے۔

حسن علی خاں۔ (مسکرا کر) میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب دولت شاہنشاہی کے منافع برخلاف اپنے اپنے ملک کے منافع کے دیکھونگا۔ تو میں دولت شاہنشاہی کے خلاف کوشش کروں گا۔

جنرل۔ "اس صورت میں آپ جیل خانے میں رہیں گے۔"

حسن علی خاں نے پولوف کے التماس و لجاجت بھرے اشارے پر توجہ نہ کی اور کہا۔ اس کی کچھ پروا نہیں، آپ مجھے ہمیشہ قید میں رکھیں، زور آپ کے ساتھ ہے اور حق میرے، اس کام کی شرم آپ کے لئے باقی رہے گی۔

جنرل۔ نے کرسی پر حرکت کر کے کہا " چپ رہو "

حسن علی خاں۔ (متغیر ہو کر) تم خیال کرتے ہو کہ میں روس کا نفر سپاہی ہوں کہ مجھے اس قسم کا حکم دیتے ہو، میں بھی تمہاری طرح حکومت کی طرف سے صاحب منصب ہوں، میرے مناسب حال میری عزت کیوں نہیں کیجاتی۔

جنرل۔ میں تمہاری بھک منگی حکومت اور اسکے صاحب منصب کو جہنم واصل کردونگا

اس پر حسن علی خاں ایک ایسی درندگی سے جس کی اس سے توقع نہ کی جا سکتی تھی، شرارے کی طرح اٹھ کر چلایا، خاموش، بے ادب "

روسی جنرل انگارے کی طرح سرخ ہو گیا، اور اس نے ایک گلاس جو میز پر رکھا تھا، اٹھا کے اس کی طرف پھینکا، اور دولت و ملت ایرانی کو گالیاں دینی شروع کیں قبل اس کے کہ پولوف کچھ مداخلت کر سکے، حسن علی خاں نے میز کے قریب پہنچ کے ایک بڑی سی دوات جس میں سیاہی بھری ہوئی تھی اٹھاکے جنرل کے سر پر ماری سیاہی اس کے سر اور داڑھی سے ٹپکتی ہوئی اس کے کوٹ پر آگری، جنرل اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے گیا، مگر پھر فوراً ہاتھ روک لیا، اور تھوڑا اسا رک کے نہایت نرمی سے کہا۔

جمعہ کے روز کہ تمہارا مقدس دن ہے، تم پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے۔ تین دن باقی ہیں، ان تین دنوں میں اپنی بے ادبی و جسارت کے نتیجے پر خوب غور کرو (پولوف سے) اسے لیجاؤ جیل میں اسی کیلئے تم ایسی گرم جوشی سے سفارش کرتے تھے۔

حسن علی خان تمسخر کے طور پر مسکرایا، اور پولوف کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

(۴۱)

شیخ کے گھر میں

شیخ رونی صورت بنائے ہوئے حسن علی خاں کے گھر گیا، اس سے جتنا پوچھا جاتا تھا کہ کیا ہوا کچھ جواب نہ دیتا تھا بہت اصرار کے بعد کہنے لگا۔
کیا کہوں، تم تو میرا کہنا ہی نہیں مانتیں، معاملہ خطرناک ہے، شاید وہ جلد رہا نہ کیا جائے، لیکن پھر بھی زیادہ فکر کی بات نہیں۔
ہما۔ (گھبرا کر) کیسے فکر کی بات نہیں، خدا کے لئے مفصل اور ٹھیک ٹھیک کہئے میں ابھی جا کر روسی جنرل سے ملوں گی، یا مجھے بھی پکڑ کر مار ڈالے، یا بھائی جان کو رہائی دے، اے خدا تو کہاں ہے۔؟
شیخ۔ گھبرائیے مت، جلدی مت کرو، میں سب کام درست کردونگا۔ میں خود اسے آزاد کراؤں گا، دو روز اوپر یا سویر اس میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ فی الحال تو گفتگو تمہارے متعلق ہے، حسن علی خاں نے یہ خط تمہیں دیا ہے۔ آج سینکڑوں جتن کے بعد ان سے جیل میں مل سکا۔
ہما نے لپک کر خط اس سے لیا۔ اس کی ماں نے کہا " زور سے پڑھو" مگر ہما اس طرح گویا، ماں کا کہا اس نے نہیں سنا، کاغذ پر نظر گاڑے رہی یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے وہ سوچ رہی تھی۔ شیخ نے اس سے ضرور یہی کہا کہ منوچہر اس کی گرفتاری کا باعث ہوا ہے۔ اور حسن علی خاں یہ خیال کر رہے ہونگے کہ میں منوچہر سے ملاقاتیں کر رہی ہوں اور خوش ہوں۔ افسوس اس خیال سے ان پر کیا گذرتی ہوگی۔ کس درد میں ہونگے

شیخ نے خط ہما سے چھین کر بلند آواز سے پڑھا، اور پھر آہستہ سے مگر ایسے کہ ہما سن سکے، طلعت خانم کے کان میں کہا، فوراً میرے گھر چلئے، روسی ہما خانم کو بھی گرفتار کرنا چاہتے ہیں نہ معلوم کے دن یا کے مہینے تک ان سے تفتیش حالات کریں، میں آپ کی خاطر اور حسن علی خاں کی خاطر اس کھٹکے میں اپنا پاؤں ڈالتا ہوں۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں اگر روسیوں کو خبر لگ گئی کہ میں نے ہما خانم کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے، بس میرا کام تمام ہے۔

طلعت خانم۔ خدا آپ کو عمر دے بھلائی کا اجر مل کر رہتا ہے، کہتے ہیں نیکی کر اور دریا میں ڈال، زمانہ یوں ہی نہ رہیگا۔ انشاءاللہ آقا رہا ہو جائیں گے جلد اور منوچہر بھی آجائے گا۔ اور ہم سب آپ کے احسان کا بدلہ دے سکیں گے۔

تیسری رات تھی کہ ہما اور طلعت، شیخ کے گھر میں تھیں، شیخ انتہائے شوق و مسرت سے آسمان میں پرواز کر رہے تھے۔ ہما لیمپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو روشنی میں موتی کی طرح چمک رہے تھے جتنی دفعہ شیخ کی نگاہ اس منظر پر پڑتی تھی وہ شوق سے بیتاب ہو جاتا تھا۔ اسکے دل میں شعلہ خواہش بھڑک رہا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ اب مقصد تک پہنچنے میں کوئی امر مانع نہیں، وہ سمجھ رہا تھا، کہ حسن علی خاں، کل تک پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ اور منوچہر بھی سیبیریا میں مر جائے گا۔ ایک بار بے اختیار ہو کر۔ اس نے ہما کی گردن میں ہاتھ ڈال کر کہا، پیاری اتنا غم نکرو، میں تو نہیں مرا، ہما نے سختی سے اپنے تئیں چھڑا کر کہا، میری آپ سے یہی التجا ہے کہ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، میں تسلی کی محتاج نہیں ہوں۔

شیخ۔ نہیں یہ بات نہیں، عورت کو ہمیشہ مرد کی حمایت و حفاظت کی ضرورت ہے، ہما نے ایک حقارت آمیز نظر اس پر ڈالی اور کچھ جواب نہ دیا۔

طلعت خانم۔ بے شک آپ ہمارے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں۔ اس میں کوتاہی نہ فرمائیں گے۔

اور یہ کہکر آنکھوں سے اس نے اشارہ کیا کہ ہما کو نہ چھیڑے، شیخ نے اس کے اشارہ کی پرواہ نہ کی اور کہا۔

ہما خانم، مجھ سے اپنا منہ مت پھیرو، اس کے بعد میرے گھر میں سب سے معزز تم ہی ہوگی اور تم ہی کو سب اختیار ہوگا۔

ہما کا رنگ اڑ گیا اور اس نے حیران و متوحش نظروں سے اسے دیکھکر کہا۔

اس فقرے سے آپ کا مطلب کیا ہے۔

"میرا بھائی ابھی مرا"

شیخ۔ "کیا عرض کروں"۔

ہما۔ (جلدی سے) آپ کیا کہہ رہے ہیں، بھائی جان کو کیا ہوا۔

شیخ (دوبارہ مسکراکر) کیا عرض کروں۔

ہما نے چلاّ کر کہا، للّٰہ کہو کیا ہوا۔ میں پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ آخر کیا ہوا، کیا میرے بیگناہ بھائی کو قتل کر ڈالا۔

شیخ نے جواب اثبات میں سر ہلایا۔

ہما۔ (اپنی جگہ سے اٹھکر) تو وہ مجھے بھی مار ڈالیں یہ کہکر وہ رو رہی تھی اور باہر جانا چاہتی تھی، طلعت خانم نے زور سے رونا شروع کیا اور کہا شیخ حسین آپ رسد اللہ وا سطہ، اسے باہر نہ جانے دیجئے۔ اسے پکڑ کر مار ڈالیں گے۔ الہٰی ہم نے کیا گناہ کیا ہے۔

شیخ نے موقعہ کو غنیمت خیال کیا، اٹھا، اور ہما کو مضبوط طریقے سے اپنے بازوؤں میں لے لیا، اور اپنے ہونٹ اس کے لبوں پہ لگائے ہی تھے

کہ ہما نے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ شیخ کی آنکھوں میں چکا چوند آ گئی اور اس نے اسے چھوڑ دیا، اور کہا،

"شاباش" میری مہربانی کا تم نے اچھا جواب دیا، تھپڑ سے مہربانی کا جواب نہیں دیا جاتا خیر کچھ پروا نہیں، تمہاری مار بھی پھولوں کی مار ہے۔

ماں رو رو کر کہہ رہی تھی" ہما جان، میں قربان یہ باہر جانیکا وقت نہیں تم کیا کر سکو گی" آقا شیخ حسین نے تو تمہارے ساتھ مذاق کیا تھا، تمہیں ڈرانا چاہتا تھا۔"

شیخ نے زور سے ہنسکر کہا "ہما خانم" میں تو تمہارا ظرف دیکھنا چاہتا تھا، میں نے محض مذاق کیا تھا۔

ہما کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اور اس نے کانپتی ہوئی آواز سے عاجزانہ طریقے سے پوچھا" خدا کے واسطے سچ بتائیے" میرے بھائی زندہ ہیں۔

شیخ۔ (آؤ بیٹھو تو) تاکہ ٹھیک طریقے سے باتیں ہو سکیں۔ سچ بتاؤں حسن علی خاں کی موت کا حکم تو سنا دیا گیا ہے۔ لیکن اگر میں اپنی جان خطرے میں ڈالوں تو ممکن ہے کہ میں اسے بچا سکوں۔ اب بتاؤ، تم ہما خانم، اس خدمت کی عوض میں مجھے کیا دو گی۔

ہما۔ اگر جان بھی مانگو گے تو دونگی۔

شیخ۔ (تھوڑے سے تامل کے بعد) قول دیتی ہو۔

ہما۔ ہاں۔ ہاں۔

شیخ۔ الحمد اللہ، عمل پورا ہوا۔ تم نے ہاں کہدیا۔

طلعت خانم نے چلا کر کہا، نہیں اس نے ہاں نہیں کہا۔

ہما نے تعجب سے اپنی ماں کی طرف دیکھکر کہا۔ کیوں میں نے ہاں تو کہا ہے، اگر بھائی جان کو چھڑا لائیں، تو میری جان ان کی ہے۔

شیخ نے اپنی ہی بات کی تکرار کی اور کہا، الحمدللہ عمل پورا ہو گیا، ہما اب میری بیوی ہے۔

طلعت خانم۔ خدا نہ کرے، یہ داڑھی، یہ صورت اور میری بھولی بھالی بچی۔

ہما کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا

شیخ نے کہا۔ یہ شرط ہے تو کل ہی داڑھی منڈوا ڈالوں گا۔ اور عمامے کو اتار کر ٹوپی پہن لوں گا۔ کالر اور ٹائی لگاؤں گا۔ اس وقت معلوم ہوگا۔ کہ میں یا حسن علی خاں یا منوچہر کون زیادہ طرحدار ہے میں اپنی آرائش میں وقت صرف کرنا نہ چاہتا تھا، مگر اب آئندہ دیکھو گی کہ کس ٹھاٹھ باٹھ سے رہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ ارتو مان کے نوٹ جیب سے نکال کر چند دفعہ الٹے پلٹے۔

ہما۔ (ایک بڑی سی مسکراہٹ کیساتھ) بہرصورت ہمارا اقرار یہی ہے کہ حسن علیخاں کو چھڑا لائے میں آپ کی بیوی بن جاؤنگی۔ **طلعت خانم** (چلاکر) حسن علی تو ایکطرف رہا۔ اگر ہما کے والد کو بھی زندہ کر کے لے آؤ تو بھی ہما کو نہیں دونگی افسوس ہے تمہیں شرم نہیں آتی۔ شیخ ابا بھی کہیں ہوا ہے

چند منٹ تک صرف طلعت خانم کے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

شیخ اور ہما دونوں سوچ رہے تھے، آخر شیخ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بس، بہت مزخرفات ہو چکے، دنیا میں حق شناسی بھی کوئی چیز ہے۔ تمہاری جان میں نے خریدی ہے۔ اگر جرأت ہو تو گھر سے باہر قدم رکھو۔ دیکھو کس طرح ہوا جیل خانے میں پہنچو گی۔ میں نے تمہاری خاطر، اپنی عزت آبرو کی بازی لگا دی۔ اگر انہیں خبر ہو جائے کہ تم یہاں ہو تمہیں فوراً لے جائیں لیکن جب انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہما میری بیوی ہے تو کسی کی مجال نہ ہوگی

اب اگر جانا چاہتی ہو تو جاؤ، بسم اللہ راہ باز، و جادۂ دراز۔

ہما۔" اماں جان، اٹھئے چلیں۔

طلعت۔ شیخ آپ کو خدا کا واسطہ۔

شیخ۔ تو میری بات کو کان دھر کر سنو، میں بلاوجہ یہ نہیں کہتا کہ ہما میری بیوی ہے۔ میرے تمام کام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، ورنہ مجھے کوئی غرض نہیں۔

ہما کا اصرار تھا کہ اس گھر سے جائے، ماں کی منت سماجت سے آخر رہنے پر راضی ہو گئی۔ مگر کہنے لگی "اب مجھ میں بحث مباحثے کی طاقت نہیں۔ میں کمرے میں جاکر سوتی ہوں۔"

ہما اور اس کی ماں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ اور پاس کے کمرے میں جاکر، اپنے اپنے بستر بچھا کر لیٹ گئی، شیخ گھنٹوں لیمپ کے سامنے بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کے تمام کپڑے سگریٹ کی راکھ سے بھر گئے۔

کبھی اس کے زرد و سیاہ دانت اس کی کھچڑی داڑھی اور مونچھوں میں سے نظر آتے تھے۔ وہ مسکراتا تھا۔ نوٹوں کو جیب سے نکال کر، گنتا تھا۔ اور پھر جیب میں رکھ لیتا تھا، پھر اپنے دل سے باتیں کرتا تھا۔

کل حمام جاکر داڑھی منڈواؤں گا، عمامہ پھینک کے ٹوپی پہنوں گا۔ اس وقت ہما مجھ پر ریجھ جائے گی، علاوہ ازیں جب اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ حسن علی کو پھانسی ہو گئی، اور منوچہر بھی روانہ کر دیا گیا، تو سوائے اسکے کہ اپنے تئیں میرے حوالہ کرے۔ اسے کوئی اور چارہ کار نہ رہیگا، بہتر ہے آج کی رات اور ٹھیروں عقل کا یہی حکم ہے۔ آج دل کی حسرت دل ہی رکھوں کل رات خود گڑگڑاتی ہوئی میرے پاس آئے گی۔' ہاں عقل کا یہی حکم ہے۔ بس آج کی رات اور صبر کروں، کل ساری دنیا میری ہے۔

قونصل نے کہا تھا کہ اگلے انتخاب میں میں وزیر ہونگا' پس دو تین مہینے ہی تو باقی ہیں' اس وقت ہما ہمہ تن نیاز ہوگی' اور میں ہمہ تن ناز' اس وقت آج کی کسر اس سے نکالوں گا۔ وہ وہ کسر نکالوں کہ وہ بھی یاد کرے' ہر مہینہ ایک ضیفہ کہہ کے اس کے سینہ پر کودوں دونگا۔ ہاں آج طبعیت کو روکنا چاہیئے۔

وہ کمرے سے نکلا اور آہستہ سے کلفتن خادمہ کو بلا کر کھانا مانگا' کھانا کھانے کے بعد سنی ہوئی انگلیوں کو دسترخوان سے صاف کر کے اپنے میلے بستر پر لیٹ گیا' مگر اسے نیند نہ آتی تھی' بار بار اس کے دل میں خیالات آتے تھے جو اسے سونے نہ دیتے تھے گھنٹے گزر گئے' وہ رہ رہ کے یہی کہتا تھا۔

آج کی رات صبر کرنا چاہیئے ایک رات میں کیا ہوتا ہے' باقی تمام عمر وہ میرا مال ہے' آخر ایک مرتبہ بستر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا' اور پاس کے کمرے میں گیا' آہستہ سے ہما کے لحاف کا کونا اٹھا کر اس میں گھسا ہما سوئی نہ تھی اور اس کی حرکات کی نگرانی کر رہی تھی' جوں ہی وہ اپنا سر اس کے نزدیک لایا' ہما نے اس زور کا تھپڑ اس کو مارا کہ وہ پیچھے گر پڑا۔

اس آواز سے طلعت خانم جاگ گئی۔ پوچھا کیا ہے۔

شیخ۔ کچھ نہیں۔ میں دیکھنے آیا تھا کہ ہما خانم کے اوپر سے لحاف تو نہیں سرک گیا۔ اور کوئی بات نہ تھی۔

یہ کہکر وہ اپنے بستر پر جا لیٹا اور انتقام کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

ابھی پو بھی نہ پھٹی تھی' ہما اپنی چادر نہایت احتیاط سے بغل میں دبا کر کمرے سے باہر آئی اور جوتیاں نکال کر چپکے چپکے گھر سے باہر آگئی۔ اور جلد جلد سڑک پر چلنے لگی۔

(۴۲) ہما کا تعاقب

صبح سویرے جب طلعت خانم جاگی تو اس نے ہما کو اپنے بستر پر نہ پایا، چاروں طرف تلاش کی، اس کے پاؤں کی آہٹ سے شیخ بھی جاگ گیا، وہ بھی گھبرا کے اِدھر اُدھر پھرنے لگا دیکھا کہ صحن کا دروازہ کھلا ہوا ہے، سمجھا کہ ہما نکل گئی، اس کی حیوانی فطرت جو ابتک پردۂ ریا میں چھپی ہوئی تھی اب بے نقاب ہوگئی اور اس کی حالت ایک وحشی درندے جانور کی سی ہوگئی، اس نے خیال کیا طلعت خانم اس جرم میں شریک اور اسکی ذمہ دار ہے۔ اس نے اسے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں اور اسکی بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بیچاری ماں رو رو کر کہتی تھی "آپ جو کہیں سچ ہے" میرا ہی قصور ہے مجھے جاگتے رہنا تھا، نگرانی کرتی، میں سوگئی، اپنی نازنیں لڑکی کی طرف سے غافل ہوگئی، لیکن آپ نے اسے کیوں ڈرایا رات آپ نے کیوں ایسی باتیں اس سے کیں، اسکا منگیتر موجود ہے وہ آپ کی بیوی نہیں ہوسکتی۔

شیخ اس سے نہایت درجہ غضبناک ہوا۔ اور ماں کو مار مار کر کہنے لگا منگیتر گیا بھاڑ میں، اور اسکا عاشق حسن علیخاں بھی جہنم واصل ہوا اطمینان رکھو۔ بس مجھ چکما دہو کے بازی میری شرعی بیوی کو کہاں بھگا دیا، ابھی جاتا ہوں وہ جہاں کہیں بھی ہے، کتے کی طرح گھسیٹ کر لاتا ہوں۔

شیخ نے گلی گلی چھان ماری مگر ہما کا پتہ نہ چلا، آخر یہ دیکھکر کہ وقت جارہا ہے، سیدھا قونصلخانہ پہنچا اور نائب قونصل سے جو اسی وقت موجود تھا کہا "۔ جمعیت نسواں آزاد، کی ایک ممبر، حسن علی خاں کے خون کا بدلہ لینے کے ارادے سے نکلی ہے، آپ کو ہوشیار رہنا چاہئے اگر کوئی عورت قونصلخانہ میں آئے اسے گرفتار کر لیجئے گا جب تک میں آؤں۔

قونسل خانے سے باہر آ کے اس نے پھر جستجو شروع کی، مگر معزور کا پتہ نہ ملا۔

دس بجے دن کو جب قونسل۔ قونسل خانہ میں آیا تو اس کو رپورٹ ملی کہ شیخ نے اس قسم کی اطلاع دی تھی، اور فی الواقعہ بعد میں ایک عورت آئی اور پکڑ لی گئی اتنے میں شیخ بھی آ گیا۔ ہما کی گرفتاری سے نہایت مسرور ہوا۔ ہما سے سوال وجواب کیا گیا، اور اس کی جامہ تلاشی لی گئی۔ جب کوئی اسلحہ اس کے پاس سے برآمد نہ ہوا تو اسے قونسل کے پاس لے گئے۔ قونسل نے پوچھا، تمہیں مجھ سے کیا کام ہے۔

ہما نے بغیر اس کے کہ یہ ظاہر کرے کہ وہ شیخ سے واقف ہے کہا۔

میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں کہ اپنے بھائی حسن علی خاں سے جو میرے باپ کی جگہ ہیں ملاقات کروں اور چونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنے متعلق بہت کم کسی سے کہتے ہیں میں آپ پر ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ وہ بالکل بے گناہ ہیں ان سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔ دھوکہ اور چالبازی انھیں نہیں آتی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ انھوں نے کبھی کوئی حرکت حکومت روس کے خلاف نہیں کی، انھیں سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔

قونصل نے اپنی پہنچی، قمیص کے کف سے باہر کر کے گھڑی کو دیکھا، اور مسکرا کر کہا۔

افسوس ہے اس معاملہ میں میں تم سے کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا اور اپنی کا بھی افسوس ہے کہ تم زیر حراست رہو گی۔

شیخ۔ میں اسے گھر لیجا کر حراست میں رکھوں گا۔

ہما۔ (شیخ نے کیا کہا، اس پر متوجہ نہ ہو کر) آپ کہ اہل تمدن ہیں، ایک قیدی کے متعلق کیوں معلومات حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ

حقیقت میں مجرم نہ ہو، کیوں اسے اپنے گھر والوں سے ملنے نہیں دیتے۔ آپ وحشی نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ اپنے قیدی پر سختیاں کریں۔ قونصل نے قزاق کو اشارہ کیا کہ ہما کو کمرے سے باہر لے جائے۔

شیخ نے اٹھکر روکا اور کہا، نہیں اسے نہ لیجاؤ۔ میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گا۔

قونصل۔ (سختی اور تعجب سے شیخ کی طرف دیکھکر) کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔

شیخ۔ (مسکرا کر آہستہ سے) نہیں، یہ عورت میری بیوی ہے۔

ہما نے چلانا شروع کیا' جھوٹ کہتا ہے۔ میں ہرگز اس کی بیوی نہیں یہ شخص دہوکہ باز بے ایمان ہے۔ اس نے حسن علی خاں کو دھوکہ دیا۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں، اس بے ایمان کے سپرد نہ کیجئے۔ آپ کو معلوم نہیں اس چور نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔

آنسوؤں کا سیلاب ہما کی آنکھوں سے ایسا جاری ہوا کہ وہ اور زیادہ نہ بول سکی۔

قونصل نے قزاق کو اشارہ کیا کہ رک جائے اور ہما سے کہا۔

"بیٹھو" اس کے بعد خود کرسی پر اچھی طرح بیٹھ کر متحیر و متجسس نگاہوں سے کہا۔ "مفصل بیان کرو"

شیخ نے ہکلاتی ہوئی آواز سے کہا، نہیں کچھ نہیں' یہ میری بیوی ہے

ہما نے داد فریاد کر کے کہا۔ خدا شاہد ہے، جھوٹ کہتا ہے کل رات تک یہ بے ایمان، ہمیں اپنا خیر خواہ و دوست ظاہر کرتا تھا۔ دھوکا دیکر ہمیں اپنے گھر لے گیا۔

قونصل نے کہا ذرا چپ رہو (شیخ سے) تم مفصل کیوں نہیں بیان کرتے

شیخ۔ میں نے خلاف واقع عرض نہیں کیا، یہ میری بیوی ہے، جمعیت کی ممبر ہے آج صبح میرے گھر سے اس غرض سے بھاگ نکلی ہے کہ حسن علی خاں کا انتقام لے، کچھ تعجب نہیں کہ یہ کسی کو قتل بھی کر دے، اس حرافہ کے ہاتھ سے جو نہ ہو جائے وہ کم ہے۔

ہما۔ (ایک نالۂ دلخراش و آہ عجز و بیکسی کے ساتھ) تو نصل کو مخاطب کر کے: یہ مردود مجھے گالیاں دے رہا ہے۔ اس پرسوز فریاد کا اثر تونصل کے دل پر بھی ہوا، اور اس نے شیخ پر ایک حقارت آمیز نگاہ ڈال کر کہا۔ لو میرے سامنے عورت کی بے عزتی کرتا ہے، تجھے میں یہ کرنے نہ دوں گا، ان وحشیانہ حرکات کو، جب اپنے گندے گھر میں جانا، اس وقت کرنا، بے ادب (ہما سے) تم مفصل سارا حال سناؤ۔

ہما۔ (اٹک اٹک کر اور روتے ہوئے) حسن علی خاں میرے باپ کا دوست تھا، میرے باپ کی وفات کے بعد ہماری خبرگیری اس نے کی، اس نے مجھے پالا۔ ہم جب قزوین آئے تو اس شیخ نے اس سے ملاقات پیدا کر لی۔ اور وہ اس کو بہت ماننے لگے۔ ایک دن یہ ایک قفقازی ترک کو ہمارے ہاں لایا۔ باتوں باتوں میں مرحوم ضیغ الدولہ کا ذکر آگیا حسن علی خاں نے کہا کہ "ضیغ الدولہ ایک بڑا محب وطن اور عالی خاندان آدمی تھا۔ اس کے بعد کا حال آپ خود جانتے ہیں، خدا شاہد ہے کہ حسن علی خاں نے کسی وقت روسیوں کے خلاف حرکت نہیں کی۔ انھیں سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں حسن علی خاں کی گرفتاری کے بعد یہ شخص تین دن متواتر ہمارے ہاں آتا رہا اور کہتا تھا کہ میں حسن علی خاں کی رہائی کی کوشش میں مشغول ہوں۔ مجھ سے کہا روسی تمہیں بھی پکڑ کر لیجانا چاہتے ہیں اور اس نے خواہش

ظاہر کی کہ میں اور میری ماں اس کے گھر چلیں، ہم نے اسے منظور نہ کیا، تین دن قبل ایک خط اس نے حسن علی خاں کا لا کر دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ شیخ کے کہنے پر عمل کرو اس وجہ سے ہم اس کے گھر گئے کل رات اس نے مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

اس وقت شیخ نے کچھ بول کر ہما کی بات کاٹنا چاہی مگر قونسل نے سختی سے کہا، چپ رہو نہیں تو ابھی جیل میں بھیجدوں گا۔

ہما۔ (آنسو پونچھ کر) شیخ نے محبت کا اظہار مجھ سے کیا۔ اور بوسہ لینا چاہا، اور مجھے ڈراتا تھا کہ حسن علی خاں مار ڈالا گیا اور اگر میں نے اس کا کہا نہ مانا تو روسی مجھے بھی پکڑ کر لیجائیں گے۔ آپ ہی خیال کیجئے ایک بے ایمان آدمی جو یہ سمجھ رہا ہو کہ ایک بیکس و بے یار و مددگار لڑکی اس کے پنجے میں آپھنسی ہے اس کے ساتھ کیا کچھ کرتا شیخ پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قونسل نے ڈانٹ بتیکر ایسی تیز نظر سے اسے دیکھا کہ شیخ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ہما۔ شیخ نے آخر مجھ سے کہا، میں تو مذاق کرتا تھا، حسن علی خاں مارا نہیں گیا۔ لیکن بتاؤ اگر میں اسے چھڑا لوں تو مجھے کیا دوگی۔ میں نے کہا جو آپ مانگیں، اس نے کہا قول ہارتی ہو، میں نے کہا ہاں، اس کے کہتے ہی ایک دفعہ چلایا لو ہاں کہہ دیا۔ بس تم میری بیوی ہوگئیں۔ اس لئے کہ ہاں کہہ دیا۔ آقا قونصل۔ خدا علیم ہے کہ میں ایک حرف جھوٹ نہیں کہہ رہی ہوں۔ حسن علی خاں کی جان کی قسم جو کچھ کہہ رہی ہوں اک اک حرف صحیح ہے آپ کو یہ سب باتیں عجیب معلوم ہو رہی ہیں لیکن میں واقعہ بیان کر رہی ہوں، آدھی رات کو یہ میرے سرہانے آیا۔

...... اس سے آگے وہ بول نہ سکی گلے میں آواز رک گئی اور وہ خاموش ہوگئی۔

قونصل غصہ میں بھر کر کھڑا ہوگیا، اور شیخ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا

لعنت ہے تجھ پر۔ تو اپنی بد خواہشوں کے لئے ایک بیگناہ شخص کی گرفتاری اور موت کا باعث ہوا۔ تو نے دولت شہنشاہی کے دامن کو داغدار کیا۔ میں تجھے تیرے کرتوتوں کی سزا دوں گا۔

ہما۔ موت! کیا اسے مار ڈالا۔ آہ! کیا میرے بھائی جان کو مار ڈالا۔

قونصل نے گھڑی دیکھی، دوپہر کے بارہ بج کے ۵ منٹ ہو گئے تھے اس نے جلدی سے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر، فوج کے اڈجوٹنٹ جنرل سے دو تین منٹ باتیں کیں، پھر رنجیدہ اور غمگین صورت سے ہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

افسوس تم چند منٹ دیر کر کے آئیں، کام ہاتھ سے نکل گیا۔ تمہاری خوبصورتی کی وجہ سے یہ ہولناک واقعہ پیش آیا، مگر یقین رکھو شیخ کو اپنے اعمال کی جلد سزا مل جائے گی۔

ہما نے اس آخری فقرے کو پورا سنا بھی نہیں۔ وہ اک چیخ مار کر کرسی پر سے گر پڑی، قونسل بھی گھبرا کر نیچے آ بیٹھا اور ہما کے سر کو اس نے اپنی گود میں لے لیا اور لڑکی کے بیرنگ چہرے پر تحیر کی نظر ڈالی، شیخ سے کہا، یہ سب تیرے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

تھوڑی دیر بعد، دو روسی تیمارداروں نے آ کر ہما کی تیمارداری شروع کر دی، اسی گڑبڑ میں شیخ نے بھاگ جانا چاہا، قونصل نے یہ دیکھ کر اسے بازو سے پکڑ کر کہا، جانے کی بڑی جلدی پڑی ہے، مگر جانے سے پہلے جو شراب تم نے اوروں کو پلانی چاہی تھی وہ خود تمہیں پینی ہوگی۔

شیخ۔ (مضطربانہ) میں حکومت شہنشاہی کا ایک عہدہ دار ہوں، آپکو میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا چاہئے۔

قونصل (ایک عصبی ہنسی ہنس کر) آپ عجیب غلط فہمی میں مبتلا ہیں، تم جیسے

لوگ جو اپنے ملک وملت کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، انھیں ہم کتے سے بدتر سمجھتے ہیں، اور چور اور قاتل سے زیادہ مجرم، فضا، تم جیسے آدمیوں سے زہر آلود ہوتی ہے اور تمہیں چھونا اپنے تیئں ناپاک کرنا ہے جو اپنے ملک اور قوم کا دوست نہیں وہ کیا کسی سے دوستی اور وفاداری کرے گا، وطن پرستی کی بنیاد محبت اور دوستی کا جذبہ ہے وطن پرستی وہی جذبہ محبت ہے جو انسان کو اپنے اہل وعیال اور خاندان سے ہوتا ہے، تو نے اپنے ملک یعنی اپنے خاندان سے دغا کی تجھ سے ہمارے ساتھ کہ ہم غیر ہیں دوستی اور وفاداری کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

شیخ۔ جب میری ضرورت ہوتی ہے تب یہ باتیں مجھ سے نہیں کہی جاتیں۔ اس وقت میری نہایت آؤبھگت کی جاتی ہے۔

توفضل۔ (مسکراکر) ہاں ہم اپنے ملک کے نفع کے لئے اپنے دل پر جبر کرکے اور اپنے دلی احساسات کے خلاف تم سے تعلقات رکھتے ہیں، تم سے معاملہ اور مذاکرہ کرتے ہیں، تمہاری عزت کرتے ہیں، تمہیں روپیہ دیتے ہیں۔ لیکن ہر وقت تمہیں ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں، اور جب تم سے کام نکل گیا پھر تمہاری طرف میل نہیں کرتے اور نہ تم سے ملنا چاہتے ہیں اور کوڑھی کی طرح تم سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہمارا دل ان لوگوں کی عزت کرتا ہے جو اپنے ملک کو دوست رکھتے ہیں اگرچہ ان کے ہونے سے ہمارے قومی منافع کو نقصان پہنچتا ہے، ہم حسن علی خاں کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن تو نے اس معاملہ میں نہ صرف اپنے ملک کے خلاف رفتار کی ہے بلکہ ہمارے ملک کے مصلحت کے خلاف بھی کام کیا، ایسے وحشیانہ بے رحمی کے کام جو عمال روس کر گذرتے ہیں، تم جیسے دغابازوں کے پاجی پن اور ہمارے سادہ پن کی وجہ سے پذیرہ

ہوتے ہیں، تو نے ایک بے گناہ کو مروایا۔ اور ایک دوسرے بیگناہ کو قید خانہ میں ڈلوایا، دو گھروں کو مبتلائے مصیبت وغم کر کے اہل ملک کے دلوں کو ہم سے برگشتہ کر دیا، اور یہ سب شیطانی حرکات تو نے اپنی نفس پرستی کی وجہ سے کیں۔ دولت شہنشاہی کو اپنا کھلونا اپنا آلہ بنا لیا تو نے کیسے یہ جرات کی؟ تجھے نہایت سخت سزا دی جائے گی۔

قونسل اپنی ہی باتوں سے جوش میں آگیا۔ اور اس نے شیخ کے قریب جا کر اس کے منہ پر ایسے زور سے گھونسا مارا کہ منہ سے خون جاری ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے قید خانے میں لیجائیں اور نائب قونصل سے کہا کہ فوراً منوچہر خاں کا اور شیخ کا مقابلہ کرے، تاکہ ایک دوسرے کے مواجہ میں ایکدوسرے سے حالات و واقعات پر پوری روشنی پڑے۔ اور اس قصہ کی اصلیت بخوبی معلوم ہو۔ کیوں کہ معاملہ اہم ہے اور ہمارے لئے یہ ایک مفید سبق ہوگا۔

ہما کو جب ہوش آیا تو اسے قونسل کے ذاتی موٹر میں بٹھا کر روسی تیمارداروں کے ہمراہ اس کے گھر لے گئے، موٹر کے روانہ ہونے سے پہلے اس نے سب سے کہا، میرے کوئی عورت یا اولاد نہیں اس لڑکی کو میں نے بطور اپنی اولاد کے قبول کیا، یہ کہہ کے اس نے ہما کے ہاتھ چومے، ہما نے آنکھیں بند کر لیں موٹر روانہ ہو گئی۔

(۴۳) حسن علی خاں پھانسی کے تختے پر

کپتان پولوف نے دوبارہ سولی کی چوب کو جو جیلخانے کے صحن میں تاروں کے بڑے درخت کے نیچے گاڑی گئی تھی ہلا کر دیکھا کہ خوب مضبوط

گزر چکی ہے یا نہیں، پھر اپنی گھڑی کو دیکھا، دوپہر کے بارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ ایک افسر کو حکم دیا، پندرہ سپاہی آکر چوب کے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کپتان دو وارڈروں کے ساتھ، حسن علی خاں کی کوٹھری کی طرف روانہ ہوا۔

کوٹھری میں وہ تنہا داخل ہوا، اور حسن علی خاں کو سلام کر کے خاموش کھڑا ہوا۔ حسن علی خاں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہا۔

میں جانتا ہوں آپ کس لئے آئے ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں، آج اس وعدے کو پورا ہونے کا دن ہے جو جنرل صاحب نے مجھ سے کیا تھا۔ میرے پاس گھڑی نہیں، اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ دوپہر ہو گئی یا نہیں شاید ہونے ہی کو ہے میں حاضر ہوں، آپ شرمائیں نہیں، ظاہر ہے کہ آپ کو خاص طور پر اس ڈیوٹی پر معین کیا گیا ہے تاکہ آپ کو تکلیف پہونچے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔

پولپوف، افسوس جنرل کا یہی حکم ہے کہ میرے حکم سے اور میری موجودگی میں آپ کو پھانسی ملے۔

ایک گھنٹہ ہوا مجھے بلا کر کہا کہ جیل کے صحن میں سولی لگائی جائے، اور روتا دھوتا خود میں اس کام کو پورا کروں کاش میری ملاقات آپ سے نہ ہوئی ہوتی۔ اس واقعہ کی یاد میری تمام زندگی کو تاریک کر دے گی۔

حسن علی خاں نے آہستہ سے کہا "آپکی پرخلوص ہمدردی کا شکریہ"۔

دونوں تھوڑی دیر خاموش رہے اور سوچتے رہے آخر پولپوف نے کہا۔

آپکو کوئی وصیت کرنی ہو تو فرمائیے میں اسے پورا کروں گا۔

حسن علی خاں۔ دنیا میں میرا صرف ایک عزیز ہے اور وہ ہما ہے جسے آپ

جانتے ہیں، اس کی دلجوئی کیجئے گا۔ (آہستہ سے گویا اپنے دل سے باتیں کر رہا ہے) اگرچہ منوچہر بھی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چند سکنڈ پھر خاموشی میں گذرے، ایک مرتبہ یوپوف نے، عزورانہ طریقے سے سر اٹھا کر کہا۔

"معاف کیجئے" میں آپ کی وصیت کو پورا نہ کر سکوں گا۔ اس لئے کہ آپ کو پھانسی پر چڑھا کر میں خود ریوالور سے اپنا کام تمام کر لوں گا۔

حسن علی خاں نے متاثر ہو کر کہا۔ آپ نیک انسان ہیں آپکو زندہ رہنا چاہئے، اگر ممکن ہو تو بطور میرے خون کی تلافی کے، ایرانیوں کی خدمت کیجئے اور ان کی تکلیف و مصیبت کو کم کیجئے گا، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس بے بس قوم کو کیا غم ورنج پیش آنیوالا ہے بندگی اور غلامی سخت ناقابل تحمل چیز ہے، محکومیت کی زندگی، ہر وقت کی موت ہے۔

یوپوف اپنے ہاتھوں میں سر لئے بیٹھا رہا اور سوچتا رہا۔

حسن علی خاں اپنے دل میں ہما سے کہہ رہا تھا، ہما جان کیا اچھا ہوا میں اور تم اور وہ تینوں آرام سے رہیں گے۔ میری ہستی میرے لئے اور سب کیلئے باعث رنج و مصیبت تھی، تمہارے دل کو حس رحم و شفقت جو میرے متعلق ہے، اور عشق جو منوچہر سے ہے اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور تم آزردہ و پریشان تھیں، میں عذاب میں تھا کہ کیوں تمہارے عشق میں حائل ہوں کیوں آرزوئے وصال، یا حس رشک، وحسد کا گذر میرے دل میں ہوتا ہے میں افسوس کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ میں اپنے احساسات پر قابو نہ پا سکتا تھا، اچھا ہوا میں گیا، لیکن میری آرزو تھی کہ راہ عشق میں تمہاری خدمت کے جرم میں قتل کیا جاتا، کاش اس سولی پر لٹکنے کا باعث تھوڑا سا تمہارے ساتھ محبت کرنے کا جرم بھی ہوتا، ایسی صورت میں میں کیسی خوشی کے ساتھ

پھانسی کے تختے پر جاتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا قلب حساس مجھے بھولیگا
نہیں، کاش ایک دفعہ اور تمہارا دیدار مجھے نصیب ہو جاتا۔

ایک بار پولون نے اس طرح گویا وہ نیند سے جاگا، چونک کر
گھڑی کو دیکھا اور متعجبانہ کہنے لگا۔
"بارہ بج کے دس منٹ ہو گئے"۔
حسن علی (اٹھکر) میں تیار ہوں، چلئے۔
مگر پولون نہ اٹھا، اس نے تھوڑا سا دیکر۔ حسن علی خان کا ہاتھ
آہستہ سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔
"حکم کا وقت معینہ گذر گیا"۔
حسن علی خان۔ دس منٹ کی دیر کوئی دیر نہیں آپ اپنے کو خطرے میں
نہ ڈالئے، اس سے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ آپ نہ ہونگے، دوسرا اس حکم
کی تعمیل کرے گا، حد سے حد یہ کہ ذرا دیر اور لگ جائے گی، اور اس عرصہ
میں میرا عذاب روحی اور بڑھ جائے گا۔ جس قدر جلد ممکن ہو مجھے اس عذاب
روحی سے نجات دیجئے، آپ میرے حق میں سب سے بڑی دوستی یہی کرسکتے ہیں
پولون۔ میں نے اس معاملہ میں اپنے دل سے پوری دلیل و منطق کو صرف
کیا، مگر سب بے سود، انسانیت مجھے اجازت نہیں دیتی کہ ایک بیگناہ کا قتل
میرے ہاتھ سے ہو۔ آپ جیسے ہادی کے خون سے میں اپنے ہاتھ نہ رنگونگا۔
حسن علی خان۔ انسانیت کا پہلا حکم یہ ہے کہ سوسائٹی کے قوانین کی حفاظت
کی جائے، اور اپنے افسر اعلی کا حکم مانا جائے جو اس لئے قواعد و قوانین جاری
کے ماتحت دیا ہو۔ اگرچہ وہ قانون غلط اور ظالم ہو، سوسائٹی کے نظام کی

نتیجتاً اسی لیے ہے ہماری معاشرت کا نظام اسی لئے خراب ہے کہ ہمارے ملک میں قانون اور حاکم کے حکم کی تعمیل بالصراحت اور پورے طور پر نہیں کیجاتی۔ حقیقت میں ہم پر احساسات کی حکمرانی ہے۔

پولوف۔ آپ کی ہدایت و رشادت مجھے مبہوت کرتی ہے۔ اور میں اپنے وجود سے شرمندہ ہوں۔ مگر مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ اتنی خودداری سے کیوں کام لیتے ہیں، ایسے وقت میں کہ کسی کو بات کرنے کی طاقت نہیں رہتی آپ اپنے تمام قوٰی پر مسلط ہیں، آپ کی روح آفتاب کی مانند چمک رہی ہے آپ تو اپنی بزرگی اپنے کردار سے اس قدر ثابت کررہے ہیں کہ مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں بھی زندگی میں ایک بے غرضانہ کام کروں یعنی ایک دفعہ تو زندگی کی مادی فوائد کو نظرانداز کرکے اپنی روح کی تکمیل و بزرگی کی راہ میں چند قدم ڈالوں، آخر میں بھی چاہتا ہوں کہ میں خیال کروں کہ میں جوانمرد ہوں مجھ میں عفو کا مادہ ہے، میں انسان ہوں انسانیت سے محبت رکھتا ہوں۔

آپ نے جو کچھ فرمایا، میں اس کی تصدیق و تائید کرتا ہوں، لیکن اپنے مافوق کے حکم کی عدم تعمیل کے بوجھ کو اپنے تئیں اس طرح ہلکا کیا جاسکتا ہے کہ نافرمانی کے نتیجہ کے برداشت کرنے کے لئے تیار رہا جائے، گو وہ سبکساری جان دینے ہی سے حاصل ہو۔ اس حکم کی تعمیل کوئی دوسرا کرے گا میں ہرگز نہ کروں گا۔ حسن علی خاں کچھ جواب دینا چاہتا تھا، مگر پولوف کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا میں آخری مرتبہ جب کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں۔ آپ قتل کیے جائیں گے، اور میں بھی غالباً سائبیریا بھیجدیا جاؤں گا، یا گولیوں کی باڑھ کا نشانہ بنایا جاؤں گا۔ میں آپکو خدا کے

حوالے کرتا ہوں۔

حسن علی خاں نے اس سے گلے مل کر، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ پوپوف کے چہرے پر اس بوسہ سے ایک مسرت کی چمک پیدا ہو گئی۔ اور اس نے کہا۔

آپ کا یہ بوسہ میرے لئے ہر انعام اور صلیب سے زیادہ قیمتی ہے، جب تک زندہ ہوں میں اسے نہ بھولوں گا۔ یہ کہہ کر پوپوف جیل سے باہر چلا گیا۔



(۴۴)

جنرل کے کمرے میں

پولوف نے جنرل کے کمرے میں داخل ہو کر اسے فوجی طریقے سے سلام کیا۔ جنرل نے ایک طوالانی ہنسی ہنسکر کہا۔ اب تم عمر بھر ایرانیوں سے دوستی نہ کرو گے۔ افواج فاتح کے افسروں کا مغلوب مملکت کے لوگوں سے دوستی کرنا فوج کی شوکت و دبدبہ و پیش رفت کار کے خلاف پڑتا ہے۔ یہ تمہاری نرمی اور مہربانی ہی کا نتیجہ تھا کہ جو شخص آج پھانسی پر چڑھا اس نے اس دن میرے ساتھ ایسی بے ادبی اور گستاخی کی اپنی برتری اور تفوق کو قائم رکھنے کے لئے ہم یورپین لوگوں کو چاہئے کہ ویسی لوگوں سے ربط ضبط نہ بڑھائیں تاکہ وہ ہمیں اپنا ہم جنس نہ سمجھنے لگیں اور ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں۔ بہرحال خوش قسمتی سے میں نے پھانسی کے لئے ۱۲ بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ اگر دس منٹ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو میرے حکم کی تعمیل نہ ہو سکتی۔ یہ کہہ کر اور پھر ایک لمبی ہنسی ہنسکر اس نے پولوف کے ہاتھ میں ایک تار دیکر کہا "لو پڑھو یہ قفقاز کے کمانڈر کا تار ہے" تار میں لکھا تھا "حکومت شہنشاہی منقرض ہو گئی۔ جدید حکومت بالشویکی کا حکم ہے کہ تمام سیاسی مجرمین فوراً رہا کر دئیے جائیں۔ اس بارے میں تمام احکام سابق منسوخ ہیں"

پولوف نے اس غرض سے کہ خوشی کے مارے اس کا قلب نہ پھٹ جائے اپنے سینہ کو ہاتھ سے دباکر بے اختیار ایک لمبا سانس لیا۔

جنرل۔ (مسکراکر) "تمہیں افسوس ہے کہ یہ تار آدھ گھنٹہ پہلے کیوں نہ آیا۔

پولوف۔ "نہیں میں خوش ہوں کہ میں نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ میں پرُ غضب

وجلاد نہیں ہوں۔ مجھ سے ممکن نہ تھا کہ ایک ہادی دعالم کو جو بے گناہ ہے۔ آپ کو خوش کرنے کے لئے پھانسی پر لٹکا دوں۔ میں اس نافرمانی کے نتیجہ سے واقف ہوں۔ آپ جو چاہیں کیجئے میں حاضر ہوں۔

جنرل کے منہ سے غصہ کے مارے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ وہ غصے میں کانپ رہا تھا۔ جب اس نے اپنے پر قابو پایا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بوپوف کے نزدیک جا کر کہنے لگا۔

"تم نے میرے حکم کو کیوں پورا نہیں کیا۔ یہ کہہ کر بوپوف کی وردی پر سرداری کے تمغے نشان تھے۔ انہیں شدت سے اکھیڑا کہ وردی بھی پھٹ گئی اردلی کو بلا کر حکم دیا۔" اس دغاباز کو لیجاؤ جیل میں۔ جبتک دوسرا حکم ملے۔

(۴۵)

حسن علی خاں کے گھر میں

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حسن علی خاں رہائی سے کچھ بہت خوش نہیں۔ اپنے دروازہ پر گاڑی سے اتر کر نہایت آہستہ آہستہ اپنے گھر کے باغ میں داخل ہوا۔ خدام مالیہ کے خوشی کے شور اور ہمہمے سے اندر والے بھی باغ میں آ گئے۔ طلعت خانم "ہما جان آؤ" تمہارے بھائی جان آ گئے جلدی آؤ" کہتی ہوئی حسن علی خاں کے استقبال کو بڑھی۔

ہما اپنے بستر سے جلدی سے اٹھی اور دو ایک قدم ہی چلی ہوگی کہ زمین پر گر کر بیہوش ہو گئی۔ حسن علی خاں کا پہلا سوال طلعت خانم سے یہی تھا "ہما کہاں ہے"؟ کیا منوچہر بھی یہاں ہے؟ جب اسے معلوم ہوا کہ منوچہر یہاں کبھی نہیں آیا اور کبھی اس کی ملاقات اس عرصہ میں ہما سے نہیں ہوئی۔ تو ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کے جسم میں دوبارہ جان آگئی اور اس وقت اُس نے محسوس کیا کہ موت سے رستگاری سب سے زیادہ شیریں لذت ہے۔

عاشق ناکام کو کسی چیز میں لطف نہیں آتا۔ وہ اس جسم کی مانند ہوتا ہے جو سردی سے ٹھٹھر گیا ہو۔ جس کے اعضا شل ہو گئے ہوں۔ تو محبت جب اسے گرم کرتا ہے تو اس میں دوبارہ جان پڑ جاتی ہے۔

اب حسن علی خاں کے قدم مضبوط تھے۔ ان میں تیزی آگئی تھی۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ اس کے بیرنگ اور دھنسے ہوئے گالوں پر سرخی آگئی تھی۔ اس کا قد سیدھا ہو گیا۔

ہاں، وہ عاشق جسے معلوم ہو کہ وہ بھی محبوب ہے۔ دنیا کو اپنے پاؤں کے نیچے سمجھتا ہے۔ اور اپنے تئیں فاتح آسمان وزمین خیال کرتا ہے۔

طلعت خانم چلا رہی تھی "ہما جان کیوں نہیں آتی ہو" مگر ہما کے کمرے سے کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ گھبرا کر سب اس کے کمرے میں گئے۔ دیکھا فرش زمین پر بیہوش پڑی ہے۔ جب ہما کو ہوش آیا تو اس نے اپنا سر حسن علی خاں کی زانو پر پایا۔ اس نے اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

حسن علی خاں تبسم چہرے کے ساتھ اپنی محبوبہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے۔ تمام دن اور آدھی رات واقعات گذشتہ کا ہی ذکر رہا۔ جس سے تمام حالات پر روشنی پڑی۔ ہما اس قدر خوش تھی کہ شیخ حسن نے جو کچھ کہا تھا۔ اسی کو دہرا رہی تھی اور شیخ کے متعلق کسی قسم کی نفرت و کینہ کا اظہار نہ کرتی تھی۔ منوچہر کے بارے میں بھی شیخ سے جو سنا تھا وہ اس نے حسن علی خاں سے بیان کیا۔ حسن علی خاں نے کہا" میں خیال نہیں کرتا کہ منوچہر نے مجھے پکڑوایا ہو۔ میرا دل اسے بے شرافت کہنے سے

گریز کرتا ہے۔

ہما۔ میں نے بھی یقین نہیں کیا۔ میں انسان کو اسدرجہ پست وعاری خیال نہیں کرسکتی

حسن علی خاں دل میں ہما کی منوچہر کی اس طرف داری سے خوش نہ ہوا اور اس نے انغلر کہا۔ چلو آرام کرو، کل تمام حالات کی تفتیش وتحقیق ہوجائیگی۔

جب ہما اپنے کمرے میں چلی گئی تو تھوڑی دیر بعد حسن علی خاں اپنے دفتر کے کمرے میں گیا اور لیمپ روشن کرکے اپنے روزنامچے کی جلد کو الماری میں ڈھونڈنے لگا اور اپنے دل سے کہنے لگا۔

کاش میں مار ڈالا جاتا تاکہ اس رنج سے رہائی حاصل کرتا۔ اب مجھے تو یہ معلوم ہورہا ہے کہ میں ہما کو پہلے سے بھی زیادہ چاہتا ہوں اور اسے جو منوچہر سے عشق ہے۔ اس سے اور بھی زیادہ متاثر ہو رہا ہوں۔ اب مجھ میں طاقت نہیں رہی۔ فطرت میرے ساتھ مذاق کررہی ہے۔ اور مجھے اپنا کھلونا بنائے ہوئے ہے۔ اور مجھے ستاتے میں اسے لطف آرہا ہے۔

ہما سلیپر پہنے ہوئے سونے کے کمرے سے نکل کے چپکے چپکے دفتر کے کمرے تک آئی اور کواڑ کے شیشوں میں سے جھانکنے لگی۔

حسن علی رنجیدہ وغمگین لکھنے کی میز پر روزنامچے کو سامنے رکھے ہاتھوں میں سر دئے سوچ رہا تھا۔ دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کتاب کے آخری صفحہ کو کھولا۔ کتاب کی آخری تحریر پر نظر پڑتے ہی اس کی حالت میں تغیر واقع ہوگیا اب اس کے چہرے پر تعجب اور خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے آنکھیں مل کر پھر غور سے پڑھا۔ ہما کی تحریر تھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لکھا تھا۔

"یہ دنیا کیا دنیا ہے؟ ان تمام بدبختیوں کا گناہوں کا ذمہ دار کون ہے؟ میں نے کیا خطا کی ہے جو ناحق ایسے عذاب میں مبتلا ہوں۔ کس درد میں گرفتار

ہوں۔ مجھے موت کیوں نہیں آجاتی؟ میں اس قدر سخت جان کیوں ہوں؟ اے دغاباز نیچر! اے دشمن خوں خوار انسان! تو نے مجھے اپنے پرستیدہ و محبوب کی گرفتاری کا باعث کر دیا۔ اب میں کس سے شکایت کروں۔ اور تیرے خیال میں کیا کیا ہے۔ اپنی شقاوت و بیرحمی کو اور کس درجہ تک لیجائے گی؟ مگر اطمینان رکھ اور خوش نہ ہو۔ اگر تو نے میرے مقصود حیات کو اس خیال سے مجھ سے چھینا کہ میں عمر بھر آتش ہجران و سوز شرر ساری میں جلتی رہوں اور تو میری مصیبت پر ہنسے اگر تیرا یہ خیال ہے تو تجھے مغالطہ ہوا ہے اس کے بعد میں زندہ نہ رہوں گی۔

اے مقصد زندگانی! اے محبوب مطلوب! مجھے معاف کر! اور مجھے اجازت دے (اگر ہم زندہ رہے) کہ مجھے ساری عمر آپ کی کنیزی و خدمت گذاری کا فخر حاصل رہے۔ آہ! آپ میرے جذبات سے کیوں ناواقف رہے۔ کیوں میرے احساسات کی آپ کو خبر نہ ہوئی؟ کیا کروں سوسائٹی کے غلط قواعد کہ وہ میری طبیعت ثانیہ بن گئے ہیں۔ مجھے اجازت نہ دیتے تھے کہ میں اپنے تئیں آپ کی آغوش میں ڈال کر کہتی۔ آپ ہی میری آرزو ہیں۔ میں سوائے آپ کے کسی اور کو نہیں چاہتی۔ مطمئن رہئیے۔

میں غلطی سے ایک وقت منوچہر کو چاہتی تھی، مگر وہ چاہنے کے قابل نہ نکلا۔ آپ کی ہستی نے آسمانی نور کی طرح اس کی طینت کی حقیقت و تاریکی کو مجھ پر ظاہر کر دیا۔ آپ کے اخلاق کی بلندی نے اس کی پستی مجھ پر نمایاں کر دی۔

وہ آپ کی گرفتاری اور آپ کی مصیبتوں کا باعث ہوا۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔ اسے دشمن سمجھتی ہوں۔ اگر بس چلا تو تعصب کا

تمام اس سے لوں گی

افسوس ہے مجھ پر کہ یوں میں نے ہمت کر کے اپنے جذبات کا اظہار صاف صاف آپ سے نہ کیا۔ میں آپ کی محبت کی آگ میں جل رہی تھی اور مجھے آپ کی تکلیف کا بھی علم تھا۔ جو میری محبت کی وجہ سے آپ کو ہے۔ لیکن میری زبان بند تھی۔ حیا و شرم مانع رہی۔ لعنت اس حیا پر۔

حسن علی خاں نے اپنے آنسوؤں کو صفحہ پر گرنے سے بمشکل روکا۔ جلدی سے رومال نکال کر آنکھوں پر رکھ لیا۔ اس نے دوسری مرتبہ اس صفحہ کو پڑھا اور خوشی سے اٹھکر کمرے میں چند قدم ٹہلا پھر بیٹھا اور پھر تیسری مرتبہ پڑھا اور ایک مرتبہ بے اختیار صفحے پر منہ رکھ کے ہما کی تحریر کو بار بار بوسے دیتا اور اس کی خوشبو سونگھتا تھا اور اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا۔ چند سکنڈ اسی حال میں گذرے کہ دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ متوجہ ہوا اور اس نے اپنا سر کتاب سے اٹھایا۔

دیکھا کہ ہما کمرے میں ہے۔ ایک ہاتھ سے اس نے دروازہ بند کیا اور دوسرے ہاتھ کی انگلی اپنے مسکراتے ہوئے منہ پر رکھے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہی ہے۔ اس کے گورے بازو اور گوری گردن لٹکی پڑی ہوئی زلفوں میں سے امید کی جھلک کی طرح دلربا تھے۔ واقعات گذشتہ نے اسے اور بھی پیارا کر دیا ہے۔ رخساروں پر سرخی تھی۔ اس نے آنکھیں خستہ و نیم باز تھیں۔ حسن علی خاں نے کبھی ہما کو اتنا دلکش نہ پایا تھا۔ اس پر ایک عشق کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس وقت وہ دنیا اور علائق دنیا کے جکڑ بند سے آزاد تھا۔ وہ آسمان میں پرواز کر رہا تھا۔ فرشتوں کے پروں پہ الماس کے تخت پر بیٹھا ہے۔ ملکۂ آرزو اسکا دامن پکڑے ہوئے ہے۔

ہما آہستہ سے دو قدم اور بڑھی، حسن علی خاں اٹھا اور اس نے ہما کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ دونوں رو رہے تھے اور فرشتے ان کے آنسوؤں کے قطروں کو جمع کر رہے تھے۔

خاتمہ کس کا ہوا؟

سراپا تمہارا!!

دوسرے روز منوچہر کا یہ خط انہیں ملا۔

"آقائے معزز و خانم محترم۔ آپ اپنے ہاتھ اس خط کو چھونے سے ناپاک نہ کیجئے اور ان سطروں کے پڑھنے کے بعد اپنی آنکھوں کو دھو لیجئے تاکہ وہ پاک ہو جائیں۔ میں خدام التجا کرتا ہوں۔ میں مجرم سیہ کار و سیہ بخت ہوں۔ میں ایک انسان صورت دیو ہوں آپ دونوں فرشتے ہیں۔ آپ پر خدا کا سایہ ہے۔ میں کہاں آپ کہاں ازل میں آپ کو ایک دوسرے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ فرشتے کا شیطان سے پیوند نہیں ہوتا۔ خدا نے آپ فرشتوں کو خلق اللہ کی اصلاح و بہبودی کے لئے بھیجا ہے۔ آپ کی عالیجنابی آپ کے عفو ہائے بیحد و حساب ہر شخص کو متاثر کئے ہوئے ہیں۔ ہر شخص کا دل ان سے رقیق ہو جاتا ہے اور شقی ترین اشخاص بھی اچھے کاموں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنی تمام عمر اپنے گناہوں کے کفارے اور تلافی مافات میں گذاروں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی روح آلودہ کو نور عشق کی بدولت پاک و منزہ کروں۔ انشاء اللہ اس کے بعد ہمیشہ اپنی ماں اپنے بال بچوں اور اپنے ملک کی خدمت کرونگا۔ آپ کے مکارم اخلاق کے طفیل میں ایک شخص مجرموں کے حلقے سے نکل کر انسانوں کے دائرے میں داخل ہو رہا ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے آپ اپنی خوشبختی

کے شکرانہ میں میری خطاؤں کو معاف کر دیجئے۔ آپکا خطاوار غلام منوچہر

شیخ حسن

شیخ کہہ رہا تھا" آقا۔ آپ نے مجھے قید سے چھڑا لیا۔ یہ آپ کی ہی ہمت و عالی حوصلگی سے ہوا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے قدموں کو چوموں۔

حسن علی خاں۔ اسکے عوض میں جو کہوں وہ کیجئے۔ اس سے میں زیادہ خوش ہونگا

شیخ۔ (آسمان کیطرف ہاتھ اٹھا کر) میں قسم کھاتا ہوں کہ آپکے حکم کی تعمیل کرونگا۔

حسن علی:" میری خواہش تم سے یہی ہے کہ آج کے دن سے جادۂ ایمان و راستی و وطن دوستی سے باہر قدم نہ رکھو اور اپنے پیشۂ عطاری کو اختیار کر کے حلال کی روٹی کھاؤ اور باقی عمر عبادت اور گناہوں کے کفارے میں گذارو"

شیخ:" آپ نے فرمایا وطن دوستی اسکے لئے تو ایک اخبار یا ایک رسالہ جاری کرنیکی ضرورت ہے اور میرے پاس سرمایہ نہیں۔ آپ مرحمت فرمائیں تو ہو سکتا ہے میں سیاسی آدمی ہوں۔ اخبار اور رسالے سے اپنے ملک و قوم کیخدمت کر سکتا ہوں

حسن علی خاں نے جواب نہ دیا اور بغیر خدا حافظ کہے کمرے سے باہر چلا گیا۔

پولوف

روس کی فوج منتشر ہو گئی مگر پولوف ایران ہی میں رہگیا وہ حسن علی خاں کیساتھ رہتا ہے۔ ایرانی رعایا ہو گیا ہے اس نے اپنا نام "شریف فریدوں" رکھا ہے اور ایرانیت کو دل و جان سے قبول کر لیا ہے۔

ایرانیوں کی مہمان نواز اور مہربان قوم ہر جگہ اسکی عزت و احترام کرتی ہے ایرانی فوج میں اسے وہی رتبہ دیدیا گیا ہے۔ جو روسی فوج میں تھا۔ حسن علی خاں و حسن علی خاں کی بیوی کی دوستی میں شیریں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اکثر کہہ اٹھتا ہے۔ **زندہ باد ملت ایران**

تمت